پرمارتھی ساکھیاں

پرمارتھی ساکھیاں

پرمارتھی ساکھیاں

مہاراج ساون سِنگھ جی

رادھا سوامی ست سنگ بیاس

کیونکہ تُم کوئی پیغمبر نہیں ہو، اِس لیے بتائی گئی راہ پر چلتے رہو۔ ایک دِن تُم ضرُور اِس گڈھے میں سے باہر نکل آؤ گے اور ایک بلند مقام حاصل کرلو گے۔ چونکہ تُم جہاز کے کپتان نہیں ہو، اِس لیے پتوار مت تھامو؛ تُم خُدا کی زبان نہیں بن سکے تو کان بنو، یعنی دھیان سے سُنو۔

مولانا رُوم

فہرست مضامین

حِصہ 1

سنتوں مہاتماؤں کی زبانِ مُبارک سے فرمائی گئی مشہور حکایات

حِصہ 2

بڑے مہاراج جی اَور اُن سے پیشتر ہوئے ستگُوروؤں سے متعلقہ ساکھیاں

پیش لفظ

جب سے انسان نے بولنا شروع کیا ہے، کہانیاں یعنی ساکھیاں کہی جا رہی ہیں۔ٹھیک ڈھنگ سے کہی گئی کہانی کچھ اسطرح سے اپنا پیغام دیتی ہے کہ سُننے والے کو اچھا لگتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں کو ادب اور اخلاق کے اصوُل سمجھ میں نہ آتے ہوں،لیکن کہانی کے ذریعے کہی گئی سچائی کو بھی خوشی خوشی قبول کر لیتے ہیں۔

ہزاروں سالوں سے کہانیاں نسل در نسل سُنائی جاتی رہی ہیں جن میں اکثر اوقات کچھ باتوں کا اضافہ ہو جاتا ہے اور کچھ باتیں چھوُٹ جاتی ہیں اور کچھ بڑھا چڑھا کر بھی کہہ دی جاتی ہیں۔ یہاں اہمیت کہانیوں کی جڑ تک پہنچنا نہیں ہے اور نہ ہی اہمیت اس بات کی ہے کہ آیا کسی کہانی میں بیان کیا گیا واقعہ سچ مچ ہوا تھا کہ نہیں، کسی سنت یا فقیر نے کوئی خاص بات کہی تھی یا نہیں،کوئی کرامات سچ مچ ہوئی تھی کہ نہیں۔اہمیت تو کہانی کے ذریعے دی گئی تعلیم یا پیغام کی ہے۔سنت مہاتما اور فُقرائے کامل کہانیوں کا استعمال ہمیں اپنا خاص پیغام دینے کے لیے کرتے ہیں۔یہ کہانیاں اُن کی تعلیم عام لوگوں تک پہنچانے کا محض ایک ذریعہ ہیں تاکہ قارئین اُن کی پُراسرار باتوں کو بخوبی سمجھ سکیں۔

کتاب ہذا کی بیشتر ساکھیاں یا حکایات مہاراج ساوَن سِنگھ جی (1858--1948) جنہیں سنگت ’بڑے مہاراج جی‘ کہہ کر خطاب کرتی ہے، کے ست سنگوں سے لی گئی ہیں۔فارسی زبان کے عالِم اور فوج میں اِنجنیر رہ چکے مہاراج ساوَن سِنگھ جی، بابا جیمل سنگھ جی (1838--1903) کے مُرید تھے جنہوں نے ہندوستان کے پنجاب راجیہ میں بیاس گاؤں کے نزدیک رادھا سوامی ست سنگ کی بنیاد رکھی۔بڑے مہاراج جی نے پَینتالیس (45) برس تک سنت مت کا پرچار کیا جسے سُرت شبد یوگ کہا جاتا ہے۔

ترمیم شدہ تصنیفِ ہذا میں ساکھیوں کی تعداد بڑھا کر 149 کر دی گئی ہے۔کچھ لمبی ساکھیوں کو دو (2) دو (2) ساکھیوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔کتاب میں اِن ساکھیوں کو دو حصوں میں دیا جا رہا

ہے۔ پہلے اَور بڑے حصے میں سنتوں مہاتماؤں کے ذریعے کہی گئی عام مشہور ساکھیاں دی گئی ہیں، جب کہ دُوسرے حصے میں بڑے مہاراج جی اَور اُن کے سابقہ ست گوُروں سے متعلقہ ساکھیاں دی گئی ہیں۔ حلانکہ اِن ساکھیوں کو تیسرے شخص (third person) میں بیان کیا گیا ہے، ایسا کرتے وقت بڑے مہاراج جی کے الفاظ اور طرزِ بیانی کو مدِ نظر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب میں شروع سے آخر تک سنت مہاتماؤں وفقیرائے کامِل کے واحد پیغام 'محبت ہی خُدا ہے' کا تانا بانا بُنا ہوا ہے۔ لیکن محبت کی راہ آسان نہیں ہے، کیونکہ یہ دُشمن کے علاقے سے ہو کر گزرتی ہے۔ یہ دُشمن پردے میں رہتا ہے اس لیے ہم اس کے خطرے کو دیکھ نہیں پاتے ہیں۔ یہ دُشمن ہمارا اپنا نفس ہے: نفس ہمارا عزیز دوست بن کر رہتا ہے لیکن آہستہ آہستہ ہم پر یہ حقیقت ظاہر ہونے لگتی ہے کہ دراصل یہ نفس نہایت جھوٹا اَور مکّار ہے اَور یہی ہمارا اصلی دُشمن ہے۔ یہ کبھی دھوکے سے اور کبھی چاپلوسی سے ہم پر حاوی رہتا ہے اَور ایک بے لگام حاکم کی طرح اپنی طاقت اور مکّاری سے ہم کو کبھی بھی تباہ وبرباد کر سکتا ہے۔

کتاب میں دی گئی تمام ساکھیاں سلیس و عام فہم ہیں جو بوڑھے اور جوان ہر دو کو یکساں طور پر پسند آنے والی ہیں۔ ان سبق آموز ساکھیوں کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ ہر کسی کو اپنے اپنے نظریے سے دِلچسپ لگتی ہیں۔ ایک باہوش سمجھدار قاری کو یہ وصالِ خُدا کی راہ میں آنے والی رُکاوَٹوں سے آگاہ کرتی ہیں۔ عاقبت کے دائمی سُکھ اور تجلّی کا احساس کروا کر یہ اپنے دُشمن نفس کا سامنا کرنے کی ہمت دیتی ہیں۔ اس طرح ایک طرف یہ ہمیں تیاگ، سادگی، بھگتی، وِشواس اور فرمانبرداری کی تعلیم دیتی ہیں اور دُوسری طرف نفس کے بے شمار دھوکوں--- چھل کپٹ، اُلجھن، اہنکار، کام کرودھ وغیرہ کے بارے میں ہُشیار کرتی ہیں۔

شمالی ہندوستان کی ہندو مُسلم اور سِکھ روایتوں سے رُوشناس کراتی یہ ساکھیاں ہمیں اس حقیقت کی یاددہانی کراتی ہیں کہ اخلاقی ورُوحانی سچائیوں کو خواہ کیسے ہی الفاظ وانداز میں کیوں نہ بیان کیا جائے، ان کی تہہ میں پائی جانے والی سچائی اپنے آپ میں ایک اٹل سچائی ہی رہتی ہے۔ خواہ ہم محبت کو گاڈ، اللہ، رام یا واہے گوُرو نام سے خطاب کریں، خواہ ہم رُوحانیت کا سچا اُپدیش دینے والوں کو سنت، گوُرو یا مُرشد کہیں، خواہ ہم خُدا کی تخلیقی طاقت کو ورڈ، شبد، نام یا کلمہ

کہیں، خواہ ہم کسی سِنا گاگ، گرجا گھر، مسجد، مندر یا گوُرودوارہ وغیرہ میں پرارتھنا، عبادت، پُوجا یا کیرتن کریں، حتیٰ کہ خواہ ہم تمام انسانی مُشاہدوں کو کسی بھی زبان میں بیان کردیں، لیکن اگر ہم ایمانداری سے سچائی کی تلاش میں ہیں تو اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کا باہری تعلق کس سے ہے کیوں کہ سچائی اِن سب سے پرے ایک الگ ہی سطح پر ہے۔

بڑے مہاراج جی کا اپنے ست سنگوں میں ہی نہیں بلکہ اپنی عام بول چال میں بھی اپنی بات کہنے کا ایک مختصر مگر موثّر انداز تھا۔ ایک بار اُن کے ایک مُسلمان دوست نے اُنہیں بتایا کہ وہ حج کرنے مکّہ جا رہا ہے اور اُن سے پُوچھا کہ کیا اُنہیں وہاں سے کچھ منگوانا ہے۔ بڑے مہاراج جی نے کہا، ''براۓ مہربانی مکّہ کے خُدا کو میرا مودبانہ سلام کہنا۔'' وہ شخص سوچ میں پڑ گیا اور بولا، ''کیا مکّہ میں کوئی الگ خُدا ہے؟'' بڑے مہاراج جی مُسکرائے اور بولے، ''پھر وہاں کیوں جا رہے ہو؟''

سچائی کی آواز جس ڈھنگ سے بولتی ہے وہ ہمارے من پر یکدم اثر کرتی ہے۔ جس بات کو ہم مہینوں مطالعہ اور دلیل بازی سے نہیں سمجھ پاتے، وہی بات پلک جھپکتے ہی ہماری سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہ سُوجھ بُوجھ ہمیں اتنی طاقت بخشتی ہے کہ ہم حالات سے بے واسطہ ہوکر اُن کا غیر جانبدارانہ ڈھنگ سے جائزہ لیتے ہیں جو زندگی میں ہمارے لیے بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے۔

ایک آنکھ والے خان کی لوک کتھا سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ ایسی سوجھ بوجھ ہمیں جو فائدہ پہنچاتی ہے وہ جسمانی اور دماغی صلاحیت کے فائدے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

ایک آنکھ والے خان کا ایک غریب خاندان میں جنم ہوا تھا۔ اُس کا باپ شرابی تھا اور موچی کا کام کرتا تھا۔ اُس کی ماں طوائف تھی۔ لڑکپن میں ہی وہ ایک آنکھ سے اندھا ہوگیا تھا۔ ایک رات جب اُس کا باپ شراب خانے سے لوٹا تو اُس نے لڑکے کو بندگی کرتے ہوئے دیکھا۔ اس بات سے وہ اس قدر غصے سے لال پیلا ہوگیا کہ اُس نے شراب کی بوتل لڑکے کے ماتھے پر دے ماری جس سے وہ ایک آنکھ سے اندھا ہوگیا۔ شراب اور خون میں لتھ پتھ خان زمین پر بدحواسی کی حالت میں پڑا تھا کہ اُسے خُدا کی آواز سنائی دی، 'نوجوان خان! ڈرو نہیں، میں تمہیں یہ توفیق بخشتا ہوں کہ تم اپنے اندر میری آواز سُن سکو گے اور اپنی اس ایک آنکھ سے تم اتنے سمجھدار بن جاؤ

گے کہ لوگوں کے دِلوں کے اندر جھانک سکو گے''۔

ایک آنکھ والا خان ایک چلتا پھرتا کہانی کار بن گیا۔ اُس کی طرزِ بیانی اس قدر پُرکشش تھی کہ اپنے سفر کے دوران وہ جہاں کہیں بھی رُکتا، لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ بولتا، تو پرندے چہچہانا بند کر دیتے اور پھول اُس کی جانب جھک جاتے تاکہ اُس کی سنہری زبان سے نکلے ہر دلکش لفظ کو غور سے سُن سکیں۔

اُس شہر کے بوڑھے بادشاہ کا کوئی بیٹا نہیں تھا اور وہ اپنا وارث مقرر کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنی خواب گاہ میں بُلائی جانے والی مجلس میں ایک آنکھ والے خان کو بھی شرکت کرنے کے لیے کہا۔ اس مجلس میں ہر محکمہ کے وزیرِ اعلیٰ کو اپنی اپنی کارگزاری بیان کرنے کیلئے بلایا گیا تھا تاکہ صحیح بادشاہ چُنا جا سکے۔ سب وزیر اس بات سے ناواقف تھے کہ ایک آنکھ والے خان کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ وہ اُن کے دِلوں میں جھانک کر یہ پتہ لگائے کہ اُن کے الفاظ میں کتنی سچائی ہے۔

سب سے پہلے وزیرِ خزانہ نے کہا، ''بادشاہ سلامت! میں نے دس نئے ٹیکس لگائے ہیں اور شاہی خزانے کے سونے چاندی کو دُگنا کر دیا ہے''۔

''بہت خوب'' راجہ نے کہا، ''لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ غریب ابھی تک غریب کیوں ہیں اور بھکاری ابھی تک بھیک کیوں مانگ رہے ہیں؟''

''شاید اللہ کو یہی منظور ہے'' وزیرِ خزانہ نے جواب دیا۔

اس کے بعد وزیرِ قانون بولا، ''بادشاہ سلامت! میں نے سو نئے قانون بنائے ہیں اور مُلک کے کونے کونے میں امن بحال کیا ہے''۔

''بہت خوب!'' راجہ نے کہا، ''لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ غریب آدمی ابھی بھی زنجیروں میں کیوں جکڑے ہوئے ہیں اور اُن کی فریاد کیوں نہیں سُنی جاتی؟''

''شاید اللہ کو یہی منظور ہے'' وزیرِ قانون نے جواب دیا۔

آخر میں بڑے قاضی صاحب بولے، ''بادشاہ سلامت! میں نے ہزاروں لوگوں کو مُسلمان بنایا ہے اور مسجدوں کو مومنوں سے بھر دیا ہے''۔

''بہت خوب'' بادشاہ نے کہا، ''لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ غریب لوگ کیوں مسجد میں نماز نہیں

پڑھتے اور مولویوں کے وعظوں کی نسبت ایک آنکھ والے خان کی کہانیاں سُننے کو کیوں ترجیح دیتے ہیں؟''

''یہ سب شیطان کا کام ہے'' بڑے قاضی نے جواب دیا۔

سب سے آخر میں بادشاہ نے ایک آنکھ والے خان کی طرف دیکھا اور تینوں وزیروں کے غُصے کی کوئی حد نہ رہی جب بادشاہ نے اُس سے پُوچھا کہ اِن تینوں وزیروں کے بادشاہ بننے کی دعوے داری کے بارے میں اُس کی کیا رائے ہے۔

خان نے اپنی آنکھ بند کر کے تینوں وزیروں کے دِلوں میں جھانک کر دیکھا اور اپنے اندر خُدا کی آواز کو سُنا۔ پھر بڑے ادب سے بادشاہ کے آگے سر جھکا کر جواب دیا:

''میری رائے میں ہماری رعایا اُس دولت سے مالا مال ہوتی ہے جو خُدا نے اُن کے اندر رکھی ہوئی ہے، نہ کہ بیوپار کی یا ٹیکس کی دولت سے۔ میری رائے میں آپ کی رعایا خدا کے عشق کے قانون میں راحت پاتی ہے، نہ کہ اِن سپاہیوں کے چابکوں اور بیڑیوں میں۔ میری رائے میں آپ کی رعایا اُس خُدائی سنگیت پر جھُومنا پسند کرتی ہے جو اُن کی پیشانی میں گونج رہا ہے، نہ کہ مسجد میں گھٹنے ٹیک کر دُعا کرنے میں۔''

یہ الفاظ سُن کر تینوں وزیر خان کو خاموش کرنے کے لیے اُس کی طرف لپکے ہی تھے کہ بادشاہ نے ہاتھ کے اِشارے سے اُن کو روک کر کہا، ''اُسے پُوری بات کہہ لینے دو۔'' خان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، ''میں کہتا ہوں کہ آپ کی سلطنت کا ہر بشر، خواہ وہ امیر ہے یا غریب، آدمی ہے یا عورت، مُسلمان ہے یا یہوُدی، یہ حق رکھتا ہے کہ وہ خُدا کی آواز کو سُنے، اُس کا دیدار کرے اور یہ جانے کہ خُدا اُن کو پیار کرتا ہے۔ بادشاہ سلامت سچائی یہی ہے کہ آپ کے وزیروں سے کہیں زیادہ خُدا آپکی رعایا کو پیار کرتا ہے۔''

ایک ادنیٰ درجے کے آوارہ کہانی کار کے مُنہ سے یہ نُکتہ چینی سُن کر وزیر آگ بگولہ ہو اُٹھے اور خان کو مُکوں گھونسوں سے پیٹنے لگے۔

''ٹھہرو''، بادشاہ نے اپنے بستر سے اُٹھتے ہوئے کڑک کر کہا، ''خان نے سچ کہا ہے اور میں اُسے اپنے تخت کا وارِث مُقرر کرتا ہوں۔''

''لیکن حضور''، بڑے قاضی نے اپنی دلیل پیش کی، ''وہ ایک موچی اور ایک عام طوائف کا

لڑکا ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ ایسا ہی تھا، لیکن آج وہ میرا بیٹا ہے اور کل وہ تمہارا بادشاہ ہوگا۔'' بادشاہ نے جواب دیا۔

اِس طرح ایک آنکھ والا خان بادشاہ بن گیا۔ اُس ادنیٰ درجے کے آدمی میں یہ تبدیلی اس لیے آئی کیونکہ اُس میں سمجھداری تھی اور وہ خُدا کی آواز کو سُنتا تھا۔ اگرچہ اُس کی ایک آنکھ تھی پھر بھی اُس کی زِندگی روشنی سے بھرپُور تھی۔

بڑے مہاراج کی ساکھیوں کا ذِکر کرتے ہوئے، اُن کے مُرید مہاراج چرن سنگھ جی نے (1916-1990) جو خود ڈیرا بیاس میں 1951 سے 1990 تک گُورو گدّی پر رونق افروز رہے، فرمایا، ''خود فارسی کے عالم ہونے کے باعث، بڑے مہاراج جی کی تمام زِندگی صوفی سنتوں فقیروں سے متاثر تھی۔ اگر آپ فارسی ادب کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ صوفی فقیر رُوحانیت کے گہرے نکتوں کو ساکھیوں اور کہانیوں کے ذریعے سمجھاتے ہیں۔ بڑے مہاراج جی کے ست سنگوں میں بھی یہی بات ملتی ہے۔ وہ ہمیں خوبصورت پرمارتھی نکتے دلچسپ اور عام فہم ساکھیوں کے ذریعے سمجھا دیتے تھے۔''

اُپنشدوں میں آتا ہے، ''گائیں الگ الگ رنگوں کی ہوتی ہیں، لیکن اُن سب کے دُودھ کا رنگ ایک ہی سفید رنگ ہوتا ہے۔ اسی طرح الگ الگ مہاتما الگ الگ ڈھنگ سے ہمیں رُوحانی سچائی کے بارے میں سمجھاتے ہیں لیکن اُن سب کی تہہ میں ایک ہی سندیش ہوتا ہے۔''

کتاب ہٰذا میں دی گئی ساکھیاں خُدا سے وِصال کرنے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ جب آپ ان کا مزہ لیں تو یاد رکھیں کہ پیالہ تو پیالہ ہی ہوتا ہے، دُودھ نہیں۔ جس سچائی کی ہمیں تلاش ہے اُسے کسی کتاب کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ سچائی صرف اپنے اندر شبد ابھیاسی پُورن مہاتما کی نگرانی میں کیے بھجن سمرن سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

ڈیرا بابا جیمل سِنگھ،
ضلع امرتسر

جگدیش چندر سیٹھی،
سیکرٹری
رادھا سوامی ست سنگ بیاس

حِصہ 1

سنتوں مہاتماؤں کے ذریعے کہی گئیں

مشہور ساکھیاں

1۔ مُورکھ کو سمجھانا بے کار

اُن جیسا بہرا اور کون ہوسکتا ہے جو سُنتے ہی نہیں۔
کہاوت

ایک بار کسی مورکھ سوداگر نے اپنے گھوڑے پر ایک طرف دو من گیہوں کا بورا لادا اور دُوسری طرف دو من ریت کا بورا، تا کہ دونوں طرف بوجھ برابر ہو جانے سے گھوڑے کو تکلیف نہ ہو۔ ایک غریب آدمی نے، جو اُسے بوجھ لادتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اُس سے پُوچھا۔ ''شریمان، یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' سوداگر بولا، ''ایک طرف گیہوں اور دُوسری طرف اُتنے ہی وزن کی ریت لادی ہے تا کہ بوجھ برابر رہے اور گھوڑے کو تکلیف نہ ہو۔'' وہ آدمی کہنے لگا کہ اگر دو من گیہوں کو ایک ایک من دونوں طرف لاد لیتے تو کیا تھا؟ سوداگر نے کہا، ''ذرا یہ تو بتاؤ کہ تیرے پاس دولت کتنی ہے؟'' غریب آدمی نے کہا کہ بس جان ہی جان ہے۔ تو سوداگر نے کہا کہ تب میرے ساتھ بات مت کر۔ کہیں میں بھی تیری طرح غریب نہ ہو جاؤں۔ اپنی عقل اور اپنی بدقسمتی اپنے پاس رکھ۔

سومُورکھ لوگ صلاح لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اسی طرح سنت بھی ہمیں تعلیم دیتے ہیں لیکن ہم اُن کی ایک نہیں سُنتے۔

2۔ اٹل قانون

جیہا بیجے سو لُنۓ کرماں سندڑا کھیت [1]

گورو ارجن دیو

رامائن میں آتا ہے کہ بالی نے تپسیا کر کے وردان لیا تھا کہ جو بھی لڑنے کے لیے اُس کے سامنے آئے، اُس کی آدھی طاقت بالی میں آ جائے۔ اس طرح بالی کی طاقت ہمیشہ بڑھ جاتی جب کہ اُس کے دُشمن کی طاقت گھٹ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی سُگریو اُس سے لڑائی کرنے جاتا، شکست کھا کر لوٹتا۔

رام چندر جی مہاراج کو اس بھید کا پتہ تھا۔ جب سُگریو بالی کے خلاف مدد لینے کے لیے اُن کے پاس آیا تو اپنی طاقت برقرار رکھنے کے لیے اُنہوں نے پیڑوں کی اوٹ میں کھڑے ہو کر بالی پر تیر چلایا اور اُسے مار ڈالا۔ مرتے وقت بالی نے رام چندر جی مہاراج سے کہا، ''میں بے قصور تھا، میں نے آپ کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ اب اس کا حساب آپ کو اگلے جنم میں دینا پڑے گا۔''

سو اگلے جنم میں رام چندر جی کرشن مہاراج بنے اور بالی بھیل بنا۔ جب کرشن مہاراج مہابھارت کی لڑائی کے بعد ایک دن جنگل میں پاؤں پر پاؤں رکھ کر سو رہے تھے، تو بھیل نے دُور سے سمجھا کہ کوئی ہرن ہے، کیونکہ اُن کے پیر میں پدّم کا نشان تھا جو دُھوپ میں چمک کر ہرن کی آنکھ جیسا دِکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے تیر کمان اُٹھایا اور نشانہ باندھ کر تیر چھوڑا جو کرشن مہاراج کو لگا۔ جب بھیل اپنا شکار اُٹھانے کے لیے پاس آیا تو اُسے اپنی خوفناک بھول کا پتہ چلا۔

دونوں ہاتھ جوڑ کر وہ کرشن مہاراج سے اپنے گھور پاپ کی معافی مانگنے لگا۔اُسی وقت کرشن مہاراج نے اُسے پچھلے جنم کی گھٹنا سُنائی اور سمجھایا کہ اس میں اُس کا کوئی قصور نہیں تھا، یہ تو ہونا ہی تھا۔اُنہیں اپنے کرموں کا قرض چکانا ہی تھا۔

کرموں کا قانون اٹل ہے۔کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا،اوتاری پُرش بھی نہیں۔

3۔ بِرہ کی تڑپ

تیری صبح اور شام کی دُعا، مقصود کے خزانے کی کنجی ہے۔ [2]

خواجہ حافظ

شیخ شِبلی ایک دِن اپنے مُریدوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ سردی کا موسم تھا، آگ جل رہی تھی۔ اچانک اُن کی توجہ چوُلہے میں جلتی ہوئی لکڑی کے ایک ٹکڑے پر گئی جو آہستہ آہستہ سُلگ رہا تھا۔ لکڑی کچھ گیلی تھی، اس لیے آگ کی تپش سے پانی کی کچھ بُوندیں اِکٹھی ہو کر اُس کے ایک کونے سے ٹپک رہی تھیں۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد شیخ شِبلی نے اپنے مُریدوں سے کہا:

"تُم سب دعویٰ کرتے ہو کہ تمہارے اندر خُدا کے لیے گہری محبت اور عقیدت ہے، لیکن کیا کبھی سچ مچ بِرہ کی آگ میں جلے ہو؟ مجھے تُمہاری آنکھوں میں نہ کوئی تڑپ، نہ ہی بِرہ کے درد کے آنسو دِکھائی دیتے ہیں۔ اِس لکڑی کے ٹکڑے کو دیکھو، یہ کس طرح جل رہا ہے اور کس طرح آنسو بہا رہا ہے۔ اِس چھوٹے سے لکڑی کے معمولی ٹکڑے سے کچھ سبق سیکھو۔

4۔ بھرنگی کی سرجنا

جس نام رِدَے سو سبھ تے اُوچا[3]
گُورو ارجن دیو

بھرنگی کے ساتھ ایک پورانک کتھا جُڑی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک مٹی کا چھوٹا سا بِل بنا کر اُس میں انڈا دیتی ہے۔ پھر یہ اپنے لاروے کے لیے کوئی دُوسری نسل کا کیڑا ڈھونڈ لاتی ہے۔ اُس کیڑے کو لاروے کے سامنے رکھ کر دونوں کو بِل میں بند کر دیتی ہے۔ وہ کیڑا بِل کے اندر گھُوں گھُوں کرتا رہتا ہے۔ جب لاروا بڑا ہو جاتا ہے تو بِل توڑ کر باہر آ جاتا ہے۔

اس بات سے یہ دھارنا بن گئی ہے کہ بھرنگی اپنی گھُوں گھُوں کی تیز آواز سے دُوسری ذاتی کے کیڑے کو بھرنگی بنا لیتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ بھرنگی بِل میں قید کیڑے کو اپنی توجہ دیتی ہے۔ اُس کی توجہ سے وہ کیڑا بھی بھرنگی بن جاتا ہے اور پھر وہ دونوں بِل سے باہر نکل کر اُڑ جاتے ہیں۔ کبیر صاحب اسی بات کو اس طرح کہتے ہیں:

سُمِرن سے من لائیے، جیسے کیٹ بھرنگ
کبیر بِسرے آپ کو، ہوئے جائے تیہی رنگ[4]

اگر ہم بھی پرماتما کے نام کا دھیان کریں تو ہم اُس میں سما جائیں گے۔ جس کے اندر پربھو کا پرکاش پرگٹ ہو جاتا ہے، وہ اُس پرکاش کا ہی رُوپ ہو جاتا ہے۔

جس کا بھی کوئی لگاتار دھیان کرتا ہے، اُسی کا ہی رُوپ بن جاتا ہے۔

5۔ سچا پراُپکاری

غُلام ہمیشہ گھر میں نہیں رہتا۔ بیٹا ہمیشہ رہتا ہے۔
پس اگر بیٹا تمہیں آزاد کرےئ گا تو تم واقعی آزاد ہو گے۔ [5]

یُوحنا

جیل خانے کے قیدیوں کی خستہ حالت دیکھ کر ایک پراُپکاری سوچتا ہے کہ اِن کو ٹھنڈا پانی نہیں ملتا، وہ دس بیس کھانڈ کی بوریاں لاکر اور برف ملا کر ٹھنڈا شربت پلا کر اُنکو خوش کر دیتا ہے۔ ایک دُوسرا پراُپکاری آ کر دیکھتا ہے کہ اُن کو اچھے گیہوں کی روٹی نہیں ملتی، گھٹیا باجرا کھاتے ہیں۔ وہ اور زیادہ روپیہ خرچ کر کے اُن کو اچھے اچھے کھانے اور مِٹھایاں کھلا دیتا ہے۔ قیدی اور زیادہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح تیسرا پراُپکاری دیکھتا ہے کہ ان کو اچھے کپڑے پہننے کو نہیں ملتے ہیں، وہ اُن کو نئےخوبصورت لباس بنوا کر پہنا دیتا ہے۔ قیدیوں کی حالت اور زیادہ سُدھر جاتی ہے۔ ان سب پراُپکاریوں نے اپنی اپنی طرح سے بہت اچھے پراُپکار کیے۔ اور پراُپکار کرنا ایک بہت اچھا انسانی جذبہ ہے جو ہر انسان میں ہونا چاہیئے۔ لیکن ہم یہاں دیکھ سکتے ہیں کہ باوجود اِن سب پراُپکاریوں کے قیدی جیل میں قید ہی رہتے ہیں۔ اب ایک ایسا پراُپکاری آتا ہے جس کے پاس جیل خانے کی چابی ہے، وہ آ کر جیل خانے کا دروازہ ہی کھول دیتا ہے اور قیدیوں کو رِہا کر کے اُن کے گھر بھیج دیتا ہے۔ تو سب سے بڑا پراُپکاری کون ہوا؟ آپ خود ہی سوچ سکتے ہیں۔ جس نے آزاد کر دیا۔ سو دُنیا کا کوئی بھی پراُپکار ہمیں چوراسی کے جیل خانے سے رِہائی نہیں دِلا سکتا۔

سنت مہاتما دُنیا کے جیل خانے کی چابی لے کر آتے ہیں اور وہ چابی نام ہے۔

6۔ سنت کیسے زِندگی بدل دیتے ہیں؟

ستگُرو کی کیا مہما کریں، وہ نیچ سے نیچ اور پاپی سے پاپی
جیووں کو بھی گلے لگا لیتے ہیں۔[6]

مہاراج ساون سنگھ

ایک بار بارش کے موسم میں کچھ سادھو مہاتما اچانک کبیر صاحب کے گھر آ گئے۔ بارش کے سبب کبیر صاحب بازار میں کپڑا فروخت کرنے نہیں جا سکے تھے اور گھر میں کھانے کا پُورا انتظام بھی نہیں تھا۔ اُنہوں نے اپنی بیوی لوئی سے پُوچھا،''کیا کوئی دُکاندار ہمیں کچھ رسد اُدھار دے دیگا؟ ہم بعد میں کپڑا بیچ کر اُس کا اُدھار چُکا دیں گے۔'' مگر ایک غریب جولاہے کو بھلا کون اُدھار دیتا جس کی کوئی یقینی آمدن بھی نہیں تھی۔

لوئی کچھ دُکانوں پر گئی مگر سبھی نے نقد پیسے مانگے۔ آخر ایک بنیا اُدھار دینے کے لیے اس شرط پر راضی ہوا کہ وہ رات اُس کے ساتھ گزارے گی۔ یہ اخلاق سے گری ہوئی شرط اُسے بُری تو بہت لگی، مگر وہ خاموش رہی۔ جتنی رسد اُس کو درکار تھی بنیئے نے دے دی۔ لوئی نے گھر آ کر جلدی جلدی کھانا تیار کیا اور بنیئے کے ساتھ ہوئی ساری بات کبیر صاحب کو بتا دی۔

رات ہوئی تو کبیر صاحب نے لوئی سے کہا کہ بنیئے کا قرض چُکانے کا وقت آ گیا ہے اور ساتھ ہی یہ دِلاسا بھی دیا کہ فکر کی کوئی بات نہیں، مالک سب ٹھیک کرے گا۔ جب وہ تیار ہو گئی تو وہ بولے،''بارش ہو رہی ہے اور گلی کیچڑ سے بھری ہوئی ہے۔ تُو کمبل اوڑھ لے، میں تجھے کندھے پر اُٹھا کر لے چلتا ہوں۔'' جلدی ہی دونوں بنیئے کے گھر پہنچ گئے۔ لوئی اندر چلی گئی اور کبیر صاحب دروازے کے باہر اُس کا انتظار کرنے لگے۔ لوئی کو دیکھ کر بنیا بہت خوش ہوا، مگر جب اُس نے

دیکھا کہ بارش کے باوجود نہ لوئی کے کپڑے بھیگے ہیں اور نہ ہی پاؤں کو کیچڑ لگا ہے، تو اُسے بہت حیرانی ہوئی۔ اُس نے پُوچھا، ''کیا وجہ ہے کہ تُو کیچڑ سے بھری گلی میں سے گُزر کر آئی ہے، مگر تیرے پاؤں پر کیچڑ کا ایک چھینٹا تک بھی نہیں ہے؟'' لوئی نے جواب دیا، ''اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں، میرا شوہر مجھے کمبل سے ڈھانپ کر اپنے کاندھے پر اُٹھا کر یہاں لایا ہے۔''

یہ سُن کر بنیا دنگ رہ گیا۔ لوئی کا پاکیزہ اور بے گُناہ چہرہ دیکھ کر اُس کے دِل پر گہرا اثر ہوا اور وہ ہکّا بکّا سا اُس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ جب لوئی نے بتایا کہ میرا شوہر کبیر مجھے واپس لے جانے کے لیے باہر میرا انتظار کر رہا ہے تو بنیا اپنی گِراوٹ اور کبیر صاحب کی عظمت دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اُس نے لوئی اور کبیر صاحب دونوں کے آگے گھٹنے ٹیک کر معافی مانگی۔

''اُٹھو میرے بھائی!'' کبیر صاحب بولے، ''لاکھوں میں شاید ہی کوئی ایک آدھ شخص ہو گا جو کبھی گُمراہ نہ ہوا ہو۔''

کبیر صاحب اور لوئی اپنے گھر واپس لوٹ آئے۔ بنیا تمام رات اُس منحوس واقعہ کے بارے سوچتا رہا۔ آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ دُنیا میں خُدا کا راستہ ہی سچا راستہ ہے۔ اگلی صبح ہی وہ کبیر صاحب کو ڈھونڈتا ہوا اُن کے گھر جا پہنچا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن کے محبوب مُریدوں میں شُمار کیا جانے لگا۔

بھُولے بھٹکے لوگوں کو صحیح راستے پر لانے کے لیے سنتوں کے اپنے ہی نرالے انداز ہوتے ہیں۔

7۔ کیوں، ایسا کیوں؟

زمانہ کے اِنقلاب سے تعجب نہ کر، اس لیے کہ آسمان کو اِس قسم کے
ہزاروں افسانے اور منتر یاد ہیں۔[7]

خواجہ حافظ

ایک دفعہ کا ذِکر ہے، ایک ساہوکار تھا جو اپنے کاروبار میں دُوسرے لوگوں سے بالکل مختلف تھا۔ اُس کو مُرشدِ کامل کی تلاش تھی، جس سے اُسے حقیقت کا علم حاصل ہو سکے۔ اُن دِنوں گوُرو نانک دیو جی کا نام ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل چکا تھا۔ ساہوکار کو اُن کے دیدار کی شدید خواہش تھی کیونکہ اُسے یقین تھا کہ وہی اُس کو رُوحانی رموز سے رُوشناس کرا سکتے ہیں۔

گوُرو نانک دیو جی جگہ جگہ سیاحت کرتے ہوئے اِتفاق سے ایک روز اُس ساہوکار کے گاؤں میں آ پہنچے۔ اُن کے دونوں ساتھی بالا اور مردانہ اُن کے ساتھ تھے۔ گوُرو نانک دیو جی نے چند روز اُس گاؤں میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ سینکڑوں لوگ اُن کے وعظ سے فیضیاب ہوئے اور نام دان کی بخشش حاصل کی۔ اُن میں وہ ساہوکار بھی تھا۔

ساہوکار کے پڑوس میں اُس کا ایک پُرانا جگری مگر رنگین مزاج دوست رام داس رہتا تھا۔ وہ بھی ساہوکاری کرتا تھا۔ اُس نے گوُرو نانک کے متعلق بہت سی باتیں سُن رکھی تھیں، اس لیے وہ بھی اُن کا وعظ سُننے کا خواہش مند تھا۔ ایک دِن دونوں دوست اُس عظیم فقیر کے قدموں میں بیٹھ کر اُن کا وعظ سُننے کی غرض سے گھر سے نِکل پڑے۔ راستہ میں رام داس کی نظر ایک طوائف پر جا پڑی۔ وہ اُس کے حُسن اور ناز و انداز پر فریفتہ ہو کر اُس کی طرف کِھنچا چلا گیا۔ اُس کے دوست نے اُس کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، ''بھلے آدمی، نجات کا سرُور چھوڑ کر دوزخ کی آگ

میں مت کُودو۔''لیکن اُس کی دلیل کا اُس پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اکیلا ہی ست سنگ میں چلا گیا۔

ہر روز یوُں ہی ہوتا رہا۔ دونوں دوست گھر سے ساتھ ساتھ نکلتے، رام داس طوائف کے پاس رُک جاتا اور ساہوکار ست سنگ میں پہنچ جاتا۔ رام داس گراوٹ کی کھائی میں اُترتا گیا اور اُس کے دوست کے دِل میں گُورو صاحب کی محبت اور عقیدت روز بروز بڑھتی گئی۔ ساہوکار اپنے دوست کو روز صحیح راستے پر لانے کی کوشش کرتا مگر رام داس نے بدفعلی کا راستہ نہ چھوڑا۔ ایسے ہی ایک مہینہ گُزر گیا۔

ایک روز ساہوکار نے رام داس کو کہا،''آج گُورو صاحب سنگت کو پرشاد دیں گے، تو ایک دفعہ بُرے فعل کا خیال چھوڑ کر میرے ساتھ چل۔ کبھی کبھی بڑے بڑے گنہگار ایک ہی ست سنگ سے اپنے جنم جنم کے گُناہوں کے اثر سے نجات پا جاتے ہیں۔ لہٰذا میری دوستی کا پاس رکھ کر آج تُو میرے ساتھ ضرور چل۔ ست سنگ میں جا کر ہی پتہ چلتا ہے کہ سنتوں کی صحبت کا کیا رُتبہ ہے اور وہ کس طرح انسان کی زِندگی کا رُخ بدلتی ہے۔''

رام داس نے بات سُنی اَن سُنی کر دی اور اپنے دوست سے یوُں مخاطب ہوُا،''تُو ہر روز ست سنگ کا ثواب حاصل کرتا ہے اور میں ہر روز گُناہ کرتا ہوں۔ آج بھی ہم ایسا ہی کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آج ہمیں اپنے اپنے اعمال کا کیا پھل ملتا ہے۔ دوپہر کو ہم گھر پر ملتے ہیں، تب اپنا اپنا حال بیان کریں گے۔''

یہ کہہ کر رام داس جلدی جلدی طوائف کے گھر جا پہنچا۔ اِتفاقاً طوائف گھر پر نہ تھی، اس لیے وہ نااُمید ہو کر گھر لوٹ آیا اور اپنے دوست کا اِنتظار کرنے لگا۔ اُس روز ست سنگ کے بعد گُورو صاحب سے گفت وشنید میں ساہوکار کچھ ایسا مگن ہوا کہ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ اس لیے اُسے دوست کے گھر پہنچنے میں بہت دیر ہو گئی۔

دوست کا انتظار کرتے کرتے جب رام داس اُکتا گیا تو وقت گزارنے کے لیے اُس نے اپنی چھڑی سے زمین کُریدنا شروع کر دیا۔ زمین نرم تھی اس لیے چھڑی ذرا گہری چلی گئی اور اچانک ایک مٹی کے گھڑے سے جا ٹکرائی۔ جس کا مُنہ بند تھا۔ رام داس نے ڈھکن ہٹایا تو دیکھا کہ اُوپر ہی ایک سونے کی مہر پڑی ہے۔ یہ سوچ کر کہ پُورا گھڑا مہروں سے بھرا ہوگا، اُس نے جلدی سے

اُسے زمین میں سے باہر نکال لیا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر بہت نا اُمید ہوا کہ اُس میں صِرف ایک ہی اشرفی تھی اور باقی گھڑا کوئلوں سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے دِل کو تسلّی دیتے ہوئے کہا کہ چلو بغیر محنت کیے ایک سونے کی اشرفی تو ملی۔

اُسی وقت اُسکا دوست لنگڑاتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ وہ درد سے بہت پریشان دِکھائی دے رہا تھا۔

''تجھے کیا ہوا؟'' رام داس نے پُوچھا۔

''کیا بتاؤں، اچانک ایک لمبی سُول (کانٹا) پاؤں میں چُبھ گئی اور اندر ہی ٹُوٹ گئی جس کی وجہ سے بہت سخت درد ہو رہا ہے۔''

دوست کی بات پر رام داس ہنسا اور بولا ''میرے بھائی! اب تُو خود ہی دیکھ لے کہ تجھے ست سنگ میں جا کر کیا ملا، اور مجھے گُناہ سے کیا حاصل ہوا۔ تُو کانٹے کے درد سے کراہ رہا ہے اور مجھے سونے کی ایک اشرفی مُفت میں مل گئی۔ کیا اب بھی ست سنگ کی بڑائی میں تجھے کچھ کہنا ہے؟''

ساہوکار یہ الفاظ سُن کر لاجواب ہو گیا حالانکہ یہ الفاظ کہنے والا سنتوں کے ست سنگ کی عظمت سے ناواقف تھا۔ ساہوکار کے دِل میں وہم پڑ گیا۔ وہ سوچنے لگا ''پتہ نہیں بات کیا ہے کہ دُنیا میں گُناہ پھلتا پھُولتا ہے اور نیک اِنسان دُکھ اور مصیبتیں ہی جھیلتے ہیں۔ رام داس روز گُناہ کرتا ہے اور میں سچے دِل سے عبادت میں من لگانے کی کوشش کرتا ہوں۔ پھر بھی اُس کو اشرفی مِلی ہے اور مجھے زہریلے کانٹے کا ناقابل برداشت درد۔ مُرشد کی صحبت میں جانے کا کوئی فائدہ بھی ہے کہ نہیں؟ کیا مجھے اب بھی مُرشد کے بتائے رُوحانی راستے پر چلتے رہنا چاہیئے؟ کہیں یہ سب وہم تو نہیں، سراسر فریب تو نہیں؟''

رام داس سے اِس بابت کافی دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ آخر کار اُس کے دِل میں خیال آیا کہ کیوں نہ گُورو صاحب کے پاس جا کر اِس پہیلی کو سلجھایا جائے۔

لہٰذا دونوں نے جا کر گُورو صاحب کو اپنی اپنی آپ بیتی سُنائی۔ سارا ماجرا سُن کر گُورو صاحب نے چشمِ غیب سے اُن کے پچھلے جنموں پر نگاہ ڈالی، اور پہلے رام داس سے کہا، ''پچھلے جنم میں تُو نے ایک اشرفی خیرات میں دی تھی۔ جس کے عوض میں تجھے اشرفیوں سے بھرا گھڑا ملنا تھا۔ مگر اس جنم میں تُو گُناہ کرنے لگا۔ جیسے ہی تُو کوئی گُناہ کرتا، سونے کی ایک اشرفی کوئلے میں تبدیل ہو

جاتی۔ آج تُو گُناہ سے بچا رہا۔ اس لیے ایک اشرفی تجھے مل گئی ورنہ یہ بھی کوئلہ بن جاتی۔''

پھر گُورو صاحب ساہوکار سے مخاطب ہوئے، ''تُو پچھلے جنم میں ایک بے رحم راجہ تھا۔ تیرے حُکم سے بے شُمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ اُن بد اعمال کا پھل پانے کے لیے تجھے بے شُمار لوگوں کے ظلم برداشت کرنے تھے اور پھانسی پر چڑھنا تھا۔ لیکن تُو پُورے سنت کے ست سنگ میں آنے لگا اور اُس کی پناہ میں آ گیا، اس لیے تیرے گُناہوں کا بوجھ ہلکا ہوتا گیا۔ بے شُمار لوگوں کے قتل کا تجھے کیا پھل بھوگنا پڑا؟ تُو ایک دردناک موت سے بچ گیا اور تیری سُولی کا سُول ہو گیا۔''

گُورو صاحب کا فرمان سُن کر دونوں اُن کے قدموں پر گر پڑے اور اپنے اپنے گُناہوں کی معافی مانگنے لگے۔ جوُں جوُں وقت گُزرتا گیا، دونوں کا دِل صاف ہوتا گیا اور اُن کی زِندگی ہی بدل گئی۔ دونوں ہی مُرشد کی عبادت اور اُن کے مُریدوں کی جی جان سے خِدمت کرتے ہوئے اپنا وقت گزارنے لگے۔

مُرشدِ کامل کے وعظ اور اُن کی پناہ کی صِفت لا بیان ہے۔ یہ سُولی کو سُول بنا دیتی ہے۔

8۔ راجا بھرتری اور امر پھل

کُوڑِ کُوڑے نیہہ لگا وِسریا کرتار۔ کِس نال کیچے دوستی سبھ جگ چلنہار[8]

گُورو نانک

ایک بار راجہ بھرتری نے اپنے محلوں میں ایک ستی کی تعریف کی، جس نے اپنے پتی کے ساتھ جل کر چِتا میں جان دے دی تھی، کیونکہ اُن دِنوں ہندوستان کے کچھ حصوں میں ستی پرتھا جاری تھی۔ اُس کی پتنی بولی کہ اُس عورت نے اپنے آپ کو چِتا تک جانے کی مہلت ہی کیوں دی؟ کیوں نہ پہلے ہی مر گئی؟ راجہ بھرتری نے سوچا کہ اس نے بہت بڑی بات کہہ دی ہے۔ دِل میں آیا کہ آزمائیں تو سہی۔

ایک دِن راجہ شکار کو گیا۔ وہاں سے اپنے کپڑے لہُو سے لت پت کر کے گھر بھیج دیے اور کہلوا بھیجا کہ راجہ شیر کے شکار کو گیا تھا، لیکن شیر نے اُس کو مار ڈالا ہے۔ جب پتنی نے یہ بات سُنی تو غش کھا کر گر پڑی اور وہیں جان دے دی۔ راجہ بھرتری کو بڑا افسوس ہوا کہ ایسی نیک پتنی ہاتھ سے کھو دی۔ لیکن بہت جلد ہی اُس نے دُوسری شادی کر لی۔

کچھ عرصہ بعد ایک سادھو راجہ کے پاس آیا اور اُسے ایک پھل دیا، جس میں یہ خوبی تھی کہ بُوڑھا کھائے تو ہمیشہ کے لیے جوان ہو جائے۔ بھرتری نے سوچا، میں نے پھل کھایا تو کیا فائدہ، رانی کو دے دُوں۔ اُس نے سوچا کہ یہ رانی بھی پہلی رانی جیسی پاکدامن ہوگی۔ پھل دیتے وقت یہ بات بتا دی کہ اِس کے کھانے سے بُوڑھا ہمیشہ کے لیے جوان ہو جاتا ہے۔

بدقسمتی سے یہ رانی پہلی رانی کے برعکس تھی۔ اِس کا دِل کوتوال پر مائل تھا۔ اس نے وہ پھل کوتوال کو دے دیا۔ کوتوال کی آشنائی اس رانی تک ہی محدود نہیں تھی، اُس کی محبت ایک طوائف

کے ساتھ بھی تھی۔ اُس نے وہ پھل طوائف کو دے دیا۔ طوائف کو جب اُس پھل کی خوُبی کا پتہ چلا تو اُس نے سوچا کہ میری ساری عمر بُرے کاموں میں ہی گزری ہے، میں نے پھل کھا کر آگے بھی یہی کچھ کرنا ہے۔ کیوں نہ یہ پھل راجہ کو دے دُوں۔ راجہ بڑا دھرماتما ہے۔ اُس کے راج میں پرجا بہت سُکھی ہے۔ جب راجہ کے پاس پھل آیا، اُس نے پہچان لیا۔ طوائف سے کہا کہ سچ بتا یہ پھل کہاں سے لائی ہے؟ کہنے لگی کوتوال سے ملا تھا۔ راجہ نے نوکر بھیج کر کوتوال کو بُلایا اور پُوچھا، سچ بتاؤ تجھے یہ پھل کہاں سے ملا تھا۔ کوتوال پہلے تو اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر ٹالنے لگا، لیکن جب راجہ نے دھمکایا تب بول پڑا کہ رانی سے ملا تھا۔ پھر رانی کو بُلایا۔ اُس نے بھی سچ قبوُل کر لیا۔ راجہ بھرتری نے پہلے اپنے آپ کو کوسا کہ لعنت ہے مجھ پر جس نے ایک نیک پاک پتی برتا عورت کی ناحق آزمائش کی اور پھر ایسی عورت کے جال میں پھنسا۔ پھر دِھکار ہے اِس رانی کو جو راجہ کو چھوڑ کر نوکروں کے پیچھے بھاگتی ہے۔ پھر دِھکار ہے کوتوال کو، جس کو رانی ملی، لیکن رانی چھوڑ کر طوائف کے پیچھے بھاگتا ہے۔ یہی سب سوچتے ہوئے راجہ بھرتری نے راج پاٹ تیاگ دیا اور اپنی باقی زِندگی پربھو بھگتی میں گذاری۔

9۔ کبیر صاحب اَور رانی اِندُومتی

سنت جب تک شریر میں رہتے ہیں، یہ نہیں کہتے کہ ہم گُورو ہیں۔
وہ دِینتا اَور نمرتا رکھتے ہیں۔[9]

مہاراج ساون سنگھ

رانی اِندُومتی، کاشی میں کپڑا بُن کر اپنی گُزر بسر کرنے والے کبیر کی نِشٹھاوان بھگت تھی۔ جب کبیر صاحب رانی اِندُومتی کو سچ کھنڈ لے گئے تو اُس نے دیکھا کہ وہاں بھی وہی کبیر صاحب کُل مالک ہیں۔ کہنے لگی، اگر آپ مجھے مات لوک میں ہی بتا دیتے تو اِتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کبیر صاحب نے کہا، ''کیا تُو مجھے وہاں مانتی؟ کہہ دیتی ایک آدمی ہے اور کہتا ہے کہ میں ست پُرش ہوں۔''

اگر سنت کہہ دیں کہ ہم ایسے ہیں تو کوئی مانے ہی نہیں۔ سنت جو طاقت لے کر آتے ہیں، اُس کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ چُپ رہتے ہیں۔ سو مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو سنتوں کی خبر نہیں ہوتی کہ وہ کیا ہیں، کس دیش سے آتے ہیں؟ اگر خبر ہوتی تو کیا گُورو نانک دیو جی سے چکّیاں پسواتے یا دُوسرے ایسے ہی سنتوں سے بُرا سلوک کرتے؟

10۔ یا بھیکھ!

میں صِرف تیری رضا میں ہی جیتا ہوں؛ میرے لب صِرف تیری صِفت وثنا کے لیے ہی ہلتے ہیں۔ اے خُدا! جو کوئی بھی تجھے اصل میں پہچان لیتا ہے، تیرے سِوائے سب کچھ ترک کر دیتا ہے۔[10]

پیر ہرات

دِلّی سے تھوڑی دُور پیران کلئیر گاؤں میں بھیکھ جی اچھے کمائی والے فقیر ہوئے ہیں۔ اُن کا ایک طالب ایک دِن دِلّی کے بازاروں میں مُرشد کے عشق میں مست 'یا بھیکھ'، 'یا بھیکھ' کے نعرے لگاتا ہوا جا رہا تھا۔ پاس سے ایک قاضی نکلا، اور بولا ''ارے کافِر! کیا بکتا ہے۔ تُو خُدا کہہ، رسُول کہہ، یہ بھیکھ کون ہے؟'' اُس نے مزید پُوچھا، ''تیرا نام کیا ہے؟'' جواب دیا، ''بھیکھ'' پھر پُوچھا، ''تیرا ربّ کون ہے؟'' کہنے لگا، ''بھیکھ''۔ ''تیرا رسُول کون ہے؟'' جواب دیا ''بھیکھ''۔

اتنے میں قاضی کے اور بہت سے حمایتی لوگ بھی وہاں جمع ہو گئے، جو قاضی کی طرح ہی طالب کے جواب سُن کر ناراض ہو گئے تھے۔ اُس کو اِس گُستاخی کا سبق سِکھانے کے لیے وہ اُسے گھسیٹتے ہوئے مسجد میں لے گئے۔ وہاں عُلما نے اُسے کافِر ٹھہراتے ہوئے اُس کو قتل کرنے کا فتویٰ دے دیا۔

اُس زمانے میں یہ قانون تھا کہ قتل کے فتوے کے اُوپر جب تک بادشاہ دستخط نہ کرے تب تک مُفتی قتل نہیں کروا سکتے تھے۔ لہٰذا فتویٰ بادشاہ کے آگے پیش کیا گیا۔ بادشاہ اکبر کا زمانہ تھا۔

اکبر نے دیکھا کہ یہ تو کوئی مست فقیر ہے، اس کا قتل مُناسب نہیں۔ پُوچھا، ''تیرا خُدا کون ہے؟'' جواب دیا، ''بھیکھ''۔ پھر پُوچھا، تیرا رسُول کون ہے؟ ''بھیکھ''۔ اُن دِنوں بارش نہیں ہوئی تھی، قحط پڑا ہوا تھا۔ اکبر نے کہا، ''اپنے بھیکھ سے برسات تو کروا دو'' وہ بولا، ''پُوچھ لُوں گا'' پھر پُوچھا، ''کب؟'' بولا، ''پرسوں'' بادشاہ نے حُکم دیا کہ اِس کو چھوڑ دو۔ عُلما کہنے لگے کہ یہ بھاگ جائے گا۔ اکبر نے کہا، پروا نہیں، بھاگ جانے دو۔ طالب نے جنگل میں اپنے مُرشد کا دھیان کیا۔ مالک کی موج، برسات ہو گئی۔ اگلے دِن خود بادشاہ کی کچہری میں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ بارش ہو گئی۔ وہ بولا، ''بھیکھ نے کروا دی''۔ بادشاہ نے کہا، ''کچھ مانگو۔'' وہ بولا، ''بھیکھ کے سِوائے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' بادشاہ نے اُس کا اِتنا مُرشد پریم دیکھ کر اِکیس گاؤں کا پٹّہ سائیں بھیکھ کے پاس بھیج دیا۔

یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے کہ اُس طالب نے پٹّہ واپس بادشاہ کو لوٹا دیا اور کہا، ''حضور، میرے مُرشد کی نظروں میں اِن گاؤں کی کوئی اہمیت نہیں، کیونکہ یہ سب دُنیوی چیزیں ہیں۔ میں بڑے ادب سے اِنہیں آپ کو واپس کرتا ہوں۔''

اکبر بادشاہ فقیروں کے طور طریقوں سے واقف تھا۔ پھر بھی اُس نے اپنے کچھ آدمیوں کے ہاتھ وہ پٹّہ بھیکھ کو بھیج دِیا۔

پھر جب طالب اپنے مُرشد کے پاس پہنچا تو مُرشد نے کہا، ''ارے تُو نے مانگا بھی تو کیا مانگا! بارش! اُس وقت تُو اگر کہتا کہ مجھے ولی بنا دے، قُطب بنا دے، اولیا بنا دے، جو کچھ بھی تُو کہتا میں تجھے وہی بنا دیتا۔ جس وقت تُو نے میرا دھیان کیا، میرا اپنا دھیان اپنے مُرشد میں تھا اور مُرشد کا دھیان خُدا کی درگاہ میں تھا۔'' طالب نے کہا، ''حضرت، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ مجھے صِرف آپ کی ضرورت ہے۔''

11۔ بُخارے کا بادشاہ

ہم سونا، تُم کِیا سُنارا۔ تاوے دھنی رُ نام تُمہارا۔ [11]
سنت دادُو دیال

بادشاہ بُخارا اِبراہیم ادھم کو پرمارتھ کا شوق ہُوا۔ وہ فقیروں کی تلاش میں رہنے لگا لیکن عیش و آرام کی زِندگی بھی جیتا رہا۔ اُس کی سیج سو امن پھُولوں سے تیار ہوتی تھی۔ ایک دِن اُس نے اپنے دو منزلہ محل کی چھت کے اُوپر کیا دیکھا کہ دو آدمی گھُوم رہے ہیں۔ پُوچھا، بھئی، کون ہو؟ اُنہوں نے کہا، ''ہم ساربان ہیں۔'' ''کیسے آئے؟'' کہنے لگے کہ ہمارا اُونٹ کھو گیا ہے۔ تب بادشاہ نے کہا، ''کبھی اُونٹ محلوں کی چھت پر آتے ہیں؟'' جواب مِلا، ''کبھی خُدا بھی سو امن پھُولوں کی سیج پر ملتا ہے؟'' اِتنی بات کہہ کر وہ دونوں نظر سے اوجھل ہو گئے۔ بادشاہ کو اُن کا جواب سُن کر ایسا صدمہ پہنچا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ جب اُسے ہوش آیا تو خیال نے پلٹا کھایا اور وہ اپنے مُلک میں خُدا کی تلاش میں فقیروں کے پاس جانے لگا۔ لیکن کِسی فقیر سے اُس کی تسلّی نہ ہُوئی۔ آخر کار وہ ہندوستان میں آیا، یہاں بھی بہت ڈھونڈا لیکن کسی سے تسلّی نہ ہُوئی۔ آخر وہ کاشی میں کبیر صاحب کے پاس جا پہنچا اور عرض کی کہ مجھے شاگرد رکھ لو۔ کبیر صاحب نے کہا کہ تُو بادشاہ ہے اور میں ایک غریب جولاہا! تیرا میرا گزارہ کیسے ہوگا؟ عرض کی کہ میں بادشاہ بن کر آپ کے در پر نہیں آیا، ایک غریب بھکاری بن کر آیا ہوں۔ خُدا کے لیے مجھے بخش لو۔ عورتیں نرم دِل ہوتی ہیں۔ ماتا لوئی نے جو کبیر صاحب کی پتنی تھی، سفارش کی تو آپ نے اُسے رکھ لیا۔

بادشاہ جولاہے کے گھر نلیاں بٹنے اور تانا تننے کا کام کرنے لگا۔ چھ سال گُزر گئے۔ ایک دِن

مائی لوئی نے کبیر صاحب سے عرض کی کہ وہ بادشاہ اور ہم غریب جولا ہے! جو ہم کھاتے ہیں وہی یہ کھا کر چُپ رہتا ہے۔ اِس کو کچھ دو۔ کبیر صاحب نے کہا۔ ابھی اِس کا ہردا صاف نہیں ہوا۔ مائی لوئی نے کہا، ''جی یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ رُوکھی سُوکھی کھا کر یہ ہماری سیوا کرتا ہے۔ حُکم سے اِنکار نہیں کرتا۔ اِس کا ہردا کیسے صاف نہیں؟'' کبیر صاحب کہنے لگے، ''اچھا ایسا کرو، گھر کا کوڑا کرکٹ لے کر چھت پر چڑھ جاؤ۔ میں اِسے باہر بھیجتا ہوں جب یہ نیچے سے گزرے تو سر پر ڈال دینا اور پیچھے ہٹ کر کان لگا کر سُننا کہ کیا کہتا ہے۔'' جب مائی لوئی اُوپر گئی تو کبیر صاحب نے کہا، ''بیٹا، میں فلاں چیز باہر بھُول گیا ہوں، اُسے اندر لے آؤ۔'' جب وہ باہر گیا تو مائی لوئی نے ٹوکرے کا کُوڑا کرکٹ اُس کے سر پر ڈال دیا اور خود پیچھے ہٹ کر سُننے لگی۔ وہ غُصے میں بولا، ''اگر آج ہوتا بُخارا تو جو کرتا سو کرتا۔'' مائی لوئی نے آ کر کبیر صاحب کو بتایا کہ جی! ایسا کہتا ہے۔ کبیر صاحب نے کہا کہ میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہا تھا کہ ابھی تک ہردا صاف نہیں ہوا، نام ڈالنے کے قابل نہیں ہوا۔

چھ سال اور گزر گئے۔ ایک دِن کبیر صاحب نے کہا کہ اب برتن تیار ہے۔ مائی لوئی نے کہا کہ جی، مجھے تو کچھ فرق دِکھائی نہیں دیتا۔ جیسا پہلے تھا ویسا ہی اب ہے۔ کبیر صاحب کے گھر سادھو مہاتما اکثر آتے رہتے تھے۔ کئی دفعہ ایسا اِتفاق ہوتا کہ کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا تھا تو چنے چبا کر سو رہتے۔ مائی لوئی نے کہا کہ جس طرح وہ پہلے ہمارے حُکم سے انکار نہیں کرتا تھا، اب بھی اُسی طرح ہے۔ جو کچھ ہم دیتے ہیں وہی کھا لیتا ہے۔ کبیر صاحب نے کہا کہ اگر تُو فرق دیکھنا چاہتی ہے تو پہلے تُو گھر کا کوڑا کرکٹ لے گئی تھی، اب نہایت گندی، بدبُودار گلی سڑی چیزیں اکٹھی کر کے لے جا۔ جب گلی سے نکلے تو اِس کے سر پر ڈال دینا اور سُننا کہ اب کیا کہتا ہے۔ مائی لوئی نے ایسا ہی کیا۔ جب بادشاہ باہر نکلا تو مائی لوئی نے ساری گندگی اُس کے سر پر ڈال دی۔ بادشاہ ہنسا، خوشی سے اس کا مُنہ لال ہو گیا۔ وہ کہنے لگا، ''شاباش گندگی ڈالنے والے! تیرا بھلا ہو! یہ من اہنکاری تھا، اِس کا یہی علاج تھا۔'' مائی لوئی نے آ کر کبیر صاحب کو بتایا کہ جی! آج تو وہ ایسا کہتا تھا۔ کبیر صاحب نے کہا، میں جو تُم سے کہتا تھا کہ اب برتن تیار ہے، کوئی کسر باقی نہیں ہے۔

کبیر صاحب جیسا سنت ستگُورو، بادشاہ بُخارا جیسا طالب، پھر اور کیا چاہیئے تھا! جیسے ہی کبیر

صاحب نے اُسے نام دان کی بخشش کی، اُس کی رُوح اُوپر چڑھ گئی۔ پھر کبیر صاحب نے کہا، ''جا! اب جہاں مرضی جا کر بیٹھ جا، تیری بھگتی پُوری ہو گئی۔''

نام بہت بڑی دولت ہے، جس کو پا کر فقیر سات وِلایتوں کی بادشاہی کو ٹھوکر مار دیتا ہے۔ نام کی کمائی کوئی مذاق نہیں ہے۔ گورونانک صاحب نے گیارہ سال تک پتھروں، کنکروں کا بچھونا کیا۔ گوروامرداس جی نے بارہ سال پانی ڈھویا۔ ہردا جتنا پاک صاف ہوتا ہے، نام اُتنا ہی جلدی اثر کرتا ہے۔

12۔ دُنیا کے راج پاٹ کی قیمت

گُورو سے گُورو کی ہی مانگ کیجیے، کیونکہ جب وہ آپ کو یہ بخشش کر دیتے ہیں تو پھر اُس کے ساتھ ہی ساری چیزیں مِل جاتی ہیں۔[12]

مہاراج ساون سنگھ

اِبراہیم ادھم نے کچھ برس اپنے مُرشد کبیر صاحب کے قدموں میں رہ کر سیوا کی اور پھر اُن کا آشیرواد حاصل کر کے اُن سے رُخصت لے کر آپ بُخارا آ گئے۔ لیکن اب وہ بادشاہ نہیں بلکہ بطور ایک فقیر واپس لوٹے تھے۔

ایک دِن بادشاہ دجلہ ندی کے کنارے بیٹھا گُدڑی سی رہا تھا۔ اُس کا وزیر شکار کھیلتا کھیلتا اُدھر آ نکلا۔ بارہ سال کے عرصے میں اِنسان کی شکل بدل جاتی ہے۔ کہاں بادشاہ کا وہ شاہی لباس، کہاں آج کا فقیری بانا! پھر بھی وزیر نے اُسے پہچان لیا اور پُوچھا، ''آپ بادشاہ اِبراہیم ادھم ہیں؟'' جواب دیا، ''ہاں۔'' وزیر بولا کہ دیکھو، میں آپ کا وزیر ہوں۔ آپ کے جانے کے بعد آپ کے حُکم کے مطابق میں نے آپ کے بچوں کو تعلیم دی، فنِ جنگ سکھایا۔ لیکن کیا ہی اچھا ہو اگر آپ پھر میرے بادشاہ ہوں اور میں آپ کا وزیر۔ یہ سُن کر اِبراہیم ادھم نے، جس سُوئی سے وہ گُدڑی سی رہا تھا، وہ سُوئی ندی میں پھینک دی اور کہا کہ پہلے میری یہ سُوئی لا دے، پھر میں تمہیں جواب دیتا ہوں۔ وزیر کہنے لگا کہ مجھے آدھ گھنٹے کی مُہلت دیں، میں آپ کو ایسی ہزاروں سُوئیاں لا دوں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ نہیں، مجھے تو وہی سُوئی چاہیے۔ وزیر نے کہا، ''یہ تو ناممکن ہے۔ اتنا

گہرا پانی بہہ رہا ہے، وہ سُوئی نہیں مِل سکتی۔'' بادشاہ بولا تو تُم کچھ نہیں کر سکتے ؟ اور آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے توجہ دی۔ ایک مچھلی وہی سُوئی مُنہ میں لیکر اُوپر آئی۔ اِبراہیم ادھم نے کہا کہ مجھے دُنیا کی بادشاہی کو لیکر کیا کرنا ہے؟ میں اب اُس بادشاہ کا نوکر ہو گیا ہوں جس کے ماتحت تمام کھنڈ برہمنڈ، کُل کائنات ہے۔ اب میں وہ نہیں جو پہلے تھا۔ مجھے اب اُن اعلیٰ رُوحانی مقامات کی رسائی حاصل ہے جن کے بارے میں تُم سوچ بھی نہیں سکتے۔ جس طرح تُم وہ سُوئی واپس نہیں لا سکے، اُسی طرح تُم اُس بادشاہ کو مجھ میں نہیں پا سکتے۔ جاؤ، اب بچے جانیں یا تم جانو۔

نام ایک نایاب دولت ہے جو سنتوں مہاتماؤں کی پُونجی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دُنیا دی دولت اور مایاوی چیزوں سے لاتعلق ہوتے ہیں۔

13۔ کمائی رائیگاں چلی گئی

جنم جنم کی اِس من کو مَل لاگی کالا ہوا سیاہ
کھنلی دھوتی اُجلی نہ ہووئی جے سئو دھووَن پاہ۔[13]
گوُروامرداس

پراشر رِشی ساری عُمر یوگ ابھیاس میں رہے۔ پُورن یوگی ہوکر گھر کو واپس آرہے تھے۔ راستے میں ایک ندی پڑتی تھی۔ جب وہاں آئے تو ملّاح سے کہا کہ مجھے پار اُتار دو۔ ملّاح نے کہا کہ ہم ذرا روٹی کھالیں، بعد میں تمہیں پار اُتار دیں گے۔ پراشر رِشی کہنے لگے، دُھوپ چڑھ جائے گی، مجھے جلدی پار لے چلو، ورنہ میں شاپ دے دُوں گا۔ اب جو کام ماں باپ کرتے ہیں، بچے بھی بڑی آسانی سے کر لیتے ہیں۔ ملّاح کی لڑکی نے بانس لیا، ناؤ کی رسّی کھولی اور کہا، پتا جی، میں اِنہیں پار اُتار کر آتی ہوں۔ اب رِشی ساری عُمر جنگل میں رہا۔ عورت کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ دیکھ کر من پھِسل گیا۔ اپنا کھوٹا خیال ظاہر کیا۔ لڑکی نے کہا کہ ہم لوگ مچھیرے ہیں، میرے مُنہ سے آپ کو بدبُو آئے گی۔ رِشی نے کہا کہ یوجن گندھاری ہو جا۔ لڑکی کے مُنہ سے میلوں تک خوشبو آنے لگی۔ لڑکی بولی، سورج دیوتا دیکھ رہا ہے۔ اگر ہم کھوٹا کام کریں گے تو یہ ہمارے پاپ کرم کی گواہی دے گا۔ رِشی نے پانی کا چُلّو بھر کر مارا، چاروں طرف دُھند کر دی۔ لڑکی پھر کہنے لگی کہ یہ جل ورن دیوتا ہے، یہ دیکھ رہا ہے۔ رِشی نے ریت کی مُٹھی بھر کر دریا میں پھینکی اور کہا کہ ریت ہو جا۔ پانی کی جگہ ریت ہو گئی۔

دیکھو! من کتنا خطرناک ہے۔ رِشی اپنے من کو روک نہیں سکا بلکہ یوگ سے حاصل کی ہُوئی اپنی کمائی برباد کر دی۔

14۔ برتن کو ٹکورنا

اُلٹا کُنواں گگن میں تِس میں جرے چراغ
تِس میں جرے چراغ بِنا روغن بِن باتی
چھ رِتُو بارہ ماس رہت جرتے دِن راتی
ستگُورو مِلا جو ہوئے تا ہی کی نظر میں آوے۔[14]

پلٹو صاحب

داؤد صاحب ایک کامِل فقیر ہُوئے ہیں۔ آپ کا جنم مُسلمان گھرانے میں ہُوا تھا۔ ایک دفعہ دو پنڈت آپ کے پاس اِس غرض سے آئے کہ چل کر ست سنگ سُنیں اور گُورو دھارن کریں۔ جب آپ کی کُٹیا کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آگے ایک آدمی ننگے سر جا رہا ہے۔ پنڈتوں نے اِس کو بُرا شگُون سمجھا کہ ننگے سر والا آدمی مِلا ہے۔ بُرے شگُون کو ٹالنے کے لیے اُس ننگے سر والے آدمی کے سر پر دو ہنٹر مار دیے۔ پھر پُوچھا کہ داؤد کا ڈیرہ کہاں ہے؟ اُس نے اُنگلی سے اِشارہ کرتے ہُوئے کہا کہ وہ رہا۔ جب ڈیرے پہنچے تو پتہ چلا کہ داؤد صاحب باہر گئے ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے اِنتظار کیا۔ جب داؤد صاحب آئے اور پنڈتوں نے دیکھا کہ یہ تو وہی ہے جس کے سر پر دو ہنٹر مارے تھے، وہ شرم اور ڈر سے کانپنے لگے۔ لیکن داؤد صاحب ہنس پڑے اور بولے، ''لوگ دو ٹکے کی ہانڈی لینے سے پہلے اُسے ٹکور کر دیکھ لیتے ہیں، آپ تو گُورو دھارن کرنے آئے ہو، خوب ٹکور کر دیکھ لو۔ جب دِل مانے تب گُورو دھارن کرنا۔''

سنتوں کی حلیمی و اِنکساری کو بیان کر پانا ممکن نہیں۔ گُورو دھارن کرنے سے پہلے پُوری تسلّی کر لینی چاہیے، کیونکہ گُورو میں پُورا بھروسہ ہونا پرمارتھ میں ترقی کے لیے اشد ضروری ہے۔

15۔ سنت کا اصلی سرُوپ

جو پرانی نِس دِن بھجےرُوپ رام تہہ جان۔
ہرجن ہر انتر نہیں نانک ساچی مان۔[15]

گوُروتیغ بہادر

تُلسی صاحب مہاراشٹر کے پُونا اور ستارا کے شہزادے تھے عہدِ شباب میں ہی اُن کو پتہ چل گیا تھا کہ اُن کے والِد راج پاٹ کی جوابداری سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں اور یہ ساری ذِمّہ داری اُن کے کندھوں پر آنے والی ہے۔تُلسی صاحب کے دِل میں خُدا کا گہرا عشق تھا۔آپ اپنی ساری زِندگی کسی خُدا رسیدہ مُرشد کے قدموں میں بسر کرنا چاہتے تھے۔اِس لیے آپ ایک روز رات کے اندھیرے میں چُپکے سے محل کے باہر نِکل گئے۔

گھر سے چوری چوری نکل جانے کے بعد آپ کی زِندگی کے بارے میں کچھ خاص جانکاری نہیں ملتی۔کئی برس بعد آپ نے اُتر پردیش کے ہاتھرس شہر میں اپنا مستقل ٹھکانا بنایا۔یہاں آپ نے سنت مت کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔

ایک دِن ایک عورت نے تُلسی صاحب سے کہا کہ آپ نے اپنی شبداولی میں لِکھا ہے، 'رہوں ری بِدیہہ دیہہ درساؤں۔'[16] مجھے اِس بات کی سمجھ نہیں آئی۔اُس نے کہا کہ آپ تو ساکشات دیہہ سروُپ میں میرے سامنے کھڑے ہیں، پھر آپ بِدیہہ کیسے ہو گئے؟ تُلسی صاحب نے جواب دیا کہ اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو تُو مجھے پکڑ لے۔

اُس عورت نے بار بار تُلسی صاحب کو اپنی باہوں میں لینے کی کوشش کی لیکن وہ آپ کو پکڑ نہ سکی۔آپ نے کہا،''اری مایا کی داسی،تُو کیا جانے سنتوں کی گتی۔''

16۔ جو کچھ کِیا صاحب کِیا

کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں ہے؟[17]

متی

کبیر صاحب نے مگھر سے کاشی میں رِہایش اختیار کر لی تھی اور وہیں ست سنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اُن کا اُپدیش تھا کہ اِنسان کو اپنے اندر ہی خُدا کی تلاش کرنی چاہیئے۔ بیرونی رسم و رِواج کی پابندی میں رہنے سے، مندروں اور مسجدوں میں جا کر پُوجا اور عبادت کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ آپ کی یہ تعلیم کٹّر پنتھی پنڈتوں اور مولویوں کے عقیدہ سے بہت مختلف تھی، اِس لیے دونوں آپ کے مخالف ہو گئے، لیکن کبیر صاحب نے اُن کی کوئی پروا نہیں کی۔ جو متلاشی خُدا کی کھوج میں اُن کے پاس آ کر کچھ پُوچھتے، آپ اُنہیں اپنی تعلیم کے رُوحانی نظریے سے بات سمجھا دیتے۔ آہستہ آہستہ آپ کے مُریدوں کی گنتی بڑھتی گئی اور آپ کی شہرت دُور دراز تک پھیل گئی۔

جب پنڈتوں اور مولویوں نے دیکھا کہ اُن کی مُخالفت کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تو اُنہوں نے کبیر صاحب کو نیچا دِکھانے کے لیے ایک منصوبہ بنایا۔ اُنہوں نے کاشی اور اُس کے اِرد گِرد کے علاقوں میں یہ خبر پھیلا دی کہ کبیر صاحب بہت دولت مند ہیں اور فلاں دِن ایک بہت بڑا یگیہ کر رہے ہیں جسمیں عوام کو کھانے کی دعوت دی گئی ہے۔ جو بھی چاہے اِس میں شامل ہوسکتا ہے۔

جب وہ نام نہاد دعوت کا دِن قریب آیا تو کیا غریب اور کیا امیر، ہزاروں لوگ کبیر صاحب کی کُٹیا کی طرف چل پڑے۔ ایک معمولی جولاہے کے پاس اتنے لوگوں کو کھانا کھلانے کے لیے نہ

تو پیسہ ہی تھا اور نہ ہی دُوسرا سامان۔اِس مُصیبت سے بچنے کے لیے کبیر صاحب شہر سے باہر بہت دُور چلے گئے اور ایک درخت کے سایے میں مالکِ کُل کے خیال میں چُپ چاپ بیٹھ گئے۔

جیسے ہی کبیر صاحب گھر سے باہر نکلے، مالکِ کُل نے خود اُن کی شکل میں ظاہر ہوکر کھانے کا سارا بندوبست کیا اور ہزاروں لوگوں کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا۔دعوت میں آیا ہر شخص یہ کہتے ہوئے لوٹا، ''دھن کبیر، دھن کبیر۔''

جب شام کے دُھندلکے میں کبیر صاحب گھر لوٹے تو اُن کو سارا ماجرہ معلوم ہوا۔آپ خوشی میں مالکِ کُل کا شُکرانہ کرتے ہوئے کہہ اُٹھے:-

نہ کُچھ کِیا نہ کر سکا، نہ کرنے جوگ سریر
جو کُچھ کِیا صاحب کِیا، تاں تے بھیا کبیر

17۔ شاہجہان کی اِنکساری

جب خُودی مِٹ جائے گی تو تمہارا محبُوب سے وِصال
ہو جائے گا۔ اِس لیے اے دانشمند اِنسان! خودی کو
مِٹانے کی کوشش کر اور عاجزی اختیار کر۔[19]

مولانا رُوم

دوپہر کا وقت تھا۔ بادشاہ شاہجہان کو پیاس لگی۔ اِدھر اُدھر دیکھا، نوکر کوئی پاس نہیں تھا۔ اکثر پانی کی صُراحی بھری ہوئی پاس ہی رکھی ہوتی تھی لیکن اُس دِن صُراحی میں ایک گھونٹ بھی پانی نہیں تھا۔ کنویں پر پہنچا اور خود ہی پانی نکالنے لگا۔ جوُنہی رسّی سے بندھی پانی کی بالٹی اُوپر کھینچنے کے لیے جُھکا تو چرخی ماتھے پر لگی۔ بولا، ''شُکر ہے! شُکر ہے! شُکر ہے! میرے جیسے بیوقوف کو جو اپنے لیے پانی نکالنا بھی نہیں جانتا، مالک نے بادشاہ بنا دیا۔ یہ اُس کی رحمت نہیں تو اور کیا ہے؟''
مطلب یہ کہ دُکھ میں بھی مالک کا شُکر منانا چاہیئے۔

18۔ مینڈک اور ہنس

نانک سے اکھڑیاں بی اَن جنی ڈِسندو ما پری۔[20]

گوُرو ارجن دیو

ایک دفعہ ایک ہنس ایک سمندر سے اُڑ کر دُوسرے سمندر کو جا رہا تھا۔ راستے میں تھک کر ایک کنویں کے کنارے بیٹھ گیا۔ اُس کنویں میں ایک مینڈک تھا۔ اُس مینڈک نے پُوچھا، ''بھائی تُم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟'' ہنس نے جواب دیا کہ میں سمندر کے کنارے رہنے والا ایک پرندہ ہوں اور موتی چُگ کر کھاتا ہوں۔ تب مینڈک نے پُوچھا کہ سمندر کتنا بڑا ہے؟ ہنس نے کہا کہ بہت بڑا ہے۔ مینڈک نے تھوڑی دُور پیچھے ہٹ کر کہا کہ اتنا بڑا ہوگا؟ اُس نے کہا، ''نہیں، بہت بڑا۔'' مینڈک نے تھوڑا سا چکر لگا کر پُوچھا، ''اتنا بڑا؟'' ہنس نے کہا کہ نہیں، اِس سے بھی بہت بڑا ہے۔ مینڈک سارے کنویں کا چکر لگا کر کہنے لگا کہ کیا اِتنا بڑا ہے؟ ہنس نے کہا کہ سمندر اِس سے بھی کہیں زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ تب مینڈک بولا، ''تُو جُھوٹا ہے، بے ایمان ہے۔ اِس سے بڑا ہو ہی نہیں سکتا!''

جو بات ہماری سمجھ سے باہر ہے، اُس کو ہم ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہم کہتے ہیں کہ بتانے والا جُھوٹا ہے۔

19۔ نال شرابے رنگ مُصلّا

سنت ستگُورو کی لِو پرماتما کے ساتھ متواتر لگی رہتی ہے، اِس لیے صِرف وہی اپنے مُرید کو صحیح راستہ دِکھا سکتا ہے اور راہ میں آنے والے بے شُمار خطروں سے اُسے بچا سکتا ہے۔[21]

مہاراج ساون سِنگھ

جب ایران کے مشہور صوفی فقیر خواجہ حافظ شیرازی نے اپنے دِیوان میں کہا: ''بہ مَے سجّادہ رنگیں کُن گرت پیرِ مُغاں گوید'' (نال شرابے رنگ مُصلّیٰ جے مُرشد فرماوے) یعنی اگر مُرشد حُکم دے تو شراب میں مُصلّیٰ رنگ لے، تو اِس بات پر ہنگامہ مچ گیا، کیونکہ قُران مجید کے مطابق شراب حرام مانی جاتی ہے اور ایسی بات کہنا کُفر ہے۔

اُن دِنوں اِنصاف کرنا قاضیوں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ لوگوں نے جا کر قاضی سے شکایت کی کہ فلاں شخص نے کُفر کا یہ کلمہ کہا ہے۔ حافظ صاحب کو قاضی کے پاس بُلایا گیا۔ قاضی نے کہا، ''تُم نے کُفر کا کلام کہا ہے، یا تو اِس کا مطلب سمجھاؤ یا اپنا کلام واپس لو۔'' خواجہ حافظ نے کہا کہ فقیر اپنا کلام واپس نہیں لے سکتے۔ کیونکہ جو مالک نے اندر سے حُکم دیا وہ میں نے باہر کہہ دیا۔ قاضی نے دوبارہ اُس کلام کا مطلب دریافت کیا۔ حافظ صاحب نے کہا کہ وہ جو سامنے پہاڑی ہے، وہاں ایک فقیر بیٹھا ہے، اُس کے پاس جاؤ۔ وہ تمھیں اِس سوال کا جواب دے گا۔ قاضی وہاں پہنچا۔ جب اُس فقیر سے مطلب پُوچھا تو اُس نے مُسکراتے ہوئے کہا کہ وہ جو سامنے شہر

دِکھائی دیتا ہے، اُس میں فلاں مکان ہے، وہاں فلاں بیسوا رہتی ہے۔ اُس کے پاس جاؤ۔ یہ لو دو روپے لیتے جاؤ۔ وہ بیسوا تمہیں اِس کلام کا جواب دے گی۔

قاضی کو غُصہ آیا کہ یہ عجیب قِسم کے فقیر ہیں --- ایک کہتا ہے کہ مُصلّیٰ شراب میں رنگ لو، دُوسرا کہتا ہے کہ بیسوا کے گھر جاؤ۔ خیر! قاضی نے سوچا تحقیقات لازمی ہے۔ چلو دیکھیں تو سہی کیا مُعاملہ ہے؟

آخر قاضی اُس شہر میں گیا۔ بیسوا کا مکان پُوچھ کر وہاں پہنچا۔ اُس وقت بیسوا کہیں باہر گئی ہوئی تھی۔ لیکن محل دارن گھر پر تھی۔ اُس نے دِل میں سوچا کہ مہمان بہت امیر آدمی معلوم ہوتا ہے، آسامی موٹی ہے، بہت کچھ ہاتھ لگے گا۔

بیسوا نے ایک لڑکی کو پال پوس کر بڑا کیا تھا اور وہ اب جوان ہوگئی تھی۔ محل دارن نے اُس لڑکی سے کہا، ''دیکھ! ہم جو کچھ کرتے ہیں تجھے پتہ ہے۔ یہ ہمارا پیشہ ہے۔ اِس واسطے تجھے بھی یہ کام کرنا پڑے گا۔ ہم نے تجھے اِسی کام کے لیے مول لیا ہے۔ اب تُو جوان ہوگئی ہے۔'' آخر وہ اُس لڑکی کو سجا سنوار کر قاضی کے کمرے میں چھوڑ آئی کہ گاہک آیا ہے، خالی نہ جائے۔ لیکن وہ لڑکی بہت اُداس تھی، اُس کی آنکھوں سے آنسوُ بہہ رہے تھے۔ قاضی نے سوچا کہ اگر یہ طوائف ہوتی تو ہنستی کھیلتی آتی؛ لیکن یہ طوائف نہیں ہے۔ یہ کچھ اور ہی معاملہ ہے۔ اُس کی طرف دیکھ کر قاضی نے پُوچھا تُم رو کیوں رہی ہو؟ لڑکی خاموش رہی۔ قاضی نے پھر پُوچھا، لڑکی پھر بھی کچھ نہ بولی۔ آخر قاضی نے کہا، ''بیٹی! میں تجھے کچھ نہیں کہتا۔ بتا تُو کون ہے؟'' لڑکی نے آہستہ آہستہ روتے روتے جواب دیا کہ میں مُصیبت کی ماری ہوں۔ آج تک میں نیک پاک رہی ہوں، لیکن آج پہلی بار میں بُرے کام میں پڑنے جا رہی ہوں۔ معلوم نہیں کیا حال ہوگا!

قاضی نے کہا کہ تُو ڈر مت۔ میں تجھے کچھ نہیں کہتا۔ سچ سچ بتا کہ تُو ہے کون؟ لڑکی کہنے لگی کہ مجھے تھوڑا تھوڑا یاد ہے کہ میں جب چھوٹی سی تھی، ہمارے گاؤں میں ڈاکہ پڑا تھا۔ سب لوگ بھاگ گئے تھے۔ میں بھی بھاگی لیکن مجھے ڈاکوؤں نے پکڑ لیا۔ وہ مجھے یہاں بیچ گئے۔ قاضی نے پُوچھا کہ تیرا گاؤں کون سا تھا؟ لڑکی نے کہا، ''مجھے تھوڑا تھوڑا یاد ہے کہ میرا فلاں گاؤں تھا۔'' وہی قاضی کا گاؤں تھا۔ قاضی نے سوچا کہ یہ تو اپنے ہی گاؤں کی لڑکی ہے۔ دِل میں جوش آیا۔

پھر پُوچھا کہ کیا تجھے یاد ہے کہ تیرے محلّے کا کیا نام تھا؟ لڑکی نے کہا، ''مجھے تھوڑا تھوڑا یاد ہے کہ ہمارے محلّے کا یہ نام تھا۔'' وہ قاضی کا اپنا محلّہ تھا۔ اپنے محلّے کی لڑکی تھی اِس لیے مزید تحقیقات کا خیال آیا۔ اُس نے پُوچھا کہ تیرے باپ کا کیا نام تھا؟ لڑکی نے کہا کہ میں چھوٹی تھی لیکن مجھے تھوڑا تھوڑا یاد ہے کہ میرے باپ کا یہ نام تھا۔ وہ قاضی صاحب خود بیٹھے تھے۔ رو کر گلے سے لگا لیا اور کہا کہ تُو میری ہی بیٹی ہے۔ تجھے ہی ڈاکو پکڑ کر لے گئے تھے۔ لڑکی کا بازو پکڑ کر اُس فقیر کے پاس لے گیا۔ اُس کو کہنے لگا کہ ظاہراً تو تُو نے مجھے بُرے کام کے واسطے بیسوا کے پاس بھیجا تھا لیکن اندر سے تیری کچھ اور ہی رمز تھی۔ مجھے اب پتہ چلا کہ اندر سے تیرا مطلب میری کھوئی ہوئی بیٹی کو ملانا تھا۔

اُس فقیر نے کہا کہ خواجہ صاحب سے کہو کہ اِس کا اگلا مِصرع بھی کہہ دیں۔ جب حافظ صاحب کے پاس آیا تو بولا کہ اِس کا اگلا مِصرع بھی کہہ دو۔ تب حافظ صاحب نے کہا:-

''کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا'' (کہ او ہ واقفکار قدیمی غلطی مُول نہ کھاوے)

مطلب یہ کہ رہنما منزل کے نشیب و فراز سے بے خبر نہیں ہوتا۔

20۔ کھجوروں کی چاہ

اپنے آپ کو مالک کے حوالے کر دے اور شیطان کا مقابلہ کر، وہ تم سے دُور بھاگ جائے گا۔ پرماتما کے نزدیک آؤ، وہ بھی تمہارے نزدیک آئے گا۔[23]
سینٹ جیمز

ایک مہاتما بازار میں سے گُزر رہا تھا۔ راستے میں ایک کُنجڑے نے کھجُوریں بیچنے کو رکھی ہوئی تھیں۔ من نے کہا کہ یہ کھجُوریں لینی چاہئیں۔ اُس نے من کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن من دُنیا کی نفسانی لذّات کا عاشق ہے۔ جب رات کو سویا تو کھجُوریں سامنے آ گئیں۔ ساری رات من بھجن میں نہ لگا۔ ہار کر سویرے جنگل میں چلا گیا۔ ایک بڑا گٹھّا لکڑیوں کا، جتنا کہ وہ اُٹھا سکتا تھا، اُٹھایا۔ من سے بولا کہ تجھے کھجُوریں کھانی ہیں تو یہ بوجھ اُٹھا۔ ایک گٹھّا اُٹھانے کی طاقت نہیں تھی، دو گٹھّوں کے برابر بوجھ کیسے اُٹھتا؟۔ بوجھ اُٹھاتا، گر پڑتا، پھر اُٹھاتا، پھر گر پڑتا۔ بار بار گرتا، لیکن پھر چل پڑتا۔ آخر کار دو ڈھائی میل چل کر شہر پہنچا، لکڑیاں بیچیں۔ جو پیسے مِلے اُن کی کھجُوریں خرید کر جنگل میں لے گیا۔ کھجُوریں سامنے رکھیں۔ من سے کہا کہ آج تُو نے کھجُوریں مانگیں ہیں، کل اچھے اچھے کھانے، اچھے اچھے کپڑے مانگے گا، پھر اِستری مانگے گا۔ اُس سے بال بچے ہوں گے۔ پھر تو میں تیرا ہی ہو جاؤں گا۔ ایک مُسافر پاس سے گُزر رہا تھا، اُسے بُلا کر بولا، ''لے بھائی، یہ کھجُوریں لے جا۔''

اگر من کا کہنا نہیں مانو گے تو کچھ پرمارتھ کا لابھ اُٹھا کر لے جاؤ گے۔ اگر مانو گے تو من کے غلام بنے رہو گے۔ مُرید کو چاہیئے کہ مُرشد کے حُکم میں رہے۔ من کے کہے نہ چلے۔ مُرشد اگر گھاس کھودنے کا حُکم بھی دے تو مُرید کے واسطے وہی بجا ہے۔

21۔ پیغمبر اور اُس کے مُرید

جب لگ میری میری کرے، تب لگ کاج ایک نہیں سَرے۔
جب میری میری مِٹ جائے، تب پربھ کاج سوارے آئے۔ [24]

کبیر صاحب

ایک مرتبہ حضرت محمدؐ صاحب اپنے یاروں اور اِماموں کو ایک مسجد میں لے گئے اور اُن سے پُوچھا، ''آپ کا اپنا کیا کیا ہے؟'' حضرت عُمر نے کہا کہ میری عورت ہے، لڑکے لڑکیاں ہیں، اُونٹ ۔۔۔(اُنہوں نے کئی چیزیں گنادیں) وغیرہ ہیں۔ دُوسروں نے بھی اِسی طرح چیزیں گنائیں۔ جب حضرت علیؑ کی باری آئی تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور بولے، ''میرا تو ایک خُدا ہے اور ایک تُو ہے''۔ حضرت محمدؐ صاحب جو اُن سب کو سمجھانا چاہتے تھے، وہ اِس طرح سمجھا دیا۔

حضرت محمدؐ صاحب اپنے مُریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ رُوحانیت میں دُنیوی اشیا کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ چیزیں ہمارے پاس تھوڑے وقت کے لیے رہتی ہیں اور دُنیا سے کُوچ کرتے وقت ہمارے ساتھ نہیں جاتیں۔ جو دُنیا کے ساتھ ضرورت سے زیادہ وابستہ ہے، وہ بار بار دُنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ جو خُدا سے محبت کرتا ہے وہ دُنیا میں کیوں بھٹکے گا؟ یہ دوحرفی بات ہے۔

22۔ فقیراور ساہُوکار

مم کارن سب پر ہرے، آپا ابھیمان
سداا اکھنڈِت اُردھرےَ، بولےبھگوان۔[25]
سنت داُودیال

ایک فقیر کا قاعدہ تھا کہ وہ جس گاوٗں میں جاتا تھا، روٹی اُس کے گھر سے کھاتا تھا، جس کی کمائی حق حلال کی ہوتی تھی۔ وہ اِس بارے پہلے دریافت کرلیتا تھا۔ ایک دِن اِتفاقاً وہ ایک جنگل سے گُزر رہا تھا کہ اُسے ایک آدمی مِلا۔ اُس نے اُس آدمی سے پُوچھا کہ پاس والے گاوٗں میں کیا کوئی حق کی کمائی کرنے والا شخص ہے؟ اُس نے کہا کہ فلاں ساہُوکار ہے۔ پُوچھا، ''اُس کے پاس کس قدر روپیہ ہے؟'' کہنے لگا کہ ایک لاکھ کے قریب۔ ''اُس کے کتنے بیٹے ہیں؟'' بتایا کہ چار بیٹے ہیں۔

یہ سب پُوچھ کر وہ اُس گاوٗں میں گیا اور ساہُوکار کے پاس پہنچ کر اُس سے کہا کہ لالہ جی بھوجن کرنا ہے۔ ساہُوکار نے کہا، ''آوٗ مہاتما جی، بڑی خوشی سے بھوجن کریں۔'' پھر فقیر نے کہا کہ بھوجن کرنے سے پہلے آپ سے ایک دو باتیں پُوچھنی ہیں۔ ساہُوکار نے کہا، ''حُکم کرو۔'' فقیر نے پُوچھا کہ آپ کے پاس کتنا روپیہ ہے؟ ساہُوکار نے جواب دِیا کہ پچاس ہزار پھر پُوچھا کہ تمہارے کتنے بیٹے ہیں؟ ساہُوکار نے جواب دِیا کہ جی! ایک بیٹا ہے۔ فقیر اُٹھ کر چل پڑا۔ فقیر نے سوچا کہ ساہُوکار تو سراسر جُھوٹ بول رہا ہے۔ فقیر کو چلتا دیکھ کر ساہُوکار کو بڑی حیرانی ہوئی۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کی، ''مہاتما جی! آپ ناراض ہو گئے، چل کیوں پڑے؟'' فقیر غُصے

میں بولا، میں تو سمجھتا تھا کہ تُو سچا اور حق حلال کی کمائی والا آدمی ہے۔تُو تو جُھوٹ کا مُجسمہ نکلا۔تُو بتا، کیا میں تیرے بیٹے لے جاتا یا تیری دولت مانگ لیتا؟ ساہُوکار نے جواب دیا،''مہاتما جی! پہلے میری بات سُن لیں، بھوجن چاہے کریں چاہے نہ کریں۔ میرا ایک بیٹا پرمارتھ میں میری مدد کرتا ہے، باقی سب شرابی کبابی ہیں۔وہ میرے قرض خواہ ہیں۔اور میں نے آج تک پچاس ہزار روپیہ پرمارتھ میں لگایا ہے باقی کا پتہ نہیں چوروں نے لے جانا ہے کہ ٹھگوں نے۔اِس واسطے میں نے کہا کہ میرا ایک بیٹا ہے اور پچاس ہزار روپیہ ہے۔''فقیر نے خوش ہو کر کہا،''بیٹا! معاف کرنا۔ مجھے سچائی کا اب پتہ چلا۔تُو اصل میں سچا اِنسان ہے۔میں خوشی سے تیرا کھانا قبول کروں گا۔''

مطلب یہ ہے کہ جو دولت اور رِشتے دار رُوحانیت میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، وہی اصل میں اپنے ہوتے ہیں۔

23۔ ایک گھڑی کی صحبت

گوبند جیو ست سنگت میل ہر دِھیایئے۔[26]
گورو رام داس

ایک ساہُوکار کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنی آسامیوں سے سُود در سُود لیا کرتا تھا۔ ایک دِن وہ ایک گاؤں میں کسی غریب کسان کے گھر اپنا قرضہ وصُول کرنے کے لیے گیا۔ سُود کم کروانے کے لیے کسان نے بہت زور لگایا لیکن ساہُوکار نے ایک نہ سُنی۔ اُس کے مویشی اور اناج تک سُود میں گِن لیے۔ کسان نے دِل میں کہا، ''اچھا لالہ! اب جا اور اپنا بستر خود اُٹھا کر لے جا۔'' ساہُوکار مزدُور ڈُھونڈ رہا تھا اور اُس کے ایسے سلوک کی وجہ سے کسی نے اُسے مزدُور لا کر نہیں دیا۔ اب گاؤں میں مزدُور کہاں سے مِلے؟ اِتفاق سے وہاں نزدیک ہی ایک مہاتما بیٹھا بھجن کرتا تھا۔ وہ ساہُوکار سے کہنے لگا کہ میں تیرا بستر اُٹھا کر تو لے چلتا ہوں لیکن اِس شرط پر کہ یا تو تُو مالک کی صِفت وثنا کرتا جا اور میں سُنتا جاتا ہوں۔ یا میں کرتا جاتا ہوں اور تُو سُنتا جا۔ لالہ نے دِل میں سوچا کہ یہ کون سی مُشکل بات ہے۔ یہ باتیں کرتا جائے گا اور میں ہاں میں ہاں ملاتا جاؤں گا۔

مہاتما نے اس کا بستر اُٹھا لیا اور پربھو پریم کی باتیں کرتے ہوئے چل پڑا۔ جب اُس کا گاؤں آ گیا تو مہاتما نے کہا کہ لو لالہ جی، میں اب جاتا ہوں۔ لیکن مہاتما نے دِل میں سوچا کہ یہ بھی کیا یاد کرے گا کہ کسی مہاتما سے مُلاقات ہُوئی تھی۔ اِس کو کچھ بتانا چاہیئے۔ مہاتما نے ساہُوکار سے کہا، '' آج سے آٹھ دِن کے بعد تیری موت ہے۔ تیری ساری عُمر میں کوئی نیک کرم نہیں ہے۔ یہ جو ایک گھنٹہ میرے ساتھ باتیں کی ہیں، وہی ایک نیک کرم ہے۔ جب تمہیں جمدُوت

لے جائیں اور پُوچھیں کہ اس ایک گھنٹے کے ست سنگ کا پھل پہلے لینا ہے کہ بعد میں، تو تُو کہہ دینا کہ پہلے۔ اور پھل یہی مانگنا کہ مجھے اُس مہاتما کے درشن کراؤ۔ پھر جو ہوگا تو خود ہی دیکھ لے گا۔"

جب موت آئی، دھرم راج کے جمدُوت آئے اور ساہُوکار کو پکڑ لے گئے۔ جب پیش ہوا تو دھرم راج نے چِتر گُپت سے کہا کہ اِس کا اعمال نامہ دیکھو۔ جب اعمال نامہ دیکھا تو اُس کا کوئی نیک کرم نہیں تھا، سوائے اِس کے کہ اُس نے ایک مہاتما سے ایک گھنٹہ پربھو پریم کی باتیں کی تھیں۔ دھرم راج نے پُوچھا کہ تجھے اس کا پھل پہلے لینا ہے کہ بعد میں؟ ساہُوکار کہنے لگا کہ پہلے دے دو اور جہاں وہ مہاتما ہے، وہاں لے چلو۔

پُورن مہاتماؤں کا جسم بھلے ہی اس دُنیا میں دِکھائی دیتا ہے، لیکن اُن کی سُرت کھنڈوں برہمنڈوں پر ہوتی ہے۔ جمدُوت اُس کو اپنے ساتھ مہاتما کے پاس لے گئے۔ مہاتما نے کہا، "بھائی ساہُوکار تُو آ گیا؟" ساہُوکار نے کہا، "جی ہاں! آپ کی مہربانی سے آ گیا ہوں، لیکن جمدُوت باہر کھڑے میرا اِنتظار کر رہے ہیں۔"

اب جہاں مالک کا بھجن سمرن ہو وہاں جمدُوت نہیں جا سکتے۔ ساہُوکار کو اُس مہاتما کے پاس بیٹھے کافی دیر ہو گئی۔ اُس کا ایک گھنٹے کے ست سنگ کا پھل ختم ہو گیا۔ باہر جمدُوت کھڑے تھے اور آوازوں اور اِشاروں سے اُسے باہر بُلا رہے تھے۔ لیکن وہ باہر نہیں آیا۔ مہاتما نے کہا، "چُپ چاپ بیٹھے رہو، جمدُوت یہاں نہیں آ سکتے۔" ہار کر جمدُوت چلے گئے۔ دھرم رائے کے آگے شکایت کی، کہ جی! وہ نہیں آتا۔ دھرم راج نے کہا کہ وہاں نہ میری رسائی ہے نہ تمہاری۔ اس لیے اب اس کا خیال چھوڑ دو۔ سو پُورن سادُھو کے ست سنگ کے برابر کوئی کرم نہیں ہے۔

جِہہ سادُھو گوبند بھجن کِیرتن نانک نِیت
نہ ہَو و نہ تُوں چھُٹہی نِکٹ نہ جائیو دُوت۔ 27

24۔ بُلّھے شاہ کا رقص

جگ میں جِیون تھوڑ ارام، کُن کرے رے جنجار
مِیرا اں کے پر بھوُ گردھر ناگر، بھج اُتر وبھو پار۔ [28]

مِیرا بائی

بُلّھے شاہ مُسلمان سیّد فقیر ہوئے ہیں جو پنجاب میں رہتے تھے اور اپنا بیشتر وقت خُدا کی عبادت میں گُزارتے تھے۔ وہ اکثر اس واسطے بدنامی کا شِکار ہو جاتے تھے کیونکہ وہ اپنے اعلیٰ خاندان کی مذہبی روایات کے مطابق نہیں چلتے تھے اور نہ ہی شریعت کے پابند رہتے تھے۔ جب دُنیا نے زیادہ تنگ کرنا شروع کیا تو اُنہوں نے گدھے لے لیے تا کہ دُنیا اُن سے اور زیادہ نفرت کرے۔ فقیروں کی باتیں فقیر ہی جانتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عورت کو ایک مُسلمان حاکم زبردستی اپنے گھر لے گیا۔ جب اُس کے شوہر کی پُکار کسی نے نہ سُنی تو اُسے کسی نے بتایا کہ بُلھے شاہ ایک کامل فقیر ہے، تُو جا کر اُس کی مِنّت کر۔ وہ جب بُلھیشاہ کے پاس گیا تو اُنہوں نے کہا، ''جا! شہر میں دیکھ، کہیں طبلہ سارنگی بجتے ہیں؟'' ایک جگہ ہیجڑے گا رہے تھے۔ دیکھا اور آ کر بُلھے شاہ کو خبر دی۔ بُلھے شاہ نے کہا، ''ٹھیک ہے، آؤ اور میرے گدھے پر بیٹھ جاؤ۔ ہم دونوں وہاں چلتے ہیں۔'' بُلھے شاہ اُن میں جا مِلے اور ناچنے لگے۔ جب وجد میں آئے تو اُنہوں نے پُوچھا کہ وہ حاکم کہاں رہتا ہے؟ جواب مِلا کہ شہر کی فلاں طرف کھجی والا باغ، انباں والی باغیچی میں رہتا ہے۔ تب بُلھے شاہ نے توجّہ دیتے ہوئے کہا:

انباں والی بغیچی سُنی دی، کھجی والا باغ۔ کھوتیاں والے سدّ بُلائی سُتّی ایں تے جاگ

چِینا ائیوں چھڑیندا یار، چِینا ائیوں چھڑیندا

بُلّھے شاہ کے اِتنا کہنے کی دیر تھی کہ عورت بے تحاشہ کھچی چلی آئی۔ کیونکہ اُس مُسلمان حاکم کا گھر بھی وہاں سے نزدیک ہی تھا۔ جہاں وہ ہیجڑے ناچ رہے تھے۔ بلّھے شاہ نے کہا، ''بھائی، جا اپنی بیوی کو لے جا۔'' بلّھے شاہ اپنی مستی میں اب بھی ناچ رہے تھے۔ اُدھر بلّھے شاہ کے باپ کو لوگوں نے بتادیا کہ پہلے تو تیرالڑکا گدھے لے کر گھومتا تھا، اب اُس نے ہیجڑوں کے ساتھ ناچنا بھی شروع کر دیا ہے، سیّدوں کی عزت خوب برباد کرنے میں لگا ہوا ہے۔ بلّھے شاہ کے باپ نے ایک ہاتھ میں لاٹھی پکڑی، دُوسرے میں مالا لیے وہاں جا پہنچا۔ بلّھے شاہ نے جب دیکھا کہ باپ آ رہا ہے، دِل میں آیا کہ آج یہ بھی خالی نہ جائے۔ توجہ دے کر گانے لگا:

لوکاں دے ہتھ مالیاں تے بابے دے ہتھ مال
ساری عُمر پٹ پِٹ مر گیا کُھس نہ سکیا وال
چِینا ائیوں چھڑیندا یار، چِینا ائیوں چھڑیندا

باپ بھی وجد میں آ کر اُس کے ساتھ ناچنے لگا اور اندر پردہ کُھل گیا۔ ہاتھ سے مالا چھوڑ دی اور کہہ اُٹھا:

پُتر جنہاں دے رنگ رنگیلے، ماپے وی لیندے تار
چِینا ائیوں چھڑیندا یار، چِینا ائیوں چھڑیندا۔[29]

25۔ اندھا اور بھُول بھُلَیاں

کئی جنم بھئے کِیٹ پتنگا، کئی جنم گج مِین کُرنگا
کئی جنم پنکھی سرپ ہو یِئو، کئی جنم حَیور برِکھ جو یِئو
مِل جگدیش مِلن کی برَیا، چِر نکال ایہہ دیہہ سنجریا۔[30]
گُورو ارجن دیو

آنکھوں سے اندھے اور سر سے گنجے ایک آدمی کو کسی گُناہ کے سبب راجہ نے ایک ایسی جیل میں ڈال دیا جو خاص طور پر بھُول بھُلَیاں کی طرح بنائی گئی تھی۔ اُس جیل کے کئی نقلی دروازے تھے لیکن باہر جانے کے لیے صِرف ایک ہی دروازہ تھا۔ راجہ کا حُکم تھا کہ جو کوئی اُس ٹھیک دروازے کو ڈھونڈ لے وہ اُس میں سے باہر نکل کر آزاد ہو سکتا ہے۔

کافی دیر تک وہ اندھا آدمی جیل کے اِرد گِرد کی دِیواروں کو ہاتھ سے ٹٹولتے ہوئے اصلی دروازے کو ڈھونڈتا رہا، لیکن جب وہ ٹھیک دروازے کے پاس پہنچا تو اچانک اُس کے سر میں کھُجلی ہونے لگی۔ وہ اپنا سر کھُجانے لگ گیا اور اُس دروازے سے آگے نکل گیا۔ اِس کے بعد بھی ہر بار اُس کے ساتھ یہی ہوتا رہا۔ جب اصلی دروازہ سامنے آتا وہ سر کھُجانے لگتا اور دروازہ کے آگے نکل جاتا۔ اِس طرح وہ جیل کی دِیوار کے ساتھ ساتھ گھُومتا رہتا اور ہر بار اصلی دروازے سے آگے نِکل جاتا۔

یہی حال ہمارا ہے۔ جب اِنسانی جامہ مِلتا ہے تو ہم اُسے من کی لذّتوں میں گزار دیتے ہیں اور پھر سے چوراسی کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اِنسانی جامہ ہی مُکتی حاصل کرنے کا وقت ہوتا ہے، جسے ہم ہر بار اسی طرح گنوا دیتے ہیں۔

26۔ سوئمبر اور نارد مُنی

جِیو جننی سُت جن پالتی راکھے ندر مجھار
انتر باہر مُکھ دے گراس کِھن کِھن پو چار
تِیو ستگوُرو گُورسکھ راکھتا ہر پریت پیار۔[31]

گوُرو رام داس

قدیم زمانہ میں بھارت کے راجاؤں میں یہ رسم تھی کہ جب کسی راجکماری کی شادی کا وقت آتا تو ایک سوئمبر رچایا جاتا جس میں راجکماری خود اپنے شوہر کا اِنتخاب کرتی تھی۔

ایک دفعہ ایک راجہ کی لڑکی کا سوئمبر تھا۔ نارد جی نے بھگوان وشنو کے آگے، جن کے وہ شِرومنی بھگت کہلاتے تھے، عرض کی کہ مجھے خوبصورت سا چہرہ دے دیں۔ میں فلاں راجکماری کے سوئمبر میں جانا چاہتا ہوں۔ بھگوان نے یہ سوچ کر کہ کہیں یہ نفسانیت کا شکار نہ ہو جائے، اُسے بندر کا چہرہ دے دِیا۔ جس وقت سوئمبر کا وقت آیا، سب لوگوں کو پیچھے ہٹا کر نارد جی اِس یقین کے ساتھ آگے کھڑے ہو گئے کہ لڑکی اُسی کے گلے میں ہار ڈالے گی۔ لیکن لڑکی آگے نکل گئی۔ دِل میں خیال آیا کہ شاید لڑکی نے دیکھا نہیں ہے۔ لوگوں کو پیچھے ہٹا کر پھر آگے جا کھڑے ہوئے۔ لڑکی نے کہا، ''بار بار کیا اُچھلتا ہے، جا کر آئینہ میں اپنا مُنہ تو دیکھ۔'' جب مُنہ دیکھا تو بندر کا چہرہ! آگ بگولا ہو گیا۔ بھگوان سے جا کر کہنے لگا کہ میں آپ کو شاپ دے دُوں گا۔ وِشنو بھگوان نے کہا کہ مجھے شاپ منظور ہے، لیکن میں اپنے بھگت کو گِرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

من بڑے بڑوں کو گِرا دیتا ہے لیکن بھگوان ہمیشہ اپنے سیوکوں کی سنبھال کرتے ہیں۔

27۔ گُورونانک اورغریب کی روٹی

سرداراکاہنوں نے روپے لے کر کہا، اِن کو ہیکل کے خزانے
میں ڈالنا روانہیں، کیونکہ یہ خون کی قیمت ہے۔[32]

متی

گُورونانک کے وقت میں ایمن آباد میں ملک بھاگونام کا ایک امیر اور نامور شخص رہتا تھا۔ وہ ایک پٹھان حاکم کا دِیوان تھا اور اس وجہ سے وہ بڑا مُعزز اِنسان خیال کیا جاتا تھا۔ اُس نے اپنے باپ کا شرادھ کیا۔ دُور دُور سے سنت مہاتما بُلائے گئے اور کھانا کِھلایا گیا تاکہ اِس کا ثواب حاصل ہو سکے۔ اُن دِنوں گُورونانک دیو جی بھی ایمن باد آئے ہوئے تھے۔ آپ ایک بڑھئی لالو کی مُودبانہ گزارش پر اُس کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے اور اُس کے ہاں ہی کھانا کھاتے تھے۔ کسی نے ملک بھاگو سے جا کر شکایت کر دی کہ ایک تپسوی مہاتما ہیں جن کا نام نانک کھتری ہے، مگر کھانا لالو شُودر کے گھر کھاتے ہیں۔

جب ملک بھاگو کو یہ بات معلوم ہُوئی کہ لالو کے گھر کوئی مہاتما ٹھہرے ہوئے ہیں تو اُس نے اپنے اہلکار بھیج کر گُورونانک اور اُن کے ساتھیوں کو برہم بھوج پر آنے کی دعوت دی لیکن گُورو صاحب نے اُس کی دعوت کو نامنظور کر دیا۔ ملک بھاگو نے سوچا کہ جب تک سب مہاتما اُس کے گھر آ کر بھوجن نہیں کھاتے تب تک اُس کا بھوج اَدھورا رہے گا۔ اِس لیے اُس نے گُورو نانک کو بُلانے کے لیے بار بار اہلکار بھیجے۔ آخر گُورو صاحب ملک بھاگو کے گھر گئے اور بھائی لالو بھی اُن کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچ گیا۔

ملک بھاگو نے گُورو صاحب سے پُوچھا، ''آپ برہم بھوج میں کیوں نہیں آئے؟'' گُورو صاحب نے کہا، ''لا ملک! اب کھِلا دے۔'' جب گُورو صاحب نے پلٹ کر دیکھا کہ لالو بڑھئی کھڑا ہے تو اُس سے کہا، ''لالو! تُو بھی اپنی روٹی لے آ۔'' لالو دوڑ کر گیا اور کودھرے کی روٹی اور الُونا ساگ لے آیا۔ اُدھر ملک بھاگو کے آدمی پُوری کچوری لے آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کافی بھیڑ جمع ہو گئی۔

گُورو صاحب نے اپنے داہنے ہاتھ میں کودھرے کی روٹی اور الُونا ساگ اور بائیں ہاتھ میں پُوری کچوری پکڑی اور سب کے سامنے اُن کو نچوڑا، تو لالو کی روٹی سے دُودھ نکلا اور ملک بھاگو کی پُوری کچوری سے خون۔ آپ نے کہا، ''ملک، دیکھ! میں نے تیرا بھوج کیوں نہیں کھایا۔ یہ برہم بھوج نہیں، لوگوں کا خون ہے۔ برہم بھوج تو ہمیشہ لالو کے گھر ہوتا ہے۔''

بغیر نیک کمائی کے پرمارتھ میں کامیابی نہیں مِلتی۔

28۔ سُلطان کا داڑھی ہِلانا

گُورو پرمیسر ایکو جان۔[33]
گُورو ارجن دیو

سُلطان محمُود رعیّت کی حفاظت کے واسطے رات کو بھیس بدل کر پھِرا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اُس کو پانچ چور ملِے۔ اُس نے پُوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا، ''ہم چور ہیں۔'' پھر اُنہوں نے پُوچھا کہ آپ کون ہیں؟ محمُود نے جواب دیا، ''میں بھی چور ہوں۔'' اِس پر چوروں نے اُس کو اپنے گروہ میں شامل کر لیا۔ اب چوری کی تجویز ہوئی، لیکن چوری کرنے سے پہلے یہ طے ہوا کہ ہمیں اپنے میں سے کسی ایک کو سردار بنانا چاہیئے۔ سب نے اس بات پر اتفاق کیا۔ سردار چُننے کے لیے یہ ضرُوری تھا کہ ہر ایک اپنا اپنا گُن بیان کرے اور جس کا گُن سب سے اعلیٰ ہو، وہی سردار چُنا جائے۔

پہلے چور نے کہا کہ میں ایسی کمند لگاتا ہوں کہ ایک ہی بار میں رسّی پھنس جاتی ہے۔ پھر چاہے سینکڑوں آدمی اُس کے سہارے چڑھ جائیں۔ دُوسرے نے کہا کہ نقب زنی میں ماہر ہوں۔ اتنی جلدی اور آسانی سے نقب لگاتا ہوں کہ کسی کو آواز تک سُنائی نہیں دیتی۔ تیسرے چور نے کہا کہ میں سُونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ کون سے کمرے میں کس جگہ مال مدفُون ہے۔ چوتھے نے کہا کہ میں جانوروں کی بولی سمجھ سکتا ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ پانچویں نے کہا کہ جس کو میں رات کے وقت ایک بار دیکھ لوں، اُسے دِن کے وقت پہچان سکتا ہوں۔ بادشاہ سوچ رہا تھا کہ میں کیا گُن بتاؤں؟ جب سارے چور اپنا اپنا وصف بیان کر چُکے تو بادشاہ نے کہا کہ میری داڑھی میں یہ

صِفت ہے کہ چاہے اپنے سنگین گُناہوں کی وجہ سے چور ڈاکوؤں کو پھانسی پر کیوں نہ چڑھایا جا رہا ہو، میں ذرا سی داڑھی ہِلا دُوں تو سب آزاد ہو جاتے ہیں۔

چوروں نے جب بادشاہ کا یہ گُن سُنا تو اُسے سب سے اچھا سمجھ کر یک رائے سے اپنا سردار بنا لیا۔ نزدیک ہی محمُود کا محل تھا۔ یہ صلاح ہوئی کہ آج اپنے بادشاہ کے محل میں نقب لگائی جائے۔ مجبوراً بادشاہ نے بھی اِتفاق کیا۔ جب محل کی جانب روانہ ہوئے تو راستے میں ایک کُتا بھونکا۔ چوروں نے چوتھے چور کو پُوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے؟ اُس نے کہا کہ کُتا کہتا ہے کہ ہم میں سے ایک بادشاہ ہے۔ سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے، بادشاہ بھی ہنس پڑا۔ محل کے قریب پہنچ کر پہلے چور نے کمند لگائی جو فوراً لگ گئی۔ سارے چور اور بادشاہ اُوپر چڑھ گئے۔ دُوسرے چور نے نقب لگائی، تیسرے نے سُونگھ کر خزانے کا پتہ لگا لیا۔ مال کی گٹھڑیاں باندھ کر نیچے آ گئے اور اپنی مُقررہ جگہ پر پہنچ کر چوری کا مال آپس میں تقسیم کیا، اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

اگلے دِن بادشاہ نے اپنے آدمی بھیج کر چوروں کو پکڑوا لیا اور پھانسی کا حُکم دے دیا۔ جب پھانسی چڑھنے لگے تو پانچویں چور نے سامنے آ کر عرض کی کہ بادشاہ سلامت! میں نے آپ کو پہچان لیا ہے کیونکہ رات آپ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ہم پر رحم کرو۔ اب اپنی داڑھی ہِلا دو اور ہمیں پھانسی سے بچا لو۔ ہم سچے دِل سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے آج سے چوری کا پیشہ چھوڑا اور اپنے آپ کو حضُور کی خِدمت میں عُمر بھر کے لیے پیش کرتے ہیں۔ بادشاہ کو رحم آ گیا، اُس نے داڑھی ہِلا دی۔ داڑھی کا ہِلانا تھا کہ پانچوں چور پھانسی کے تختے سے نیچے اُتار لیے گئے۔ اُن کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں وغیرہ کاٹ دی گئیں اور وہ سب ہمیشہ کے لیے آزاد ہو کر بادشاہ کی خِدمت میں رہنے لگے۔

اِسی طرح مالک بھیس بدل کر اور ہم جیسا بن کر ہمارے جیسے چوروں، ٹھگوں، اُچکّوں کو سیدھے راستے پر لے آتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اِس راستے پر چلو۔ غرضیکہ جیووں کی بھلائی کے لیے سنتوں کو سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

29۔ چوریوں کی فہرست

مجھ پر رحم کر اے خُدا! مجھ پر رحم کر، کیونکہ میری جان تیری پناہ لیتی ہے میں تیرے پروں کے سایہ میں پناہ لوُں گا جب تک یہ آفتیں گذر نہ جائیں۔ [34]

زبُور

ایک دفعہ گوُرو گوبند سِنگھ جی چوروں کے ایک گاؤں میں گئے اور وہاں کے لوگوں کو کہا کہ آپ چوری کے دھندے کو چھوڑ دیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ نہیں چُھوٹ سکتا کیونکہ ہم کوئی دُوسرا کام نہیں جانتے اور اِسی سے ہماری روزی چلتی ہے۔ گوُرو صاحب نے اُن کی طرف رحم کی نظر سے دیکھا اور کہا، ''اچھا، چوری کرو لیکن فہرست بناتے جاؤ کہ اِتنی بار چوری کی ہے۔ ایک سال کے بعد مجھے ساری فہرست دِکھادیا کرنا۔'' اُنہوں نے منظور کرلیا۔ اب جب فہرست بنتی گئی تو شرم آنے لگی۔ سوچنے لگے کہ اگر چوری نہ کرتے تو فہرست بھی نہ بنتی۔ لہٰذا اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ اب کبھی بھی چوری نہیں کریں گے تاکہ فہرست بنانے کی نوبت ہی نہ آئے۔ آہستہ آہستہ سب نے چوری کرنا چھوڑ دیا اور حق حلال کی کمائی کرنے لگے۔

سنت ڈھنگ سے جیوؤں کو صحیح راستے پر لے آتے ہیں۔

30۔ مہاتما بُدھ اور چرواہا

جب دِل میں مالِک کا پریم بیدار ہوتا ہے تو اُس کے پیدا کیے
گئے سارے جیوجنتوؤں کے لیے دِلی پریم جاگ اُٹھتا ہے اور
مالِک کے پِتا ہونے کا بھاؤ اور ہر اِنسان کے بھائی ہونے کا
بھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔[35]

مہاراج ساوَن سِنگھ

مہاتما بُدھ کے وقت کا ذِکر ہے کہ ایک چرواہا بھیڑ بکریوں کا ریوڑ لیے چلا جا تا تھا۔ ایک بکرا لنگڑا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا تھا۔ چرواہا اُس کو ریوڑ کے ساتھ ملانے کے لیے ڈنڈے مارتا تھا۔ مہاتما بُدھ نے دیکھا اور بڑے دُکھی ہُوئے۔ اُس پر رحم کھاتے ہوئے چرواہے کو پُوچھا، ''تجھے کہاں جانا ہے؟'' اُس نے کہا کہ وہ جو سامنے پہاڑی دِکھائی دیتی ہے، میں وہاں ہر روز بکریاں چراتا ہُوں، بس وہیں جانا ہے۔ مہاتما بُدھ نے کہا کہ اگر میں اِس لنگڑے بکرے کو اُٹھا کر وہاں چھوڑ آؤں تو تجھے کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟ اُس نے کہا کہ کوئی اعتراض نہیں۔ مہاتما بُدھ نے بکرے کو اُٹھا کر اُس سامنے والی پہاڑی پر باقی بھیڑوں کے ساتھ چھوڑ دیا۔

سنتوں مہاتماؤں کا سب سے پیار ہوتا ہے، پشوؤں کے ساتھ، پرندوں اور دیگر جانداروں کے ساتھ بھی۔

31۔ بھائی بیلاؔ کا پاٹھ

یسوُع نے جواب میں اُس سے کہا کہ اگر کوئی مجھ سے محبّت رکھے
تو وہ میرے کلام پر عمل کرے گا اور میرا باپ اُس سے محبّت رکھے
گا اور ہم اُس کے پاس آئیں گے اور اُس کے ساتھ سکونت کریں
گے۔ جو مجھ سے محبّت نہیں رکھتا وہ میرے کلام پر عمل نہیں کرتا اور جو
کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا۔[36]

یوُحنّا

گوُروگوبند سِنگھ جی کے ست سنگ میں ایک سیدھا سادہ کِسان چلا گیا اور گوُروصاحب سے کہنے لگا کہ مجھے کوئی سیوا بخشو۔ اُس زمانہ میں مُغلوں سے لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ گوُروصاحب نے پُوچھا، ''تجھے بندوق چلانی آتی ہے؟'' ''نہیں۔'' پھر کہنے لگے، ''کیا تجھے گھوڑسواری کرنی آتی ہے؟'' ''نہیں۔'' گوُروصاحب نے کہا، ''پھر تُو کیا کرے گا؟'' کہنے لگا، ''میں گھوڑوں کی سیوا کروں گا۔'' اُنہوں نے اُسے گھوڑوں کی سیوا پر لگا دیا۔ وہ بڑے پریم سے گھوڑوں کی سیوا کرتا رہا۔ لید وغیرہ باہر پھینک آتا، اچھی گھاس ڈالتا، ہر قسم کی صفائی رکھتا۔ دو تین مہینے میں گھوڑے خوب موٹے تازے ہو گئے۔

ایک دِن گوُروصاحب نے آ کر دیکھا کہ گھوڑے خوب مظبوط اور تگڑے ہو گئے ہیں۔ اُنہوں نے اصطبل کے مُکھیا سے پُوچھا کہ گھوڑوں کی اتنی اچھی دیکھ بھال کس نے کی ہے؟ اُس نے گوُروصاحب کو بتایا کہ بھائی بیلاؔ نے۔ گوُرو جی نے بھائی بیلاؔ سے پُوچھا، ''تیرا نام کیا ہے۔'' وہ بولا،

''بیلآ۔'' گُوراجی کہنے لگے،''بیلآ! کچھ پڑھالکھا بھی ہے؟'' اُس نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ تب گُوروصاحب نے کہا،''اچھا، تجھے ہم پڑھادیں گے۔ پڑھائی بھی کرنااور ساتھ ساتھ سیوا بھی کرنا۔'' گُوروصاحب اُسے روز ایک ٹُک (بطورسبق) بتادیتے، وہ یاد کرتا رہتا۔ ایک دِن گُورو صاحب مُغلوں کے خلاف لڑائی پر جارہے تھے۔ بیلآ دوڑ کر آیا اور بولا کہ مجھے آج کے لیے ایک ٹُک دے جاؤ۔ اُنہوں نے کہا کہ بھی وقت نہیں دیکھتا کہ ہم کہیں جارہے ہیں اور فرمایا:

''واہ بھائی بیلآ، نہ پچھانیں وقت نہ پچھانیں ویلا!!''

بیلآ نے سمجھا کہ شاید مجھے نئی ٹُک بتا گئے ہیں۔ سارادِن پریم سے اُس کو رٹتا رہا''واہ بھائی بیلآ! نہ پچھانیں وقت نہ پچھانیں ویلا۔''

اب وہاں حاضر سب سیوادار یہ دیکھ کر ہنس دیئے کہ یہ بے وقوف کیا بولے جارہا ہے۔ جب شام کو گُوروصاحب واپس لوٹے تو سیواداروں نے مذاق کے طور پر گُوروصاحب سے پُوچھا کہ آج کوئی ٹُک آپ بھائی بیلآ کو بتا گئے تھے؟ گُوروصاحب بولے،''نہیں تو۔'' وہ کہنے لگے، لیکن وہ تو سارادِن یہ ٹُک رٹتا رہا،''واہ بھائی بیلآ، نہ پچھانیں وقت نہ پچھانیں ویلا۔'' گُوروصاحب نے ہنس کر کہا،''جس نے ویلا وقت نہیں پہچانا وہ سمجھ گیا، وہ پار ہو گیا۔''

جیسے ہی گُوروصاحب نے یہ بچن فرمائے بیلآ کی سُرت اُوپری منڈلوں میں چڑھ گئی۔ اب سارا دِن پریم سے وہ اُس ٹُک کو رٹتا رہتا تھا۔ جب سُرت اندر جاتی تو نام کے رنگ میں رنگا رہتا، جب باہر آتی تو گُورو کے دھیان میں ڈُوبا رہتا۔ یہ دیکھ کر کچھ سیواداروں نے حسد کے لہجے میں کہا کہ اِس دربار میں کوئی اِنصاف نہیں ہے۔ ہم کب سے سیوا کرتے آرہے ہیں اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ یہ کل آیا اور نام کے رنگ میں رنگا گیا۔ اُس زمانہ میں کچھ سیوادار (گرنتھی) پُورانوں کا ترجمہ کررہے تھے۔ وہ کہنے لگے،''پُورانوں کا ترجمہ کرنے کی سیوا کی، لیکن سب رائیگاں۔ اب یہاں رہنا ہی نہیں چاہیئے۔''

گُوروصاحب نے دیکھا کہ وہ غُصہ میں آگئے ہیں۔ سمجھانے بجھانے کے لیے کچھ بھانگ دے دی کہ اِس کو پریم کے ساتھ خوب پیسو۔ قاعدہ ہے کہ بھانگ کو جتنا زیادہ رگڑا جائے اُتنا زیادہ نشہ دیتی ہے۔ بھانگ کو خوب رگڑا۔ جب بھانگ کا گھڑا تیار ہو گیا تو گُوروصاحب نے حُکم

دیا کہ بھانگ کی کُلیاں کر کے باہر پھینکتے جاؤ۔ جب سارا گھڑا ختم ہو گیا تو پُوچھا کہ کچھ نشہ آیا؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں آیا؛ اگر پیتے، اندر جاتی، تب تو نشہ آتا۔ گُورو صاحب نے کہا، ''بیلا آوالے سوال کا جواب یہی ہے۔ اُس کے اندر نام کا رنگ چڑھ گیا ہے۔''

مطلب تو یہ ہے کہ جب تک اندر پیار نہ ہو، مُکتی نہیں ملتی، نہ پردہ کُھلتا ہے، اور نہ ہی شانتی آتی ہے۔

32۔ اصلی عالِم کون؟

میں اپنی اِس خطا وار دُنیاوی زبان سے وہ بات کہنے کی ہمت نہیں
کرسکتا، جو بات کہ صِرف خُدا سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر میں ہمت
کروں تو بھی میں بیان نہیں کر پاؤں گا۔[37]

کلاؤڈ آف اَننوینگ

ایک دفعہ ایک طالبِ علم اپنی بی۔اے کی پڑھائی ختم کر کے اپنے گھر جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک جاٹ نے پُوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ اُس نے کہا کہ میں عِلم حاصل کر کے آ رہا ہوں۔ جاٹ نے پُوچھا، ''تجھے سوہنی مہیوال کا قِصّہ آتا ہے؟'' بولا کہ نہیں۔ پھر پُوچھا، ''ہیر رانجھا آتا ہے؟'' کہتا ہے کہ نہیں۔ جاٹ نے کہا، ''سسی پنّوں کا قِصّہ آتا ہے؟'' کہتا ہے کہ کوئی نہیں۔ جاٹ نے کہا، ''پھر تُم کیا پڑھے لِکھے ہو؟'' اب سوچنے کی بات ہے کہ جِس نے خود تعلیم حاصل نہیں کی اُسے تعلیم کے بارے میں کیسے سمجھایا جائے۔ طالبِ علم بچارا کیا کہتا، چُپ ہو گیا۔

اِسی طرح اب آپ بتاؤ، جو اندر نہیں گئے سنت اُن کو کیا بتائیں، کیونکہ جو نظارے سنت اپنے اندر دھیان لگا کر دیکھتے ہیں اُن کی مثال کہیں باہر ہے ہی نہیں۔

33۔ کبیر صاحب کے ذریعہ راجہ کی پریکشا لینا

جب تُم نو دروازوں کو چھوڑ کر برہم، پار برہم میں جاؤ گے تو تمہیں پتہ
لگ جائے گا کہ گُورو کیا ہے اور کیا دیتا ہے۔۔۔اگر اندر جا کر دیکھ لو
تو یقین پختہ ہو جائے گا۔[38]

مہاراج ساون سنگھ

کبیر صاحب جولاہے تھے۔ راجہ بیر سنگھ راجپوت اُن کا مُرید تھا۔ اُس کا اُن کے ساتھ بہت پیار تھا۔ جب کبیر صاحب اُس کے پاس آتے تھے تو وہ تخت چھوڑ دیتا، کبیر صاحب کو اُوپر بیٹھاتا اور خود نیچے بیٹھتا۔ ایک دفعہ کبیر صاحب نے راجہ کو آزمانا چاہا۔ ایک بیسوا جس نے اپنا پیشہ چھوڑ کر کبیر صاحب کی شرن لی ہُوئی تھی، ایک طرف اُس کو لیا اور دُوسری طرف سنت رویداس جی کو لیا، دونوں ہاتھوں میں رنگدار پانی کی دو بوتلیں پکڑ لیں اور کاشی کے بازاروں میں جھومتے ہُوئے شبد گاتے نکل پڑے۔ چونکہ ہندو مُسلمان دونوں فِرقے اِن کے خلاف تھے، اس لیے شور مچ گیا۔ لوگ کہنے لگے کہ ایک طرف بیسوا اور دُوسری طرف جوتیاں گانٹھنے والا رویداس ہے، ہاتھوں میں شراب کی بوتلیں ہیں۔ کبیر صاحب اسی طرح دربار میں چلے گئے۔ جب راجہ نے کبیر صاحب کو اِس حالت میں دیکھا تو بے اعتمادی آ گئی۔ تخت سے نہ اُٹھا۔ کبیر صاحب بھانپ گئے کہ اِس کا بھروسا جا رہا ہے، اور اِسے جلد سنبھالا نہ گیا تو مشکل ہو جائے گی۔ اُنہوں نے دونوں بوتلیں اپنے پاؤں پر انڈیل دیں۔
جب راجہ نے یہ دیکھا تو سوچنے لگا کہ شرابی کبھی اپنی شراب اس طرح نہیں گراتا، یہ شراب

نہیں، کوئی اور چیز ہے۔ تخت سے اُترا اور سنت رویداس سے پُوچھا، ''مہاراج! یہ کیا کوتک ہے؟'' اُنہوں نے کہا کہ تُو اندھا ہے، تجھے پتہ ہی نہیں۔ جگن ناتھ کے مندر میں آگ لگ گئی ہے، کبیر صاحب اُسے بجُھا رہے ہیں۔ راجہ نے تاریخ اور وقت نوٹ کر لیا، اور تحقیقات کے لیے دو سانڈنی سوار بھیجے جب وہ وہاں پہنچے اور معلوم کیا، تو لوگوں نے کہا، ''ٹھیک ہے، آگ لگی تھی اور کبیر صاحب بجُھا رہے تھے۔'' راجہ کا یقین پختہ ہو گیا۔

ایسے موقع پر بڑے بڑے ابھیاسی لوک لاج میں آ کر بہہ جاتے ہیں۔ گُورو کے رحم و کرم سے کوئی کوئی پریمی اِمتحان میں کھرا اُترتا ہے۔ یہ آسان بات نہیں ہے۔

34۔ مُردہ کھانے کا حُکم

سارے دِل سے خُداوند پر توکّل کر اور اپنے فہم پر تکیہ نہ کر۔
اپنی راہوں میں اُس کو پہچان اور وہ تیری راہنمائی کرے گا۔ [39]
اِمثال

ایک دفعہ گُورونانک صاحب نے اپنے مُریدوں کو مُردہ کھانے کے لیے کہا۔اب ظاہرہ طور پر یہ مُناسب حُکم نہیں تھا۔ہم مُردہ چُھو جانے پر نہاتے ہیں۔پھر مُردہ کھائے کون؟ایک بھائی لہنؔا کھڑے رہے باقی سب مُرید کِھسک گئے۔سب کو یہ حُکم نامُناسب لگا تھا لیکن بھائی لہنؔا کو نہیں۔ جب وہ مُردے کے ارد۔گرد گھومنے لگا تو گُوروصاحب نے اُس سے پُوچھا،''کیا کر رہے ہو؟'' بھائی لہنؔے نے جواب دیا،''حضور! سوچ رہا ہوں کہ مُردے کو کِس طرف سے کھانا شروع کروں۔'' جب وہ کھانے کے لیے آگے بڑھا تو دیکھتا ہے کہ وہاں کوئی مُردہ نہیں تھا، بلکہ اُس جگہ گُوروکا پرشاد یعنی مِیٹھا حلوا پڑا تھا۔گُورونانک صاحب نے اُن کو گُوروگدّی کا حقدار بنادیا اور وہ بھائی لہنؔا سے گُوروانگد صاحب بن گئے۔انگد کا مطلب ہے،''گُوروکا اپنا انگ یا حِصہ''۔اِسی طرح جب گُوروگوبند سِنگھ نے اپنے مُریدوں کی پرکھ کی تب پانچ ہزار میں سے صِرف پانچ پیارے نکلے۔

جب گُورو پرکھتا ہے تو بڑے بڑے فیل ہوجاتے ہیں۔جیو کا امتحان میں پاس ہونا بڑی مشکل بات ہے۔خُدا کرے گُورو کسی کا امتحان نہ لے۔

35۔ بُلّھا نہیں بھُولا

ایک نُور تے سبھ جگ اُپجیا کون بھلے کو مندے۔[40]

کبیر صاحب

بُلّھے شاہ سیّد تھے۔ اُن کی برادری میں کسی کی شادی تھی۔ بُلّھے شاہ نے اپنے پیر عنایت شاہ کے حضور میں عرض کی، ''حضرت! ہمارے گھر شادی ہے، تشریف آوری کا شرف بخشیں۔'' عنایت شاہ کی خدمت میں ایک ارائیں لڑکا رہتا تھا، اُنہوں نے اُس کو بھیج دیا۔

برادری والوں نے ارائیں سمجھ کر اُس کی آؤ بھگت نہ کی۔ اگر وہ اُس کو شاہ عنایت کا رُوپ سمجھتے تو سب خدمات بجالاتے۔ اُنہوں نے سوچا کہ ہم ہیں سیّد اور یہ ارائیوں کا لڑکا، ہم اِس کو کیا سمجھتے ہیں۔ شادی سے لوٹ کر اُس لڑکے نے اپنے پیر عنایت شاہ کو ساری حقیقت جا سُنائی۔ اُنہوں نے ناراض ہو کر کہا کہ اب اِس بُلّھے شاہ نِکّے کا پانی بھی نہیں پینا ہے۔ اِتنا کہنا تھا کہ بُلّھے شاہ کا سارا نام کا رنگ اُتر گیا، خالی کا خالی رہ گیا۔ روتا روتا شاہ عنایت کے پاس آیا۔ عرض کی کہ مجھے بخشو۔ مجھ پر رحم کرو! عنایت شاہ نے پُوچھا، ''کیا تو وہی بُلّھا ہے؟'' بولا، ''نہیں حضور، میں تو بھُولا ہوں۔'' اُس کے پچھتاوے کو دیکھ کر اُنہوں نے پھر اُس کو پہلے جیسی حالت بخش دی۔

فقیروں کی ہر بات میں رمز ہوتی ہے۔

36۔ حق حلال کی کمائی

زر کی دوستی سے خالی رہو اور جو تمہارے پاس ہے اُسی پر قناعت کرو کیونکہ اُس نے خود فرمایا ہے کہ میں تجھ سے ہرگز دست بردار نہ ہوں گا اور کبھی تجھے نہ چھوڑونگا۔ خُداوند میرا مددگار ہے۔ میں خوف نہ کرونگا۔ اِنسان میرا کیا کریگا؟[41]

عِبرانی

دِلی میں ناصر اُلدّین محمُود ایک مُسلمان بادشاہ ہوا ہے۔ اُس کا اصول تھا کہ خزانہ میں سے اپنے واسطے کچھ خرچ نہیں کرتا، بلکہ حق حلال کی کمائی سے اپنی بسر اوقات کرتا۔ اُس کا کام تھا دربار کے کام سے فارغ ہو کر دستی قُرآن شریف لکھتا اور اس خیال سے کہ لوگ اصل سے زیادہ قیمت نہ دیں، نوکر کو دیتا کہ اِس کو بازار میں بیچ آوَ۔ نوکر بیچ کر جو قیمت لاتا اُس کے ساتھ اپنا اور بیوی بچوں کا گُزارہ کرتا۔

جو اُس کا نوکر تھا اُس کی کئی مہینے کی تنخواہ بادشاہ کی طرف باقی تھی۔ ایک دفعہ نوکر کو گھر سے چِٹھی آئی کہ فوراً گھر آوَ۔ اُس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے تنخواہ دے دیں، میں نے گھر جانا ہے۔ بادشاہ کے پاس اُس وقت روپے نہیں تھے، اُس نے ٹال دیا۔ اِسی طرح کئی مہینے گُزر گئے۔ اِس دوران کئی چِٹھیاں گھر سے آئیں کہ جلدی گھر آوَ۔ آخر اُس نے بادشاہ سے اِجازت حاصل کر لی۔ بادشاہ نے اُس کو دو روپے دیئے۔ وہ حیران ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا، ''میری حق حلال کی کمائی

ہے۔حق حلال کی کمائی میں برکت ہوتی ہے، جا، مالک برکت ڈالے گا۔‘‘

نوکر دو روپے لیکر چلا گیا، مگر سوچتا ہے کہ میں گھر جاؤں گا، رِشتہ دار کہیں گے کہ تُو بادشاہ کا نوکر تھا، لایا کیا ہے؟ اُس علاقہ میں اُس سال اناروں کی فصل بہت ہُوئی تھی۔ راستہ میں ایک جگہ بڑے سستے اور عمدہ انار دیکھے۔سوچتا ہے، دو روپے کے یہی خرید لوُں۔دو دو چار چار سب رِشتہ داروں کے حصے آجائیں گے۔ یہ سوچ کر دو روپے کے انار خرید لیے۔اچھا خاصہ گٹھڑ بن گیا۔

گٹھڑ اُٹھا کر گھر کو جا رہا تھا۔اُس کا گھر باگڑ کے دیش میں تھا۔اِتفاق سے وہاں کی رانی بیمار ہوگئی۔ بڑے بڑے حکیم ڈاکٹر بُلائے گئے۔اُنہوں نے کہا کہ اس کی جان تب بچ سکتی ہے جب اس کو انار کا رس دیا جائے۔اس علاقہ میں انار نہیں ہوتے تھے۔بادشاہ نے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو ایک انار لائے گا اُس کو ایک ہزار روپیہ انعام ملے گا۔اِتنے میں وہ نوکر بھی وہاں پہنچ گیا۔ ڈھنڈورا سُنا۔ پتہ لگایا تو بات ٹھیک معلوم ہوئی۔دربار میں گیا۔بادشاہ نے انار دیکھے، خوش ہو گیا۔نوکر نے کہا جتنے چاہو لے لو۔ بادشاہ نے حسب ضرورت لے لیے اور ایک ہزار روپیہ فی انار کے حساب سے قیمت چُکا دی۔ پھر دو سپاہی ساتھ دیئے کہ جاؤ اِس کو آرام سے اس کے گھر پہنچا آؤ۔اب وہ ہزاروں کا مالک بن گیا تھا۔جب وہ اپنے گھر پہنچا تو اُس کے گھر والے اُس کے پاس اِتنی دولت اور اُس کی خوش مزاجی کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔

سو حق حلال کی کمائی میں برکت ہوتی ہے۔

37۔ کبوتروں کے ذریعہ پڑھائی

جس طرح کوئی دھات جب تک پگھل کر پانی پانی نہ ہو جائے، تب تک
اُسے کوئی سانچہ قبول نہیں کرتا۔۔۔ اِسی طرح جب تک مُرید کے اندر
وہ سچی تڑپ اور سچا پیار نہ ہو، وہ مالک پردہ نہیں کھولتا۔[42]

مہاراج ساون سِنگھ

مہاتماؤں کے پاس جیووں کو سمجھانے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ ذِکر ہے ایک بادشاہ کا لڑکا تھا جو پڑھائی سے جی چُراتا تھا۔ اُس کو کبوتر رکھنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دِن وہاں ایک مہاتما آ گئے۔ بادشاہ نے کہا، ''مہاتما جی! میرا لڑکا پڑھائی سے جی چُراتا ہے اور کبوتروں کا شوق رکھتا ہے۔ اِس کو ہدایت کریں کہ یہ کچھ پڑھ لِکھ جائے۔'' مہاتما نے لڑکے کو بُلا کر پُوچھا، ''تیرے پاس کتنے کبوتر ہیں؟'' لڑکے نے کہا، ''جی، بیس۔'' مہاتما نے کہا، ''نہیں، سو دو سو رکھ لو۔ دونوں اُن کی اُڑان دیکھیں گے۔'' لڑکے نے کہا کہ جی، بہت اچھا۔ جب کبوتر آ گئے تو مہاتما نے کہا، ''یہ بہت سارے ہو گئے ہیں، اِن کے نام رکھنے چاہئیں۔'' پھر اُن کے پَروں پر لِکھا، ا۔ ب۔ پ۔ ت وغیرہ۔ اِسی طرح اُس کو پڑھنا لکھنا سِکھا دیا۔

بچوں کو زبردستی کسی کام یا پڑھائی میں لگانے کی بجائے اُن کے طبعی رُجحان کو اچھی طرح سمجھ کر اُس کے مُطابق ہی اُن کا دِل اُس طرف موڑنا چاہیئے۔

38۔ گھوڑے کی ضِد

گُورسِکھ پریت گُورو مِلے گلا ٹے۔ [43]

گُورو رام داس

ذِکر ہے ایک فقیر گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا۔ اُس کا ایک مُرید کہو یا طالب، جنگل میں اُس کی یاد میں بیٹھا اُس کے دیدار کے لیے تڑپ رہا تھا۔ فقیر جِدھر گھوڑا چلانا چاہے، گھوڑا اُدھر نہیں جاتا تھا۔ وہ اُس کو اِدھر چلائے تو وہ اُدھر چلا جائے، اُدھر چلائے تو اِدھر چلا جائے۔ جب گھوڑا اپنی ضِد پر اَڑا رہا تو مہاتما بولے، ''اچھا جِدھر تیری مرضی ہے لے چل۔'' تو وہ گھوڑا سِیدھا جنگل کی طرف لیکر چل پڑا اور تین چار میل دُور جا کر رُک گیا۔ آگے وہ طالب بیٹھا ہُوا تھا۔ مُرشد کو دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ فقیر نے کہا، ''یہ سب کیا ہے؟'' مُرید نے کہا کہ آج میرا دِل آپ کے دیدار کے لیے تڑپ رہا تھا۔

سو مُرید کے پیار میں اِتنی کشش ہونی چاہیئے۔

39۔ خُدا کا محل

ہر مندر ا یہہ سریر ہے گیان رتن پرگٹ ہوئی۔[44]

گوُروامرداس

گوُرو نانک صاحب جب کعبہ میں، جو مکّہ شریف میں ہے، قاضی رُکن اُلدّین کو مِلے تو اُس نے پُوچھا کہ خُدا کا محل کیسا ہے؟ اُس کی کتنی کھڑکیاں ہیں؟ کتنے بُرج ہیں؟ کتنے کِنگرے ہیں؟ اب یہ کوئی درگُزر کرنے والا سوال نہیں، قابلِ غور بات تھی۔

گوُرو صاحب نے جواب دیا کہ اِس شریرُ روپی محل کے بارہ بُرج ہیں (تین دائیں بازُو کے جوڑ، تین بائیں بازُو کے جوڑ، اور دونوں ٹانگوں کے تین تین جوڑ، کُل مِلا کر بارہ ہوئے)، نو دروازے ہیں (دو کان، دو آنکھیں، دو نتھنے، ایک مُنہ اور دو سوراخ نیچے کے)، باون کِنگرے، (ہاتھوں اور پاؤں کے بیس ناخُن اور بتیس دانت)۔ دونوں آنکھیں دو کھڑکیاں ہیں۔ محل بہت عجیب اور بے نظیر ہے۔ گوُرو صاحب کہتے ہیں:

اُچّے خاصے محل تے دیوے بانگ خُدائے

مطلب آپ کے شریر کے اندر خُدا بانگ دے رہا ہے۔ یہ شریر ہی خُدا کی مسجد ہے۔ یہی ٹھاکردوارا ہے۔ ہم باہر ماتھے رگڑتے ہیں۔ کیا کبھی کِسی کو وہ باہر مِلا ہے؟ کِسی کو نہیں۔ بانگ (شبد دُھن) تو ہر ایک کے اندر ہو رہی ہے، لیکن لوگ سوئے ہوئے ہیں:

سُتے بانگ نہ سُن سکن رہیا خُدائے جگائے

یعنی وہ مالک تو جگانا چاہتا ہے لیکن کوئی جاگتا ہی نہیں۔ پھر کہتے ہیں:

سُتی پئی نِبھاگ سبھ، سُنے نہ بانگاں کوئے

یعنی وہ لوگ بدِقسمت ہیں جو رات کو جاگ کر بانگ (بانگِ آسمانی) کونہیں سُنتے۔ آگے فرماتے ہیں:

جو جاگے سوئی سُنے سائیں سندی سوئے۔[45]

جوخوش قسمت جاگتا ہے،اُس کی سُرت شبد میں لگتی ہے،وہی مالک کی آواز یعنی بانگِ آسمانی کو سُنتا ہے۔

40۔ مکھیوں سے چھٹکارا

اے محبُوب! تیرے سِوا میں کسی دُوسرے کے بارے میں سوچ بھی
نہیں سکتا۔ تیرے عشق میں مجھے کِسی دُوسرے کی پروا نہیں ہے۔
میرے دِل میں تُو ہی تُو بسا ہوا ہے۔ اِس میں کِسی دُوسرے کے
لیے جگہ نہیں ہے۔[46]

پیر ہرات

جب راجہ گوپی چند اور بھرتری جوگی ہو گئے تو لوگ بھیڑوں کی طرح اُن کے پیچھے لگ گئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ جو راج پاٹ چھوڑ کر جوگی ہُوئے ہیں وہ ضرور کچھ کرنی والے ہوں گے اور ہماری مُرادیں پُوری کر دیں گے۔ جہاں جاتے، کوئی بیٹا مانگتا، کوئی بیٹی، کوئی کچھ، کوئی کچھ۔ گوپی چند نے من میں سوچا کہ اِس مان بڑائی کو تو پہلے چھوڑ کر آئے ہیں، یہ اب پھر پیچھے لگ گئی۔ یہ سوچ کر وہ شہر کے باہر ایک کُمہار کے گھر میں ٹھہر گئے اور بھجن سمرن کرنے لگے۔ اب جہاں عِطر ہوتا ہے وہاں خوشبُو بھی آ جاتی ہے پہلے پڑوسیوں کو خبر ہُوئی کہ یہاں دو مہاتما ٹھہرے ہوئے ہیں، پھر دُوسروں کو پتہ لگا۔ اِس کے بعد پُورے شہر میں بات پھیل گئی اور آہستہ آہستہ وہاں کے راجہ کے کانوں تک جا پہنچی۔ راجہ نے سوچا، چلو درشن کریں۔ جب راجہ چلا تو امیر، وزیر، اہلکار اور بہت سی رعیّت بھی ساتھ ہو لی۔ درشنوں کے لیے آتے لوگوں کا شور سُن کر بھرتری نے کُمہار سے پُوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؟ اُس نے کہا کہ راجہ آپ کے درشنوں کو آ رہا ہے اور ساتھ میں رعیّت ہے۔ بھرتری اور گوپی چند نے سوچا کہ یہ تو بہت بُرا ہُوا۔ ترکیب سوچنے لگے کہ اب کیا

کریں؟ یہ مکھیاں کِس طرح ہٹائی جائیں؟ آخر ایک تجویز من میں آ گئی۔ آپس میں صلاح کر کے چُپ ہو گئے۔

اِتنے میں راجہ اور رعیت، سب آ گئے۔ جب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو انتظار ہونے لگا کہ اب مہاتما آئیں گے اور گیان گوشٹ کریں گے۔ اُدھر اُن میں سے ایک مہاتما اُٹھا اور کہنے لگا کہ آج گداگری کو میں جاؤں گا۔ دُوسرے نے کہا کہ کل تُو گیا تھا اور سارا حلوہ جو لایا تھا خود کھا گیا۔ پہلے نے کہا پرسوں تُو نے مال پُوئے نہیں کھائے تھے؟ دُوسرے نے کہا کہ چار دِن پہلے تُو نے کھِیر نہیں کھائی تھی؟ ایک نے ڈنڈا پکڑ لیا دُوسرے نے پھاوڑی اُٹھالی اور آپس میں لڑنے جھگڑنے لگ گئے۔ راجہ نے کہا کہ اچھے مہاتما ہیں جو کھانے پر ہی لڑ رہے ہیں! چلو چلیں۔ لوگوں نے ہنس کر تالیاں بجائیں اور سب اپنے اپنے گھر آ گئے۔

مہاتماؤں نے کہا کہ اچھا ہوا، اب چین مِل گیا، مکھیاں اُڑ گئیں۔

41۔ حضرت! میں کہاں جاتا؟

تُجھ بِن اوَرنہ جانا میرے صاحبہ گُن گاوا نِت تیرے۔[47]
گُورونانک

کہا جاتا ہے کہ حضرت نظامُ الدّین اولیا کے بائیس مُرید تھے۔ ہرایک چاہتا تھا کہ گدّی اُسے مِلے۔آپ نے پرکھنا چاہا کہ کون اِس لائق ہے۔ کہنے لگے، آؤ آج شہر کی سیر کو چلیں اور وہاں کی چہل پہل دیکھیں۔ وہ بازاروں میں گھُومنے لگے۔ جوبھی دیکھتا دلیلیں کرتا کہ آج پیر بھی بازاروں میں پھرتا ہے اور مُرید بھی۔ دوایک بازار سے ہوتے ہوئے بیسواؤں کے بازار میں آ گئے۔ لوگوں نے کہا کہ آج پیراپنے مُریدوں سمیت کِس بازار میں گھُوم رہے ہیں۔ آپ ایک بیسوا کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اپنے مُریدوں سے کہا کہ تُم ڈرو مت، یہاں کھڑے رہو، کوئی جائے نہیں۔ مجھے اُوپر کچھ کام ہے۔ میں کام کر کے واپس آ جاؤں گا۔ یہ کہہ کر کوٹھے پر چڑھ گئے۔ کوٹھے والی ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ کہنے لگی، ''میری خوش نصیبی! میرے گھر حضرت تشریف لائے۔ اِس گُنہگار کے لیے کیا حُکم ہے، حضرت؟'' آپ نے کہا کہ ہمیں رات یہاں ٹھہرنا ہے، ہمیں کوئی الگ سا کمرہ دے دو اور تُم کِسی اور کمرے میں آرام کرلو۔ اپنے نوکر سے کہو کہ ایک تھالی میں ایک کٹوری دال، دو چار پھُلکے اور ایک بوتل شربت کی ڈھک کر لے آئے۔ اُس نے کہا، ''بسر وچشم، حضور۔'' نوکر سب چیزیں اُسی طرح ڈھک کر لے گیا۔ مُریدوں نے کہا کہ پیر کی پِیری تو اُڑ گئی، اب شراب کباب اُڑے گا۔ ہاتھ پر ہاتھ مار کر پہلے ایک کھسکا، پھر دُوسرا اور پھر تیسرا۔ اِسی طرح اِکیس کے اِکیس کھسک گئے، صِرف ایک باقی رہا۔

دال روٹی کِسے کھانی تھی اور شربت کِسے پینا تھا، آپ کو تو اپنے مُریدوں کی پرکھ کرنی تھی۔ جب صُبح ہوئی، نیچے اُترے۔ دیکھا کہ صِرف امیر خُسرو کھڑا ہے۔ آپ نے پُوچھا، ''باقی سب کہاں

گئے؟'' اُس نے کہا کہ فلاں پہلے چلا گیا، فلاں بعد میں گیا اور اِسی طرح ایک ایک کر کے سب چلے گئے۔ آپ نے پُوچھا کہ تُو کیوں نہیں گیا؟ کہنے لگا، ''حضرت! چلا تو میں بھی جاتا، لیکن آپ کے سِوائے مجھے کوئی ٹھکانا نظر نہیں آیا۔ میں کہاں جاتا؟'' آپ نے ہنس کر گلے لگا لیا اور اُسے اپنے مُریدوں میں سب سے اعلیٰ رُتبہ بخشا۔ سو فقیر دیکھ لیتے ہیں کہ کون ثابت قدم ہے اور کون ڈانواں ڈول۔

اگر سبھی مُرید ایسے بن جائیں تو یہ جہان بہشت بن جائے۔

42۔ سنت کبیر کا گھر

ستگور رب بھی اور اِنسان بھی۔ وہ پرماتما کے بولنے یا ظاہر ہونے کا ذریعہ ہے۔ اُس کے بچن پرماتما کے بچن ہوتے ہیں، چاہے دیکھنے میں وہ اِنسان کے مُنہ سے نکلتے معلوم ہوتے ہیں۔[48]

مہاراج ساون سِنگھ

ذِکر ہے، ایک پنڈت بَیل گاڑی پر کتابیں لاد کر کبیر صاحب کے ساتھ بحث مباحثہ کرنے کے لیے کاشی میں اُن کے گھر گیا۔ اُس وقت کبیر صاحب کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ گھر میں اُن کی دھرم پُتری کمالی تھی۔ پنڈت نے پُوچھا، کیا کبیر صاحب کا گھر یہی ہے؟ کمالی نے کہا کہ یہ کبیر صاحب کا گھر نہیں، اُن کا گھر تو برہما، وِشنو اور شِو کو بھی نہیں مِلا۔

تُو نے کبیر صاحب کو اگر شریر سمجھا ہے تو اصل میں تُو نے کبیر صاحب کو سمجھا ہی نہیں۔ سنتوں کا اصل وجود اِنسانی جسم نہیں ہوتا۔ وہ شبد رُوپ ہوتے ہیں۔ وہ سنسار میں صِرف نام کا اُپدیش دینے آتے ہیں، اور اپنا کام پُورا کر کے واپس شبد میں ہی جا کر سما جاتے ہیں۔

اپنی بُدھی کے اہنکار اور پرمارتھ سے خالی ہوتے ہوئے بھی وہ کمالی کی رمز یہ بات کا اصل بھاوَ سمجھ گیا اور چُپ چاپ کتابوں سے لدی بَیل گاڑی لے کر واپس چلا گیا۔ کبیر صاحب کہتے ہیں:

کبیر کا گھر سِکھر پر، جہاں سِل ہِلی گَیل
پاؤں نہ ٹِکے پپیل* کا، پنڈت لادے بَیل[49]

---

*پپیل = چیونٹی

43۔ اِندر کا تیر کمان

جیتی لہر سمند کی، تیتے منہیں منورتھ مار
بَیسے سب سنتوش کر، گہہ آتم ایک بچار۔ [50]
سنت داؤ دیال

ایک رِشی نے اِتنی تپسیا کی کہ سورگ کے راجہ اِندر کو ڈر لگنے لگا کہ کہیں رِشی اُس کا سنگھاسن نہ چھین لے۔ وہ ہاتھ میں تیر کمان لے کر شکاری کا رُوپ دھارن کر کے رِشی کی کُٹیا پر آیا اور عرض کی کہ میں کِسی کام سے باہر جا رہا ہوں، میرے پاس یہ تیر کمان ہے جو بہت بھاری ہے۔ مجھے ابھی اِس کی ضرورت نہیں ہے، اِس لیے اِسے اپنے پاس رکھ لیں۔ رِشی نے کہا کہ میں رِشی اور یہ تیر کمان! میرا اِس کا کیا تعلق؟ اِندر نے مِنّت کی کہ کرپا کر کے رکھ لیں۔ میں جلدی ہی اِسے لے جاؤں گا۔ رِشی نے کہا، ''یہ تو جیوؤں کو مارنے کے لیے اِستعمال کیا جاتا ہے۔ میرا دِل ایسے ہتھیار دیکھ کر ہی دُکھی ہو جاتا ہے، میں اِس کا خیال کیسے رکھوں گا؟'' شکاری نے عاجزانہ انداز میں کہا، ''شریمان! میرے پاس ایک ترکیب ہے۔ میں تیر کمان کو کُٹیا کے پچھواڑے رکھ دیتا ہوں۔ آپ کو یہ کبھی نظر نہیں آئے گا اور اِس طرح آپ مجھے اِسے اُٹھانے کی زحمت سے بچا لیں گے۔'' اور پھر اندر نے رِشی کی تعریف کرنا شروع کر دی کہ آپ تو ایسے ہیں، ویسے ہیں، مجھ پر دَیا کرو۔ جب بہت اِصرار کیا تو رِشی نے مان لیا اور کہا کہ اِس کو کُٹیا کے پچھواڑے رکھ دو۔

اندر تو تیر کمان رکھ کر چلتا بنا، اب واپس کِس کو آنا تھا؟ رِشی پہلے راجہ تھا اور تیر اندازی میں ماہر تھا۔ اِس لیے جب بھجن سے اُٹھتا تو تیر کمان کا خیال آ جاتا۔ روز روز تیر کمان کا دھیان من میں

پکّا ہوتا گیا۔ ایک دِن کہتا ہے، ''کبھی ہم بھی تیر کمان چلایا کرتے تھے، ذرا چلا کر تو دیکھیں، کسی کو ماریں گے نہیں۔'' یہ سوچ کر تیر کمان ہاتھ میں لے کر تیر چلایا، تیر سیدھا نِشانے پر جا لگا۔ اور شوق بڑھا۔ روز روز ابھیاس کرنے لگا۔ آخر وہ پُورا شکاری بن گیا۔ بھجن بندگی چُھوٹ گئی اور لگا شکار کے پیچھے پیچھے پھرنے۔

سو ایسے ہیں من کے دھوکے۔ ذرا سا اِس کو ڈھیلا چھوڑو، جھٹ بُری عادتیں اپنا لیتا ہے۔

44۔ جہاں آسا تہاں باسا

جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نُقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پُورا نہ ہو جائے۔ [51]

متی

ذِکر ہے کہ کبیر صاحب جب باہر جایا کرتے تھے تو ایک آدمی اُنہیں اکثر کھیت میں بیٹھا مِلتا تھا۔ایک دِن کبیر صاحب نے اُس سے کہا کہ خالی بیٹھے رہتے ہو، پرماتما کا بھجن کیا کر، تیرا سُدھار ہوگا۔ کہنے لگا کہ ابھی بچے چھوٹے چھوٹے ہیں، جوان ہو جائیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں، پھر بھجن کروں گا۔ جب بچے جوان ہو گئے، کبیر صاحب پھر مِلے اور کہا کہ بھجن کیا کر، تو بولا کہ اِن کی شادی ہو جائے پھر بھجن کروں گا۔ جب شادی ہو گئی تب کبیر صاحب نے کہا، اب کیا خیال ہے، بتا۔ جواب دیا کہ پوتوں کی خوشیاں دیکھ لوں۔ پوتے بھی ہو گئے، کبیر صاحب پھر مِلے اور کہا کہ اب تو بھجن کر۔ کہنے لگا کہ پوتے چھوٹے چھوٹے ہیں، جوان ہو جائیں پھر بھجن کروں گا۔ جب پوتے جوان ہو گئے تو کبیر صاحب نے پھر پُوچھا۔ بولا، یہ لاپرواہیں۔ رات کو سو جاتے ہیں، اگر میں نہ جاگُوں تو چوری ہو جائے۔ کچھ عرصہ بعد کبیر صاحب پھر وہاں سے گُزرے تو بابا ندارد تھا۔ پُوچھا کہ بابا کہاں ہے؟ بیٹوں اور پوتوں نے جواب دیا کہ جی! وہ تو گُزر گیا ہے۔

کبیر صاحب نے کہا کہ بہت افسوس کی بات ہے۔ بیچارے غریب آدمی نے اپنی ساری زِندگی فضول ہی گنوا دی۔ اگر وہ تھوڑا وقت پرماتما کی بندگی میں دیتا تو دُنیا کے جنجال سے بچ

جاتا۔ پھر کبیر صاحب نے انتر دھیان ہو کر دیکھا۔ بابے کو گھر کے دُودھ دینے والے پشوؤں سے بڑی محبت تھی۔ گائے بھینس پالتا تھا۔ ایک گائے سے اُسے خاص لگاؤ تھا۔ اب مر کر اُس گائے کے پیٹ سے بچھڑا بن کر پیدا ہوا۔ بچھڑا بڑا ہو کر جب بَیل بن گیا تو اُسے ہل میں خوب جوتا گیا۔ ساری عُمر ہل میں جُتا رہا۔ آخر بُوڑھا ہو گیا۔ جب اُن کے کام کا نہ رہا تو اُنہوں نے گاڑی وان کو بیچ دیا۔ اُس نے بھی کچھ سال گاڑی میں جوتا۔ جب اُس کے کام کا نہ رہا تو اُس نے تیلی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اُس نے بھی کافی عرصہ کولہوُ میں جوتا۔ جب تیلی کے کام کا بھی نہ رہا تو اُس نے قصائی کو دے دیا۔ قصائی نے مار کر اُس کا مانس بیچا، باقی چمڑا نقارے والے لے گئے۔ اُنہوں نے نقارے پر مڑھ لیا۔ اب خوب ڈنکے پڑتے ہیں۔ یہ دیکھ کر کبیر صاحب نے کہا:

بَیل بنے ہل میں جُتے، لے گاڑی میں دِین
تیلی کے کولہوُ رہے، پُن گھیر قصائی لِین
مانس کٹا بوٹی بِکی، چمڑن مڑھی نقار
کُچھیک کرم باقی رہے، تِس پر پڑتی مار [52]

45۔ من کے کھیل

ست سنگی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے من پر ہمیشہ نگرانی رکھے اور اُسے کبھی بھٹکنے نہ دے۔ 53

مہاراج ساون سنگھ

ایک مہاتما کھڑے کھڑے کسی دُوکان پر چیزوں کی خرید وفروخت کا نظارا دیکھ رہے تھے۔ اچانک کوئی خیال آیا اور اپنے من سے کہنے لگے کہ تیری بہت تعریف سُنی ہے، کچھ اپنی کرتُوت تو دِکھا۔ من نے کہا کہ ابھی دِکھاتا ہوں۔ وہاں ایک شخص شہد بیچ رہا تھا۔ اُس نے اپنی مٹکی میں سے اُنگلی بھر شہد دِیوار سے لگا دیا۔ آناً فاناً کچھ مکھیاں شہد پر آکر اُسے کھانے لگیں۔ آہستہ آہستہ مکھیوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ اِتنے میں ایک چھپکلی نے دیکھا کہ یہ تو میرا شکار ہے۔ وہ اچانک جھپٹی اور کچھ مکھیوں کو شہد سمیت کھا گئی۔ دُکاندار نے ایک بلّی بڑے پیار سے پالی ہوئی تھی۔ بلّی چھپکلی پر جھپٹی اور اُس کو ہڑپ کر گئی۔ پاس ہی ایک گاہک کا کُتّا کھڑا تھا۔ اُس نے بلّی پر حملہ کر کے اُس کو مار ڈالا۔ دُکاندار غُصّے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے اپنے نوکروں سے کہا، ''مارو کُتّے کو۔'' نوکروں نے ڈنڈے مار مار کر کُتّے کو مار ڈالا۔ پاس کھڑے اُس گاہک نے غُصّے میں آکر گالی دے دی۔ گالی دینے کی دیر تھی کہ دونوں میں ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔ دُکاندار کے ساتھ اُس کے نوکر تھے اور گاہک کے ساتھ وہاں کھڑے کچھ لوگ ہو گئے۔ خوب جم کر لڑائی ہوئی۔ من نے اُس مہاتما سے کہا، دیکھ لیا میرا کھیل؟، یہ ہیں میرے دھوکے۔ میں لوگوں میں خواہشیں پیدا کر کے اُن کو مُورکھ بناتا ہوں۔ وہ نہیں جانتے کہ اُن کو اِن کا کیا پھل بھُگتنا پڑے گا۔

46۔ غریب دُکانداراور پارس

کبیر مانس جنم دُلبھ ہے ہوئے نہ بارے بار
جیو بَن پھل پا کے بھُئی ِگر ہہ بہور نہ لاگہہ ڈار۔ [54]
کبیر صاحب

ایک بڑا غریب دُکاندار تھا۔ اُس کا گُزارہ نہیں ہوتا تھا۔ اِتفاق سے ایک دِن ایک مہاتما اُس کے پاس آئے۔ اُس دُکاندار نے بڑے پریم سے جتنی ہوسکی اُن کی سیوا کی۔ جب مہاتما خوش ہوئے اور کچھ مانگنے کے لیے کہا، تو آنکھوں میں آنسو بھر کر اُس نے عرض کی، ''میں بہت غریب ہوں، میرا گُزارہ نہیں ہوتا۔ آپ کچھ دیا مہر کریں۔'' مہاتما مہربان ہو گئے اور کہنے لگے کہ میرے پاس پارس ہے، میں تمھیں تین مہینے کے لیے دیتا ہوں۔ اِس عرصہ میں جتنا چاہو سونا بنا لینا۔ مہاتما تو کرپا کر کے چلے گئے، لیکن اِنسان کی قسمت اُس کے ساتھ رہتی ہے۔ وہ غریب دُکاندار بازار گیا۔ پُوچھا کہ لوہے کا کیا بھاؤ ہے؟ لوہے والوں نے کہا کہ کل تک تو پانچ روپیہ فی من تھا لیکن آج سات روپے من ہے۔ کہنے لگا، ''مجھے گھاٹے کا سودا نہیں کرنا ہے۔'' مُورکھ کو اِتنی خبر نہیں تھی کہ ایک من سونے کا کتنا روپیہ بنتا ہے۔ بولا، ''جب پانچ روپیہ من ہوگا تب خریدوں گا۔'' گھر واپس آ گیا۔ دُوسرے مہینے پھر بازار گیا اور پُوچھا، ''لوہے کا کیا بھاؤ ہے؟'' دُکاندار نے کہا، ''لالہ جی! اب تو بھاؤ اور بھی بڑھ گیا ہے۔'' پھر بولا، ''جب پانچ روپے من بھاؤ ہوگا تب خریدوں گا۔'' تیسرے مہینے پھر بازار گیا، لوہے کا بھاؤ پہلے سے اور بڑھ کر پندرہ روپیہ فی من ہو چکا تھا۔ خالی ہاتھ واپس آ گیا۔

اتنے میں تین مہینے گزر گئے۔ اُدھر مہاتما نے سوچا کہ چلو جا کر اپنا پارس واپس لے آئیں۔ اُس دُکاندار نے تو بڑے بڑے عالیشان مکان بنوا لیے ہوں گے۔ لیکن جب آئے تو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہی ٹوٹی پھوٹی دُکان، وہی پُرانا سا مکان۔ مہاتما اپنا پارس لے کر چلے گئے۔

یہ مِثال ہم پر صادق آتی ہے۔ اِنسانی جامہ پارس ہے۔ مہاتما کُل مالک ہے جس نے کرپا کر کے ہمیں پارس جیسا اِنسانی جامہ بخشا ہے۔ ہمارے اندر کُل مالک اکال پُرش ہے۔ ہم سنسار کے باقی سب کاموں کی طرف دھیان دیتے ہیں، لیکن پرماتما سے ملاپ حاصل کرنے کے کام کو ٹالتے رہتے ہیں۔ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ پرماتما سے ملاپ کر کے ہم پرماتما کا ہی رُوپ ہو جائیں گے اور جنم مرن کے بندھنوں سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جائیں گے۔ اگر ہم اِنسانی قالب پا کر اندر ترقی کر کے پرماتما سے ملاپ نہ کریں تو ہم سے زیادہ بدقسمت اور کون ہو سکتا ہے؟

47۔ بابا نامدیو کا کپڑے بیچنا

تُم پہلے اُس کی بادشاہی اور اُس کی راستبازی کی تلاش کرو تو
یہ سب چیزیں بھی تُم کو مِل جائیں گی ۔کل کے لیے فکر نہ کرو
کیونکہ کل کا دِن اپنے لیے آپ فکر کر لے گا۔ [55]

متی

نامدیو جی ایک پُورن سنت ہوئے ہیں۔اُن کے گُورو نے اُنہیں نام کی دولت سے نوازا تھا جو کہ سنسار میں انمول شے ہے۔نامدیو کے سب گھر والے دُنیادار لوگ تھے اِس لیے آپ اِس اندرُونی بھید کو اُن سے چُھپا کر رکھتے تھے۔روزی کمانے کے لیے وہ چھیپے کا کام کرتے تھے۔ چھ دِن وہ کپڑے ٹھاکتے اور ساتویں دِن کپڑا بیچنے کے لیے بازار میں لے جاتے۔

نامدیو جی کے چار پانچ بھائی تھے۔ایک دفعہ کا ذِکر ہے کہ سب بھائیوں نے مال تیار کیا اور منڈی میں بیچنے کے لیے لے گئے۔نام دیو جی کو بھی ایک گٹھڑی دے دی۔باقی سب بھائی تو مال بیچنے لگے، نام دیو جی ایک طرف بھجن میں بیٹھ گئے۔جب شام ہُوئی، دُوسرے بھائی مال بیچ کر گھر چلے آئے، لیکن نامدیو جی اپنی گٹھڑی اُسی طرح گھر لے آئے کیونکہ سب خریدار جا چکے تھے۔گھر والوں نے پُوچھا کہ مال اُسی طرح کیوں لے آئے؟ نامدیو جی نے کہا کہ کوئی گاہک نہیں آیا۔اُنہوں نے پُوچھا کہ اِتنا مال کس طرح بِکے گا؟ قیمت کم زیادہ کر کے مال بیچ آتے۔ نامدیو جی چُپ رہے۔پھر اُنہوں نے کہا کہ نقد نہیں تو اُدھار ہی دے آتے۔نامدیو جی پھر چُپ رہے، جب بہت تنگ کیا کہ اُدھار ہی دے آنا تھا تو نامدیو جی بولے،'' تو کیا اُدھار دے

آؤں؟'' کہنے لگے، ''جاؤ اُدھار دے آؤ۔''

باہر پتھر پڑے تھے۔ نامدیو جی اُٹھے اور گٹھڑی کے سارے کپڑے کھول کر ایک ایک کر کے سب پتھروں پر ڈال آئے اور ایک پتھر بطور ضامن کے اُٹھا لائے۔ گھر والوں نے پُوچھا کہ کپڑا اُدھا دے آئے ہو؟ نامدیو جی نے کہا کہ ہاں دے آیا ہوں۔ اُنھوں نے پُوچھا کہ لوگ پیسے کب دیں گے؟ نامدیو جی نے کہا کہ ساتویں دِن۔

کِسی نے آکر بتایا کہ نامدیو کپڑے باہر پتھروں پر ڈال آیا ہے اور لوگ پتھروں پر سے کپڑے اُٹھا کر لے گئے ہیں۔ پیسے کِسے دینے تھے؟ گھر کے لوگ بڑے دُکھی ہوئے کہ پیسے کہاں سے آئیں گے؟ نامدیو جی نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں، میں ضامن ساتھ لے آیا ہوں۔ جب ساتواں دِن آیا تو گھر والوں نے نامدیو جی سے پیسے مانگے۔ نامدیو جی وہ پتھر اُٹھا لائے۔ پتھر سونے کا بن چُکا تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ جتنے کے آپ کے کپڑے تھے، اُتنا کاٹ لو، باقی رہنے دو۔

ستگُورو اپنے سچّے سیوکوں کی پل پل سنبھال کرتے ہیں۔

48۔ سکندرِ اعظم کی آخری خواہش

میرے آگے میں کھڑا، تاتھیں رہیا لُکائے
دادُو پرگٹ پیو ہے، جے یہہٗ آپا جائے۔ [56]

سنت دادُو دیال

سِکندرِ اعظم جِس کو فاتحِ عالم کہتے ہیں، جب ساری دُنیا کو فتح کرتا ہُوا بھارت کے شمال مغربی حصے میں بیاس ندی کے پاس آیا تو فوج نے آگے بڑھنے سے اِنکار کر دیا۔ مجبوراً اُسے واپس لوٹنا پڑا۔ اُس نے نجومیوں سے پُوچھا کہ میری موت کب ہوگی؟ نجومی دانا تھے۔ اُنہوں نے حساب لگا کر دیکھا کہ عُمر تھوڑی ہے، قریب قریب ختم ہو چُکی ہے۔ اب جُھوٹ کہا نہیں گیا اور اگر سچ بتاتے تو جان کا خطرہ تھا۔ سوچ سوچ کر کہنے لگے کہ آپ کی موت تب ہوگی جب آسمان سونے کا اور زمین لوہے کی ہوگی۔ سکندر خوش ہو گیا اور کہنے لگا، پھر کیا فکر ہے، مجھے تو کبھی مرنا ہی نہیں۔ آسمان کب سونے کا ہونے لگا اور زمین کب لوہے کی ہونے لگی؟

جب وہ مغربی فارس جاتے ہُوئے سیستان کے ریگستان میں سے گُزر رہا تھا تو اُسے ملیریا بُخار ہو گیا۔ پیچھے پیچھے فوج تھی، آگے آگے خود آپ اور وزیر۔ جُوں جُوں آگے بڑھتا گیا، بُخار تیز ہوتا گیا۔ فوج پیچھے رہ گئی۔ آخر وزیر سے کہنے لگا کہ مجھے سخت بُخار ہو گیا ہے۔ وزیر نے کہا کہ بادشاہ سلامت! دو چار میل آگے چلیئے، کوئی پیڑ آ جائے تو آرام کر لیں گے۔ جب آگے گئے تو بُخار اور بڑھ گیا۔ وزیر سے کہنے لگا، اب بُخار بہت بڑھ گیا ہے۔ وزیر نے اِدھر اُدھر دیکھا، کہیں سائے کا نام و نشان نہیں تھا۔ کہنے لگا، دو چار میل اور چلیں شاید کوئی پیڑ آ جائے۔

جب دو چار میل اور چلے تو بُخار اتنا زور کا ہو گیا کہ بادشاہ برداشت نہ کر سکا اور گھوڑے سے اُتر پڑا۔ بولا کہ لو، پکڑو گھوڑے کو، میں آگے ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ اب وزیر کے پاس کیا تھا جو نیچے بچھاتا؟ وزیر نے اپنی زرہ بکتر اُتار کر نیچے بچھا دی اور بادشاہ اُس پر لیٹ گیا۔ زرہ بکتر ایک لوہے کا کوٹ ہوتا ہے جس کو بادشاہ یا وزیر وغیرہ لڑائی کے وقت پہنتے ہیں۔ اندر ریشم کی تہیں ہوتی ہیں تا کہ لوہا جسم کو نہ چُبھے اور ہتھیار کی چوٹ کا اثر نہ ہو۔ دوپہر کا وقت تھا۔ بلا کی گرمی تھی۔ درخت یا پیڑ کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ وزیر کیا کرتا؟ سایہ کرنے کے لیے اُس نے بادشاہ کی سونے کی ڈھال اُوپر کر دی۔ اب جب موت آتی ہے تو اِنسان کو پتہ چل جاتا ہے۔ سوچنے لگا نجومیوں کا کہنا سچ ہو گیا۔ اِسوقت زمین لوہے کی اور آسمان سونے کا ہے۔ اب میری موت یقینی ہے۔

اِتنے میں ساری فوج اور حکیم وہاں پہنچ گئے۔ بادشاہ نے کہا، ''میری نبض دیکھو۔'' نبض دیکھ کر اُنہوں نے کہا کہ جناب! آپ بچ نہیں سکتے۔ اُس نے کہا، ''میں اپنا آدھا راج دیتا ہوں، مجھے ایک دفعہ میری ماں سے مِلا دو۔ حکیموں نے کہا، ''یہ ممکن نہیں کیونکہ ہمارے پاس اب کوئی علاج نہیں ہے۔'' بادشاہ نے پھر کہا کہ میں اپنا سارا راج دیتا ہوں، مجھے ایک بار ماں سے مِلا دو، میں بھیک مانگ کر روٹی کھا لوُں گا۔ اُنہوں نے کہا کہ آپ کی عُمر کی میعاد ختم ہو چُکی ہے۔ اب ایک سانس بھی نہیں مِل سکتا۔ اِس پر سکندرِ اعظم بچے کی طرح پھُوٹ پھُوٹ کر رو پڑا۔

ایک دِن میں چوبیس ہزار سانس ہوتے ہیں۔ ایک ایک سانس کروڑ کروڑ روپے کا ہے جس کو ہم ہنسنے کھیلنے اور نکمی باتوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اِنسانی قالب سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور مالک سے واپس جا کر ملنے کا اُپائے کرنا چاہیئے۔

49۔ مہارانی دروپدی اور مہاتما سُپچ

صاحب کے دربار میں کیول بھگتی پیار
کیول بھگتی پیار صاحب بھگتی میں راضی ۔ [57]
پلٹُو صاحب

جب مہا بھارت کی لڑائی ختم ہُوئی تو بھگوان کرشن نے پانڈووَں کو بُلا کر کہا کہ اَشومیدھ یگیہ کراؤ، پرائشچت کرو، نہیں تو نرکوں میں جاؤ گے۔ اور تُمہارا یگیہ تب سمپوُرن ہوگا جب آکاش میں گھنٹہ بجے گا۔ پانڈووَں نے یگیہ کیا، سارے بھارت ورش کے سادُھو، سنت، مہاتما بُلائے۔ سب کھانا کھا چُکے لیکن آکاش میں گھنٹہ نہ بجا۔ سوچا کہ بھگوان کرشن کو نہیں کھلایا۔ بھگوان کرشن نے بھی بھوجن کیا، لیکن پھر بھی گھنٹہ نہ بجا۔ آخر عرض کی، بھگون! آپ یوگ درشٹی سے دیکھیں، کوئی رہ تو نہیں گیا۔ بھگوان کرشن نے کہا، ایک سادُھو ہے، اُس کا نام سُپچ ہے۔ وہ جنگل میں درخت کے پتّے کھا کر گُزارہ کرتا ہے اور بھجن میں مست رہتا ہے، کہیں جاتا آتا نہیں۔ اُس کو بُلاؤ اور بھوجن کھِلاؤ تب آپ کا یگیہ سمپوُرن ہوگا۔

پانڈووَں میں راجہ ہونے کا گھمنڈ تھا اِس لیے اُنہوں نے خود جانے کی بجائے اپنے ایک دُوت کو بھیج دیا۔ اُنہوں نے سوچا کہ جیسے ہی مہاتما کو پتہ چلے گا کہ یگیہ میں مُفت کھانا مِل رہا ہے وہ خود ہی بھوجن کرنے کے لیے آجائے گا، کیونکہ مکھیاں گُڑ پر اپنے آپ چلی آتی ہیں۔ لیکن مہاتما نے آنے سے اِنکار کر دیا۔

اب پانڈوُ خود اُس مہاتما کو لینے گئے اور کہا کہ مہاتما جی! ہمارے یہاں یگیہ ہے، آپ چل کر

بھوجن کریں تاکہ یگیہ سمپُورن ہو جائے۔ مہاتما نے کہا کہ میں اُس کے گھر جاتا ہوں جو مجھے ایک سواَشومیدھ یگیہ کا پھل دے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارا تو ایک یگیہ سمپُورن نہیں ہو رہا اور تم سو کا پھل مانگ رہے ہو۔ وہ بولا کہ میری تو یہی شرط ہے۔ پانچوں پانڈووؤں نے باری باری عرض کی لیکن مہاتما نے اپنی شرط نہیں بدلی۔ ہار کر وہ واپس آ گئے۔ پانڈوَ مایُوس ہو کر بیٹھے تھے کہ دروپدی نے کہا، ''آپ اُداس کیوں بیٹھے ہیں۔ میں مہاتما جی کو لاتی ہوں، یہ کون سی بڑی بات ہے!'' دروپدی اُٹھی، ننگے پاؤں پانی لائی، اپنے ہاتھوں سے پیار سے کھانا بنایا۔ پھر ننگے پاؤں چل کر مہاتما کے پاس گئی اور عرض کی، ''مہاتما جی! ہمارے یہاں یگیہ ہے، آپ چل کر اُسے سمپُورن کریں۔'' مہاتما نے کہا کہ تمہیں پانڈووؤں نے بتایا ہوگا کہ میری کیا شرط ہے؟ کہنے لگی کہ مہاراج! مجھے پتہ ہے۔ مہاتما نے کہا، ''لاؤ پھر سواَشومیدھ یگیوں کا پھل۔'' دروپدی نے کہا، ''مہاتما جی! میں نے آپ جیسے سنتوں سے سُنا ہے کہ جب کسی پُورن سنت کے درشنوں کو جائیں تو ایک ایک قدم پر اَشومیدھ یگیہ کا پھل ملتا ہے۔ اِس لیے میں جتنے قدم چل کر آئی ہوں، اُن میں سے سواَشومیدھ یگیوں کا پھل آپ رکھ لیں باقی مجھے دے دیں۔'' یہ سُن کر مہاتما جی چُپ چاپ دروپدی کے ساتھ چل پڑا۔

جب کھانا پروسا تو مہاتما نے سب کھانوں کو ایک ساتھ مِلا لیا اور کھانے لگ گئے۔ دروپدی کھانا بنانے میں سب راجکماریوں اور رانیوں میں اوّل نمبر پر تھی۔ اِس طرح مہاتما کو کھاتے دیکھ کر دِل میں کہنے لگی کہ آخر اپنی اوقات دِکھا دی۔ اِسے کھانے کی کیا قدر! اگر الگ الگ کھاتا تو اِس کو پتہ چل جاتا کہ دروپدی کے ہاتھ سے بنے کھانے میں کیا سواد ہے۔ جب مہاتما کھانا کھا چُکا تب بھی آکاش میں گھنٹہ نہ بجا۔ پانڈوَ بڑے حیران ہوئے۔ آخر بھگوان کرشن سے پُوچھا کہ بھگون! اب کیا کسر ہے؟ بھگوان نے کہا کہ اب دروپدی سے پُوچھو، اُس کے من کی کسر ہے۔

دروپدی کو پتہ نہیں تھا کہ جی نے سارے کھانے ملا کر بھوجن کے سواد کو جان بُوجھ کر ختم کر لیا ہے۔ مہاتما یا تو کھانا کھاتے وقت سارے کھانے ملا کر اُس کے سواد کو ختم کر دیتے ہیں یا اپنی سُرت کو کھانا کھانے سے پہلے اندر اُوپر لے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کھانا چاہے کھٹّا ہو یا نمکین، میٹھا ہو یا پھیکا، رُوکھا یا سُوکھا، چاہے کیسا بھی ہو، اُن کو سواد کا پتہ نہیں چلتا۔ جب دروپدی

نے معافی مانگ کر اپنا من شُدھ کر لیا تب آکاش میں گھنٹہ بجا۔

سو مالک کو صِرف بھگتی اور نمرتا ہی پیاری ہے۔ اُس کے دربار میں جات پات کی نہیں، پریم اور بھگتی کی قدر ہے۔

50۔ ہمارے پیار کا کھوکھلا پن

خُداوند میری روشنی اور میری نجات ہے۔ مجھے کِس کی دہشت؟
خُداوند میری زِندگی کا پُشتہ ہے۔ مجھے کِس کی ہیبت؟[58]

زبُور

ایک بُڑھیا تھی۔اُس کی ایک جوان لڑکی تھی۔اِتفاق سے وہ جوان لڑکی سخت بیمار ہوگئی۔بہت علاج کروایا لیکن فائدہ نہ ہُوا۔بُڑھیا کہنے لگی کہ اے پرماتما! اِس کی بجائے میں مرجاؤں، یہ بچ جائے۔میں بُوڑھی ہو چُکی ہوں، دُنیا کا بہت کچھ دیکھ چُکی ہوں۔یہ جوان ہے، یہ نہ مرے۔بار بار بُوڑھیا یہی کہتی۔

ایک رات باہر کا دروازہ کھُلا رہ گیا۔کہیں سے ایک آوارہ گائے اندر آ داخل ہُوئی۔راستے میں ایک دیگ پڑی تھی۔گائے نے کھانے کے لیے جوُں ہی اُس میں مُنہ ڈالا، اُس کے سِینگ اُس میں پھنس گئے۔لگی گھبرا کر اِدھر اُدھر دوڑنے۔اب دیگ کے نیچے کا کالا حِصہ سامنے تھا۔جب گائے نے دو چار چکر لگائے تو بُڑھیا ڈر گئی اور سمجھی کہ موت کا فرشتہ آ گیا ہے۔کہنے لگی، میں تو بُوڑھی ہوں، لڑکی وہ سامنے پڑی ہے، اُس کو لے جا۔

سو اِنسان باتیں کچھ کرتا ہے اور دِل میں کچھ اور ہوتا ہے۔لیکن سچا ست سنگی ہر روز مرتا ہے اور اُس کو اپنی موت کی اِتنی خوشی ہوتی ہے جِتنی کِسی کو اپنی شادی کی بھی نہیں ہوتی۔

51۔ منصُور اور پھُول کی چوٹ

کہا بھئیو جوتن بھئیو چھِن چھِن پریم جائے تو ڈر پے تیر وجن۔ [59]

گوُرو رویداس

'اناالحق' (میں خُدا ہوں) کہنے پر حضرت منصُور کو بغداد میں سُولی پر چڑھانے کی سزا سُنائی گئی۔ اُس پر زور ڈالا گیا کہ وہ 'اللہ ہُو حق' کہے، مگر منصُور نے یہ کہنے سے اِنکار کر دیا۔ جب منصُور کو سُولی پر چڑھانے لگے تو حُکم ہوا کہ پہلے اِس کو پتھر مارے جائیں۔ اُسے بغداد شہر کے چوک میں لے جایا گیا اور لوگوں کو اُسے پتھر مارنے کا حُکم دیا گیا۔ جب لوگوں نے پتھر مارے، وہ چُپ چاپ کھڑا رہا، اُف تک نہ کی۔ شیخ شِبلی منصُور کا دوست بھی تھا اور اُس کے راز کا واقفکار بھی تھا۔ اُس نے سوچا کہ اگر میں نے پتھر مارا تو یہ مُناسب نہ ہوگا، کیونکہ یہ فقیر ہے اور اگر شرع والوں کا خیال کروں تو مارنا ہی پڑے گا۔

آخر اُس نے پھُول مارا۔ جب منصُور کو پھُول لگا تو اُس کے مُنہ سے ہائے نکلی۔ شِبلی نے پُوچھا کہ تُو نے ہائے کیوں کی؟ منصُور نے جواب دیا کہ تُو میرے راز کو جانتا تھا، لوگ نہیں جانتے تھے، اِس لیے مجھے تیرے پھُول کی چوٹ لوگوں کے پتھروں سے بھی زیادہ لگی۔

جب اُسے سُولی پر چڑھانے لگے تو پہلے اُس کے ہاتھ کاٹ دیے۔ اُس نے کہا مجھے اِن ہاتھوں کا کوئی فکر نہیں۔ میرے پاس وہ ہاتھ ہیں کہ ایک یہاں اور ایک کِنگرہ عرش پر۔ پھر پاؤں کاٹ دیے گئے۔ وہ بولا کہ میرے وہ پاؤں ہیں کہ ایک یہاں اور ایک خُدا کی درگاہ میں ہے۔ پھر آنکھیں نکال لی گئیں تو کہا کہ یہ آنکھیں فنا ہیں۔ میرے پاس وہ آنکھیں ہیں جو بقا کو

دیکھتی ہیں۔ جب زبان کاٹنے لگے تو بولا کہ ٹھہر جاؤ۔ اور بولا، ''اے مالک! جِس طرح کُمہار مٹّی کے برتن کو باہر سے ٹکورتا ہے لیکن نیچے ہاتھ رکھ کر اندر سے سہارا دیتا ہے۔ مجھے اُمید نہیں تھی کہ میں اِس اِمتحان میں پاس ہو جاتا۔ لیکن اے مُرشد! تیری مہربانی سے میں امتحان میں پُورا اُترا ہوں۔ شُکر ہے!! شُکر ہے!! آؤ جلا دو! زبان بھی کاٹ لو۔

جِس مُرید کو مُرشد کی رحمت سے اندر خُدا کا دیدار ہو جائے، کیا وہ دُنیا سے ڈرے گا؟ ہرگز نہیں، کبھی نہیں۔

52۔ آگ کا مول

اکھی کاڈھ دھری چرنا تل سبھ دھرتی پھر مت پائی۔ [60]

گُورورامداس

کہا جاتا ہے کہ شیخ فرید کا ایک مُرید بہت نیک پاک تھا۔ جب وہ بازار جاتا تو ایک بیسوا اُس کا دھیان اپنی طرف کھینچنے کے لیے اُس سے مذاق کیا کرتی۔ وہ بیچارا دُوسری طرف مُنہ پھیر لیتا۔ جُوں جُوں وہ اپنا خیال اُس کی طرف سے ہٹاتا بیسوا اور زیادہ چھیڑ خانی کرتی۔

ایک دِن فرید صاحب نے اُس مُرید سے کہا کہ آگ چاہیئے۔ اُس زمانے میں لوگ انگاروں کو راکھ میں دبا کر رکھتے تھے اور جب ضرورت پڑتی تو انگاروں کو نکال کر اِستعمال کر لیتے۔ اُس نے گلی محلّے میں پُوچھا، بہت اِدھر اُدھر گھُوما، لیکن کہیں سے بھی آگ نہ مِلی۔ بازار میں گیا، دیکھا کہ وہی بیسوا حُقہ پی رہی ہے۔ اب سوچتا ہے اِس کی مجھ سے پہلے ہی لگتی ہے۔ لیکن پیر کا حُکم تھا، اُوپر مکان پر چڑھ گیا۔ بیسوا دیکھ کر کہنے لگی، کیا بات ہے؟ وہ بولا، ''مائی جی، آگ چاہیئے۔'' وہ مذاق کے طور پر کہنے لگی کہ آگ کا مول آنکھ ہے۔ آنکھ نکال کر دے جا اور آگ لے جا۔ اُس نے فوراً اُنگلی ڈال کر آنکھ نکال کر آگے رکھ دی۔ بیسوا ڈر گئی اور آگ دے دی۔ من میں سوچنے لگی، میں نے تو مذاق میں کہا تھا۔ خیر وہ آگ لیکر، آنکھ پر پٹّی باندھ کر فرید صاحب کے پاس آ گیا۔

اُنہوں نے پُوچھا، '' آگ لے آئے؟'' جواب دیا، ''ہاں حضوُر لے آیا ہوں۔'' فرید صاحب نے کہا کہ یہ آنکھ پر پٹّی کیوں باندھی ہے؟ بولا کہ آنکھ 'آئی' ہوئی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر آئی ہوئی ہے تو پٹّی کھول دے۔ جب پٹّی کھولی تو آنکھ صحیح سلامت تھی۔

مالک ہمیشہ اپنے بندوں کی لاج رکھتا ہے۔

53۔ چور سے قُطب

اگر تُو سنگِ خارہ اور سنگِ مرمر ہے، جب صاحبِ دِل کے
پاس پہنچے گا تو موتی بن جائے گا۔ [61]

مولانا رُوم

حضرت عبدالقادر جیلانی فارس کے بڑے کمائی والے فقیر تھے۔ مُسلمانوں میں قُطب، غوث وغیرہ فقیروں کے درجے ہوتے ہیں۔ کِسی جگہ کا قُطب مر گیا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے آ کر عرض کی کہ حضرت! ہمیں قُطب چاہیئے۔ آپ نے کہا کہ بھیج دیں گے۔ کچھ دِنوں تک جب قُطب نہ بھیجا تو اُنہوں نے سوچا کہ شاید ہم میں سے کِسی کو قُطب چُننا ہوگا، تو وہ پھر آئے اور عرض کی کہ حضرت! قُطب چاہیئے۔ کہنے لگے، ''بھیج دیں گے۔ تھوڑا اور صبر کرو، یہ اِتنا آسان نہیں، ایسے کام کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔''

کچھ دِن اِنتظار کرنے کے بعد لوگوں نے تیسری بار عرض کی کہ قُطب کی سخت ضرورت ہے۔ لہٰذا قُطب جلدی بھیج دیا جائے۔ آپ نے کہا، ''اچھا کل لے جانا۔'' حضرت عبدالقادر جیلانی واقفِ حال تھے۔ اُنہیں اپنے مُریدوں میں سے کوئی بھی ایسا کمائی والا نظر نہیں آیا جو قُطب بننے کے لائق ہو من میں سوچا کہ قُطب کہاں سے دیں گے۔

رات کو ایک چور پیر صاحب کے یہاں اُن کی گھوڑی چُرانے کے لیے آیا۔ پہلے آگے کے پیر کھولے، پھر پیچھے کے۔ پیچھے کے ابھی کھولے ہی تھے کہ آگے کے بندھ گئے۔ جب آگے کے کھولے تو پیچھے کے بندھ گئے۔ چور ضِدی تھا۔ طَے کر لیا کہ گھوڑی ضرور لیکر جانی ہے۔ ساری

رات کھولتا رہا۔ جب عبادت کا وقت ہوا تو آپ پیر صاحب جاگے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص گھوڑی کھول رہا ہے۔ آپ نے پُوچھا، ''بھائی تُو کون ہے اور کیا کر رہا ہے؟'' اُس نے کہا، ''حضرت! میں چور ہوں، ساری رات لگا رہا اور بنا کچھ بھی نہیں!'' آپ کو اُس کی یہ ادا پسند آ گئی کہ اِس نے سچ کہا ہے۔ پیار کے ساتھ کہا، ''آ تجھے یہ گھوڑی دے دُوں۔'' جونہی نظر بھر کر اُسے دیکھا، اُسے چور سے قُطب بنا دیا۔ جب دِن ہُوا تو اُن لوگوں نے آ کر عرض کی کہ حضرت، ہمیں قُطب دو۔ آپ نے کہا کہ میں نے وعدہ کیا تھا، سو یہ رہا تمہارا قُطب اور تم دیکھو گے کہ اِتنا اعلیٰ قُطب ساری دُنیا میں نہیں ہو گا۔

مُرشد اپنی رحمت بھری نظر سے جو چاہے کر سکتا ہے۔

54۔ رُوس کا بادشاہ پیٹر

گُورو استھُول شریر تک ہی محدود نہیں ہوتا۔ لوگوں کی رہنمائی کرنے، اُنہیں سمجھانے، اُن سے ہمدردی دِکھانے، اُن سے پیار کرنے، اُن میں وِشواس اور بھروسہ پیدا کرنے، اُن میں اپنے اندر شانتی اور آنند کی تلاش کا شوق پیدا کرنے، اُنہیں راستہ دِکھانے، اُنہیں ایک مثال بن کر سمجھانے، اُن میں رُوحانی گُن پیدا کرنے اور اُنہیں اِس استھُول شریر سے نکال کر سُوکشم شریر میں لے جانے کے لیے گُورو اِنسانی چولا دھارن کرتا ہے۔ [62]

مہاراج ساون سِنگھ

رُوس کا بادشاہ پیٹر اپنے دیش کی ترقی کے لیے بے تاب رہتا تھا۔ اِسی سبب وہ بہت عرصہ تک یورپ کے دیشوں میں رہا تاکہ وہ اُن دیشوں کی ترقی کے مقابلے میں رُوس کو بھی ترقی کی راہ پر آگے لے جا سکے۔ ایسے ہی ایک عرصہ کے دوران وہ مزدُور کا بھیس بدل کر ہالینڈ گیا اور وہاں بہت عرصہ تک جہازوں کا کام سیکھتا رہا۔ پُورا کاریگر بن گیا۔ وہاں اُس کو وہ رُوسی بھی مِلے جن کو اُس نے بغاوت کے جُرم میں مُلک بدر کیا ہوا تھا۔ وہاں رہ کر اُن کا چال چلن ٹھیک ہو چُکا تھا۔ اب بادشاہ نے تو اُن کو پہچان لیا، لیکن وہ بادشاہ کو مزدُور کے بھیس میں نہ پہچان سکے۔ بادشاہ نے اُن سے پُوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم رُوسی ہیں اور رُوس سے نکالے ہوئے ہیں۔

بادشاہ نے کہا، ''میں بھی رُوس سے آیا ہوں۔'' اِتنا کہنا تھا کہ اُن کا آپس میں بہت پیار ہو گیا۔

جب بادشاہ واپس آنے لگا تو اُن سے بولا کہ چلو، آپ بھی میرے ساتھ چلو؛ میری بادشاہ کے ساتھ دوستی ہے۔ میں آپ کی سفارش کر دُوں گا، وہ آپ کو کچھ نہیں کہے گا۔ اُنہوں نے منظور کر لیا۔ جب رُوس کی بندرگاہ تک پہنچے تو آگے بڑے بڑے افسر بادشاہ کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ خوب باجے بجنے لگے، آتش بازی چُھوٹنے لگی کہ ہمارا بادشاہ آ گیا ہے۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ یہ تو وہی ہے جو ہمارے ساتھ مزدُوری کرتا تھا۔ وہ حیران رہ گئے۔

ٹھیک اِسی طرح سنت ہمارے درمیان آ کر رہتے ہیں اور ہمارے جیسی ہی زِندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن جب ہماری آنکھیں کھُلتی ہیں تب پتہ چلتا ہے کہ وہ کِس ہستی کے مالک ہیں۔

55۔ جہاز کا طوفان سے بچاؤ

تُم نے مجھے نہیں چُنا بلکہ میں نے تمہیں چُن لیا اور تُم کو مُقرر کیا
کہ جا کر پھل لاؤ اور تمہارا پھل قائم رہے تا کہ میرے نام
سے جو کچھ باپ سے مانگو وہ تُم کو دے۔ 63

یُوحنّا

جس وقت گُورو ہرکشن جی چولا چھوڑنے لگے تو اُن کے سِکھوں نے پُوچھا کہ اب ہم کو کون اُپدیش دے گا؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ بابا بکالا گاؤں میں مِلے گا۔ سِکھوں نے ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ لیکن اُنہیں اُس گاؤں میں ایسا کوئی شخص نہ ملا جو اُنہیں رُوحانی اُپدیش دینے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اِس بات سے اب ایک طرح کی بے یقینی کے حالات پیدا ہو گئے کہ گُورو ہرکشن جی کا جانشین کون ہو گا۔ اِس موقع کا فائدہ اُٹھا کر سوڈھی خاندان کے بائیس آدمی دیکھا دیکھی گُورو بن کر بیٹھ گئے۔ اِس دوران گُورو ہرکشن جی کے ایک سِکھ تیغ بہادر چُپ چاپ ایک بُوڑھیا کے مکان میں بیٹھے بھجن کر رہے تھے جن کے بارے میں کسی کو پتہ نہیں تھا۔

اُس زمانے میں مکھن شاہ نام کا ایک سِکھ سوداگر تھا جو اپنا مال جہاز میں بھر کر فارس سے بھارت کو لا رہا تھا۔ راستے میں طوفان کی وجہ سے جہاز اٹک گیا اور ڈُوبنے لگا۔ ڈُوبتے ہوئے جہاز کی چھت پر بیٹھے مکھن شاہ نے گھُٹنے ٹیک کر اور ہاتھ جوڑ کر بینتی کی کہ اِس وقت جو گُورو ہے، اگر وہ میرے جہاز کو پار کر دے تو میں پانچ سو مہریں بھینٹ کروں گا۔ اِتنا کہنا تھا کہ جہاز چل پڑا۔ جب جہاز ہِند مہاساگر کے کنارے لگا تو اپنے مال کو بیچ کر اُس نے کافی لابھ کمایا۔ جب وہ

گوُرو ہرکشن کے درشن کرنے اور اپنی بھینٹ نذر کرنے کے لیے گیا تو اُسے پتہ چلا کہ گوُرو صاحب تو چولا چھوڑ چکے ہیں۔ اُسے بتایا گیا کہ گوُرو ہرکشن جی کے جانشین کے درشن کرنے کے لیے اُسے بابا بکالا جانا پڑے گا۔ وہ پُوچھتا پُوچھتا بابا بکالا آ گیا۔ وہاں بائیس گوُروگدیوں پر بیٹھے ہُوئے تھے۔ اب سوچنے لگا کہ مہریں کس کو دُوں، کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر پانچ پانچ مہریں سب کے آگے رکھتا گیا کہ جس نے میرے جہاز کو پار لگایا ہے وہ اپنے آپ ہی بول پڑے گا۔ لیکن اُن بائیس میں سے کسی نے بھی ذِکر نہ کیا، صِرف آشیرواد ہی دیتے رہے کہ خوش رہو۔

آخر اُس نے لوگوں سے پُوچھا کہ یہاں اور بھی کوئی مہاتما ہے؟ کسی نے بتایا کہ ایک اور بھی ہے جس کو لوگ 'تیغا' 'تیغا' کہتے ہیں۔ من میں سوچا کہ چلو اُن کے بھی درشن کر لیں۔ جب گوُرو تیغ بہادر جی کے پاس پہنچا، تو پہلے کی طرح پانچ مہریں آگے رکھ کر ماتھا ٹیک دیا۔ گوُرو صاحب نے کہا، ''باقی مہریں کہاں ہیں؟ تُو نے پانچ سو کا وعدہ کیا تھا، ذرا میرا کندھا تو دیکھ، جہاز کی کیلوں کے کتنے زخم لگے ہوئے ہیں۔'' اِتنا کہہ کر اُنھوں نے کُرتا اُتار کر اپنا کندھا دِکھایا۔ یہ کوتک دیکھ کر مکھن شاہ نے چُپ چاپ پانچ سو مہریں رکھ دیں۔

جب پختہ یقین ہو گیا تو اُسی مکان کی چھت پر چڑھ کر بُلند آواز لگائی، ''گوُرو لادھو رے! گوُرو لادھو رے!'' یعنی گوُرو مِل گیا رے! گوُرو مِل گیا رے!۔ جب لوگوں کو پتہ چلا تو باقی کی بائیس گوُروگدّیاں اُٹھ گئیں۔ اُن کا روزگار بند ہو گیا۔ جگیاسو بہت بڑی تعداد میں گوُرو تیغ بہادر کی شرن میں آنے لگے۔ جب لوگوں نے نام دان کے لیے عرض کی تو اُنھوں نے کہا کہ گٹھڑی بھاری ہے، گوُرو کے بھروسے سے ہی اُٹھائی جا سکتی ہے۔

سنتوں کے پاس نام کی دولت ہوتی ہے، سب کچھ ہوتا ہے، پھر بھی دم نہیں مارتے، گھمنڈ نہیں کرتے۔

56۔ بہشت نہیں چاہیے

خواہ دُنیا ہو یا آخرت، اے میرے معشوق! مجھے فقط تیرا عشق درکار ہے۔
حوُروں کی دِلفریب داستانوں سے مجھے کیا سروکار! تیرا عشق ساتھ ہے تو
میرے لیے بہشت و دوزخ دونوں برابر ہیں۔ [64]

خواجہ حافظ

ذِکر ہے کہ ایک مہاتما کو بھجن بندگی میں کچھ رسائی حاصل تھی۔ ایک دِن بھجن بندگی سے اُٹھ کر اُس نے اعلان کر دیا کہ جو میرا دیدار کرے گا وہ سیدھا بہشت جائے گا۔ وہ پالکی میں بیٹھ کر جا رہا تھا اور بے شُمار بہشت کے خواہش مند لوگ اُس کے دیدار کے لیے آ رہے تھے۔ راستے میں ایک مست فقیر بیٹھا ہُوا تھا، شور سُن کر اُس نے پُوچھا کہ یہ کیسا شور ہے؟ کسی نے بتایا کہ ایک مہاتما آ رہا ہے، اُس کا دعویٰ ہے کہ جو اُس کا دیدار کرے گا، سیدھا بہشت کو جائے گا۔
اِتنا سُننا تھا کہ فقیر سڑک کی طرف پیٹھ کر کے مُنہ ڈھک کر بیٹھ گیا۔ جب بہشت پہنچانے والے مہاتما کی پالکی وہاں پہنچی تو وہ حیران رہ گیا کہ یہ کون ہے جو میرا دیدار کرنے کی بجائے مُنہ ڈھک کر بیٹھ گیا ہے، جب کہ ساری دُنیا میرے دیدار کے لیے چلی آ رہی ہے۔ یہ سوچ کر وہ بولا کہ پالکی کو کھڑا کر دو۔ پھر پالکی سے اُتر کر فقیر سے پُوچھا، ''بھائی! تُو نے مُنہ کیوں ڈھکا ہوا ہے؟'' فقیر نے جواب دیا، ''میں تیرا مُنہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ مجھے جانا ہے مقامِ حق کو اور تُو دیتا ہے بہشت۔ میں تیرا مُنہ کیوں دیکھوں۔'' تب پالکی والے مہاتما نے کہا، ''تو آج سے تُو میرا مُرشد ہوا۔'' اِس لیے خواجہ حافظ کہتے ہیں:

عاشقِ یارم مرا با کُفرو با ایماں چہ کار
تِشنہَ دردم مرا با وصل و باہجر اں چہ کار [65]

''میں تو یار کا عاشق ہوں، مجھے کفر اور ایمان سے کیا کام۔ میں درد کا پیاسا ہوں، مجھے وصل اور ہجر سے کیا کام؟'' سچے عاشق خُدا سے خُدا ہی مانگتے ہیں، بہشت نہیں۔

سنتوں کا پربھو سے اِتنا پیار ہوتا ہے کہ وہ دُنیا کی تمام لُبھاونی چیزوں سے لاتعلق رہتے ہیں۔ اُنہیں تو پربھو کے ملاپ سے ہی سچا سُکھ ملتا ہے۔

57۔ سچا سِکھ کون؟

سبد مرے سوئی جن پُورا، ستگُور و آکھ سُنائے سُورا۔[66]

گُور و امر داس

ستّا اور بلونڈا دو پاٹھی تھے۔ وہ گُورو ارجن دیو صاحب کے دربار میں کیرتن کیا کرتے تھے۔ اُنہیں یہ وہم ہو گیا کہ اُن کے کیرتن کی وجہ سے ہی اِتنی سنگت جمع ہوتی ہے۔ اِسی ابھیمان نے اُنہیں لالچی بنا دیا۔ اُن کے گھر ایک جوان لڑکی تھی، جس کی شادی کی اُنہیں فکر تھی۔ ایک دِن گُورو صاحب سے کہنے لگے کہ لڑکی کی شادی کرنی ہے، کچھ روپیہ چاہیئے۔ گُورو صاحب نے کہا، ''بہت اچھا۔'' یہ کہہ کر آپ نے سو دو سو روپے دینے چاہے لیکن اُنہوں نے اِنکار کر دیا اور کہا کہ آپ کے دربار میں سینکڑوں سِکھ آتے ہیں، آپ کو کس بات کی کمی ہے؟ اب سنتوں کے پاس اِتنا روپیہ کہاں؟ جب گُورو صاحب نے کوئی جواب نہ دیا تو پاٹھی کہنے لگے، ''اور کچھ نہیں تو ہمیں کم سے کم ایک ٹکہ فی سِکھ وصول کر دو۔''

اُن کا خیال تھا کہ گُورو صاحب کے سِکھ کابل قندھار تک ہیں، ہمارے ہزاروں روپے بن جائیں گے۔ ایک مہینہ گزر گیا لیکن پاٹھیوں کو کچھ بھی حاصل نہ ہُوا۔ اُنہوں نے گُورو جی سے پھر بینتی کی کہ اُن کی مانگ پُوری کی جائے۔ گُورو جی نے کہا کہ جلد ہی تمہاری مانگ پُوری کر دی جائے گی۔ دو مہینے اور گُزر گئے لیکن نہ تو اُنہیں کوئی چڑھاوا ہی آیا اور نہ ہی گُورو جی نے کسی کو چڑھاوا دینے کے لیے کہا۔

پاٹھی پھر گُورو جی کے پاس گئے اور اُنہوں نے اپنی عرض دُہرائی اور کہا کہ آپ اپنا وعدہ پُورا

کیجیے۔ گُورو جی نے کہا کہ کل کو تمہاری مانگ پُوری کر دی جائے گی۔ پاٹھیوں نے سوچا کہ سنگت جو بھی لاتی ہے اُسے سنگت پر ہی خرچ کر دیا جاتا ہے، گُورو جی اپنے پاس بچا کر کچھ بھی نہیں رکھتے تو وہ کل کو اپنا وعدہ کیسے پُورا کریں گے؟ کیا وہ کسی سے اُدھار لے کر دیں گے؟ لیکن جب دُوسرے دِن گُورو صاحب نے ساڑھے چار ٹکے اُن کے آگے رکھ دیئے، تو وہ حیران رہ گئے۔ گُورو صاحب نے اُن کی حیرانی کو دیکھ کر اپنی بات کو صاف کرتے ہوئے کہا، ''پہلے سِکھ گُورو نانک صاحب، دُوسرے سِکھ گُورو انگد دیو، تیسرے سِکھ گُورو امر داس، چوتھے سِکھ گُورو رامداس جی، اور میں ابھی آدھا سِکھ ہی ہوں۔ اِس لیے میں تمہیں وہی دے رہا ہوں جو تم نے مانگا ہے یعنی ایک ٹکہ فی سِکھ۔'' گُورو جی نے فرمایا، ''بھائی! سچا سِکھ بننا آسان نہیں ہے۔ دُنیاوی اِچھاؤں اور پرلوبھنوں کو تیاگ کر صِرف پربھُو بھگتی کی طرف دھیان دینا چاہیئے۔ پربھُو پریم کو دُنیا کے دھن سے نہیں تولا جا سکتا۔''

58۔ گُورو رامداس اور مِٹّی کے چبُوترے

ایک فاتح ہزار بار میدانِ جنگ میں ہزار لوگوں کو جیت لیتا ہے، جبکہ دُوسرا فاتح صِرف اپنے آپ پر فتح حاصل کرتا ہے۔ درحقیقت دُوسرا بہادر ہی سب سے بڑا فاتح ہے۔ 67

مہا تمابُدّھ

جب تیسرے گُورو، گُورو امرداس جی نے اپنا جانشین چُننے کا فیصلہ کیا تو اُن کے سِکھوں میں سے بہت سے ایسے تھے جنہیں یقین تھا کہ شاید گُورو صاحب اُن پر دیا کر کے اُنہیں اپنا جانشین مُقرر کر دیں۔ لیکن جیسا کہ عام طور پر ایسے حالات میں ہوتا ہے، گُورو صاحب نے سب کو اِمتحان کی کسوٹی پر رکھ دیا۔ حُکم دیا کہ فلاں میدان میں اپنی اپنی مِٹّی لا کر چبُوترے بناؤ۔

سِکھوں نے چبُوترے بنائے۔ آپ نے کہا، ''یہ ٹھیک نہیں ہیں، پھر بناؤ۔'' سِکھوں نے پھر بنائے۔ آپ نے کہا، ''یہ بھی ٹھیک نہیں ہیں۔'' لوگوں نے تیسری بار بنائے۔ آپ نے کہا، ''یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے۔ اپنی اپنی مِٹّی اُس میدان میں لے جاؤ اور وہاں چبُوترے بناؤ۔'' لوگوں نے پھر بنائے لیکن آپ نے پسند نہ کیے۔ جب آپ کے ستگُورو انگد دیو جی نے آپ کو اپنا جانشین بنایا تھا تو اُس وقت آپ کافی بڑی عُمر کے تھے۔ اب تو گُورو صاحب اپنی عُمر کے آخری پڑاؤ میں تھے۔ جب چار پانچ بار اِس طرح ہُوا تب لوگوں نے سوچا کہ ستّر سال کے بعد اِنسان کی عقل قائم نہیں رہتی۔ گُورو صاحب کی عُمر تو پچانوے سال کی ہے۔ سو یہ سوچ کر بہت سے لوگ ہٹ گئے۔ جو لوگ رہے، اُن سے چبُوترے بنواتے رہے اور گِرواتے رہے۔

آخر کب تک! ایک ایک کر کے سبھی چھوڑ گئے۔ صِرف ایک رامداس جی رہ گئے جو چبوتر ے بناتے رہے اور گوُرو صاحب پسند نہ کرنے پر گرواتے رہے۔ دُوسرے سِکھ جو آپ کو گوُرو جی کے حُکم کی تعمیل کرتا دیکھ رہے تھے، آپ کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہنے لگے کہ آپ تو سودائی ہو گئے ہیں جو گوُرو کو خوش کرنے کے لیے چبوتر ے بنائے جا رہے ہیں۔ رامداس جی نے تھوڑی دیر کام روک کر اُن سے کہا، ''بھائیو، ساری دُنیا اندھی ہے، صِرف ایک شخص ہے جسے دِکھائی دیتا ہے، اور وہ ہیں میرے ستگوُرو۔ ستگوُرو کے سِوائے باقی ساری دُنیا پاگل ہے۔'' اِس پر وہ سِکھ کہنے لگے کہ آپ اور آپ کے گوُرو دونوں کی عقل قائم نہیں ہے۔ رامداس جی رو پڑے اور بولے کہ آپ مجھے چاہے جو مرضی کہہ لیں، لیکن گوُرو صاحب کو کچھ نہ کہیں، کیونکہ اگر گوُرو صاحب کی عقل قائم نہیں تو کسی کی بھی عقل قائم نہیں ہے۔ گوُرو صاحب اگر اِسی طرح ساری عُمر حُکم دیتے رہیں گے، تو رامداس ساری عُمر چبوتر ے بناتا رہے گا۔

آپ نے خوشی خوشی ستّر بار چبوتر ے بنائے اور ستّر بار گرائے۔ اِس پر گوُرو امرداس جی نے کہا، ''رامداس! اب تُم بھی چبوتر ے بنانا چھوڑ دو۔ میں تُم سے بہت خوش ہوں کیونکہ ایک تُم ہی ہو جِس نے بغیر کچھ کہے پُورے سمرپن سے میرا حُکم مانا ہے۔'' گوُرو صاحب چبوتر ے کیوں بنواتے اور گرواتے تھے؟ صِرف اِس لیے کہ جِس ہردے میں نام رکھنا ہے اور جہاں سے کروڑوں لوگوں کو فیض پہنچنا ہے، وہ ہردا بھی اِس قابل ہونا چاہیئے۔ رامداس جی کا دِرڑھ پریم دیکھ کر آخر گوُرو امرداس جی نے اُن کو اپنے سینے سے لگایا اور رُوحانی دولت سے مالا مال کر دیا۔

59۔ صُوبیدار اور گوُرو

اہلِ باطن کا ہمنشیں بن تاکہ   اِنعام بھی پائے اور مرد بھی بنے۔[68]

مولانا رومؒ

ذِکر ہے، ایک دفعہ گوُرو تیغ بہادر صاحب آگرہ جاتے ہوئے راستے میں ایک خیمے میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ مُغل بادشاہ کا ایک اہلکار گوُرو صاحب سے ملنے کے لیے آیا۔ گوُرو صاحب اُٹھ کر اُس سے گلے ملے۔ سِکھوں کے من میں خیال آیا کہ مُغل بادشاہ تو ہِندوؤں پر اتنے ظُلم ڈھا رہا ہے اور گوُرو صاحب اِس مُسلمان اہلکار سے اتنے تپاک سے کیوں مِلے؟ گوُرو صاحب بھی بھانپ گئے کہ سِکھوں کے من میں ابھاو آ گیا ہے۔ جب اہلکار باتیں کر کے چلا گیا، تب گوُرو صاحب نے سِکھوں کو یہ واقعہ سُنایا:

مُدت ہُوئی یہ اہلکار لاہور کا صوبیدار تھا۔ اپنے محل کی چوتھی منزل پر سوتا تھا۔ روز مالن اُس کی سیج پھُولوں سے سجاتی تھی۔ ایک دِن کی بات ہے کہ مالن پھُولوں کی سیج سجا کر گئی ہی تھی کہ ایک جوگی گُٹکے کے سہارے اُڑتا ہوا کہیں سے وہاں آ گیا۔ سُونا کمرہ اور پھُولوں کی سیج دیکھ کر خیال آیا کہ کیوں نہ میں دو گھڑی یہیں آرام کر کے اپنی تھکان دُور کر لوُں؟ میرے پاس گُٹکا ہے، مجھے کون پکڑ سکتا ہے، جب چاہوں گا مُنہ میں ڈال کر اُڑ جاؤں گا۔ یہ سوچ کر پھُولوں کی سیج پر جا کر لیٹ گیا۔ جیسے ہی پھُولوں کی مہک دِماغ کو پہنچی، نیند آ گئی۔ شام ہو گئی لیکن جوگی کی آنکھ نہ کھُلی۔

صوبیدار حسبِ معمُول شام کو سونے کے لیے کمرے میں گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی بستر پر سو رہا ہے۔ اُس کا مُنہ کھُلا ہے اور کوئی چیز مُنہ سے نکل کر بستر پر گری پڑی ہے۔ اب سوچنے کی

بات ہے کہ خود ہو صوبیدار، پردے والا گھر ہو اور ایک غیر شخص اُس کے بستر پر سو جائے، کتنی بڑی بات ہے! اُس نے کچھ نہیں کہا، چاروں اطراف گھُوم کر دیکھا لیکن جوگی کو جگایا نہیں۔ سوچا کہ اپنے آپ ہی اُٹھے گا تو اچھا ہے۔ جو گُٹکا اُس کے مُنہ سے نکل کر بستر پر گِرا تھا، اُسے اُٹھا کر اُس نے جیب میں ڈال لیا اور دُور ہٹ کر بیٹھ گیا۔

جب جوگی اُٹھا تو لگا اُڑنے کی تیاری کرنے، لیکن اُڑے کیسے؟ اُڑنے والی چیز تو پاس نہیں تھی۔ رنگ فق ہو گیا۔ جب صوبیدار کو دیکھا تو رہا سہا ہوش بھی جاتا رہا۔ صوبیدار نے پُوچھا، ''جوگی تیرا کیا کھو گیا ہے؟'' جوگی نے ڈرتے ہوئے کہا، ''جی! گُٹکا تھا۔'' صوبیدار نے گُٹکا دکھاتے ہوئے کہا، ''یہ تو نہیں؟'' جوگی نے کہا، ''جی! یہی ہے۔ مہربانی کر کے مجھے دے دو۔'' صوبیدا نے گُٹکا حوالے کرتے ہوئے کہا کہ جا لے جا اور اُڑ جا۔

جوگی نے سارا ماجرہ جا کر اپنے گُورو کو سُنا دیا۔ اُس کا گُورو بہت خوش ہوا۔ اُس نے دو چار گُٹکے، اکسیر کے دو چار تنکے اور دو چار چیلوں کو ساتھ لیا اور صوبیدار کو اپنے آنے کی اِطلاع کروا دی اور مُلاقات کی خواہش ظاہر کی۔ جب مُلاقات ہوئی تو گُورو نے کہا کہ ہم آپ کا شُکرانہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں۔ آپ نے ہمارے ایک قصوروار جوگی کی جان بخشی ہے۔ یہ گُٹکے اور اکسیر کے دو چار تنکے آپ کی نذر ہیں۔ اِن کو قبُول کر لیں۔ صوبیدار نے کہا، صد افسوس! آپ نے تو اپنا جنم ہی برباد کر لیا۔ کیا آپ کو پتہ نہیں کہ خُدا نے ہمیں اِنسانی جامے کا یہ سنہری موقعہ پرمارتھ کمانے کے لیے دیا ہے؟ لیکن آپ مالک کی بھگتی کو چھوڑ کر، سونا بنانے اور باہری اُڑانیں بھرنے کی خام خیالی میں پھنس گئے اور سار وستُو کو چھوڑ کر پرچھائیں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ آپ کو معلُوم ہونا چاہیئے کہ میں لاہور کا صوبیدار ہوں؟ خزانے میرے پاس ہیں۔ پھر میں سُناروں جیسا کام کیوں کرنے لگا؟ باقی رہے گُٹکے؛ سو میں نہیں چاہتا کہ گُٹکا مُنہ میں ڈال کر چیلوں کی مانند اُڑتا پھِروں۔ میں جب بھی باہر نکلتا ہوں میرے ساتھ فوج ہوتی ہے، توپیں ہوتی ہیں اور دیگر حفاظتی سامان ہوتا ہے۔ مجھے گُٹکے لے کر کیا کرنا ہے؟''

کہانی کو ختم کرتے ہوئے گُورو تیغ بہادر جی نے اپنے سِکھوں سے کہا، ''مُغل بادشاہ کا اہلکار

جسے میں نے بڑے تپاک سے گلے لگایا تھا، یہ لاہور کا وہی صوبیدار تھا جس کی کہانی میں نے آپ کو سُنائی ہے۔ وہ پہلے بھی خُدا کا مقبول عابد تھا اور اب بھی ہے۔''

سنت مالک کے سبھی بھگتوں سے پیار کرتے ہیں۔

60۔ من کو قابُو کرنا

بِن سبدے ہوَمیں کِن ماری۔[69]
گُوروامرداس

رام چندر جی کے گُورو وشِشٹ جی نے ایک مرتبہ رام چندر جی سے کہا کہ اگر کوئی کہے کہ میں نے ہمالیہ پہاڑ اُٹھالیا، میں دو منٹ کے لیے مان لیتا ہوں کہ شاید کوئی ایسا شخص دُنیا میں ہو، جس نے ہمالیہ پہاڑ اُٹھالیا ہو۔ اگر کوئی کہے کہ میں نے سمندر پی لیا، ماننے میں نہیں آسکتا، لیکن میں دو منٹ کے لیے یہ بھی مان لیتا ہوں کہ شاید کوئی ایسا شخص ہو، جس نے سمندر کو پی لیا ہو۔ اگر کوئی کہے کہ میں نے ساری دُنیا کی ہوا کو قابُو کرلیا ہے تو یہ بھی ماننے کی بات نہیں ہے، لیکن میں ایک منٹ کے لیے مان لیتا ہوں۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ میں نے من کو قابُو کرلیا ہے تو میں یہ ماننے کے لیے ہر گز تیار نہیں۔ من ایک ایسی طاقت ہے جو آسانی سے بس میں نہیں آتی۔

61۔ شہد کی لذّت

دھندھے دھاوت جگ باندھیا نہ بُوجھےَ ویچار
جمن مرن وِسار یا من مُکھ مُگدھ گوار۔ 70

گورونانک

ایک راجہ صبح سویرے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر محل سے بہت دُور گھومتا ہوا جنگل کی طرف چلا گیا۔ کئی گھنٹے گھوڑسواری کرتے کرتے وہ ایک گھنے جنگل میں اتنی دُور نکل گیا کہ اپنا راستہ بھُول گیا۔ اپنے گھوڑے کی لگام تھامے جب اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہاں سامنے ایک شیر کو آتے دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ وہ گھوڑے کی لگام چھوڑ کر نزدیک کے پیڑ پر چڑھ کر اُس کی ایک ٹہنی پر بیٹھ گیا۔ شیر بھی اُسی پیڑ کے پاس اِس تاک میں بیٹھ گیا کہ کب راجہ نیچے اُترے اور وہ اُسے کھا جائے۔ یہ بھانپ کر راجہ نے اُس شاخ کو جانچا جِس پر وہ بیٹھا تھا کہ کیا وہ اُس کا بھار سہن کر سکتی ہے؟ لیکن جب اُس نے شاخ کی لمبائی دیکھی تو وہ اور گھبرا گیا کیونکہ جہاں سے وہ شاخ نکلتی تھی وہاں ایک سفید اور ایک کالا چُوہا شاخ کو کاٹ رہے تھے۔ ڈر کے مارے راجہ سوچنے لگا کہ اب میں کیا کروں؟ اب میں بُری طرح سے پھنس گیا ہوں اور بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

سوچنے لگا کہ اگر نیچے اُتر کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہوں تو شیر کھاتا ہے، اگر بیٹھا رہتا ہوں تو وہ چوُہے ٹہنی کاٹ رہے ہیں، میں یقیناً نیچے گِر جاؤں گا۔ پھر نیچے دیکھتا ہے کہ اگر ٹہنی ٹُوٹ گئی اور نیچے گِرا تو نیچے جگہ پکّی ہے کہ کچی، تب ایک ہولناک منظر دیکھ کر وہ کانپ اُٹھتا ہے۔ شیر کے پاس ہی ایک اژدہا (بڑا سانپ) اپنا مُنہ کھولے بیٹھا ہے کہ یہ نیچے گِرے اور میں کھاؤں۔ بڑا

پریشان ہوا کہ کِسی طرح بھی چھٹکارا نہیں ہے۔ نہ بیٹھے رہنے میں سلامتی ہے اور نہ نیچے اُترنے میں۔ جب وہ ٹہنی کو پکڑے اِس سوچ میں ڈُوبا ہوا تھا کہ اپنے آپ کو کیسے بچائے تو اچانک اُس نے دیکھا کہ اُوپر ایک شاخ پر لگے چھتّے سے شہد ٹپک رہا ہے۔ وہ شہد چاٹنے لگ گیا۔ شہد کی لذّت میں وہ ایسا مست ہو گیا کہ نہ شیر کا ڈر رہا، نہ اژدہا کا اور نہ ہی چوُہوں کا خیال رہا۔

وقت گُزرنے پر چوُہوں نے ٹہنی کو کاٹ ڈالا۔ ٹہنی نیچے گِر گئی۔ شہد کی لذّت میں مشغول راجہ مارا گیا۔ اِس کہانی میں بادشاہ کون ہے؟ وہ ہم ہیں! عُمر کی دولت لے کر ہم یہاں آئے ہیں۔ یہ جو ہمارا شریر ہے وہ ایک کرائے کا مکان ہے اور ایک دِن اِسے خالی کرنا ہے۔ شیر کال ہے جو ہماری طرف دیکھ رہا ہے اور ایک ایک پل گِن رہا ہے کہ کب عُمر پُوری ہو اور میں اسے کھاؤں۔ کالا اور سفید چوُہا دِن اور رات ہیں جو ہماری زِندگی کے پیڑ کو کاٹ رہے ہیں۔ جو دِن آج چلا گیا اُسے کل نہیں آنا ہے۔ باقی رہا اژدہا، وہ چِتا یا قبر ہے جو مُنہ کھولے دیکھ رہی ہے کہ کب یہ آئے اور کب اِس کو ہڑپ لُوں۔ اِس لیے فرید صاحب کہتے ہیں:

فریدا گور نمانی سڈ کرے نِگھریا گھر آو
سر پر مَیتھے آوَنا مرنوں نہ ڈرآ ہو [71]

قبر کہتی ہے کہ تجھے جب آنا ہے، میرے پاس ہی آنا ہے، پھر مرنے کا کیا ڈر؟ دُنیا کے بھوگ وِلاس شہد ہیں، جن میں ہم اِتنے غلطان ہوئے بیٹھے ہیں کہ ایسے خوفناک حالات سے گِھرے ہونے کے باوجود ہمیں کوئی ڈر نہیں، بلکہ کہتے ہیں، 'ایہہ جگ مِٹھا، اگلا کِن ڈِٹھا'

سو ہمیں چاہیئے کہ اِندریوں کے بھوگوں میں کھوئے رہنے کی بجائے پرماتما کی کھوج میں لگیں اور اِنسانی جنم کا پُورا فائدہ اُٹھائیں۔

62۔ سات منزلہ محل

ہم زندہ خُدا کا مقدِس ہیں۔[72]
کُرنتھیاں

ایک بادشاہ نے، جس کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی، ایک سات منزلہ محل بنوایا اور اپنی ساری دولت اُن منزلوں پر اس طرح پھیلا دی: پہلی منزل پر کوڑیاں، دُوسری منزل پر پیسے، تیسری پر روپے، چوتھی پر مہریں، پانچویں پر موتی، چھٹی پر اعلیٰ اعلیٰ ہیرے جواہرات اور ساتویں پر آپ خود بیٹھ گیا۔ شہر والوں کو خبر کر دی کہ جِس کو جو کچھ مِلے لے جائے۔ لیکن جو ایک بار آئے وہ پھر دُوسری بار نہ آئے۔ لوگ محل کی طرف دوڑ پڑے۔

بیشتر لوگ تو کوڑیوں کی گٹھڑیاں باندھ کر لے گئے۔ جو اُن سے کچھ زیادہ سمجھدار تھے، وہ پیسوں کی گٹھڑیاں باندھ کر گھر لے گئے۔ جو اور اُوپر چڑھے، وہ روپے لے کر چلے گئے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ نہیں اور آگے جانا چاہیۓ۔ وہ مہریں لے کر واپس آ گئے۔ کچھ اور اُوپر گئے وہ موتی لے کر گھر آ گئے۔ اِن سے زیادہ سمجھدار اور آگے گئے اور وہ چھٹی منزل سے ہیرے جواہرت لے کر آ گئے۔ ایک شخص کہنے لگا کہ میں سب سے اُوپر پہنچوں گا اور دیکھوں گا کہ وہاں کیا ہے؟ وہ جب اُوپر پہنچا تو دیکھا کہ وہاں بادشاہ خود بیٹھا ہوا ہے۔ راجہ وہاں بیٹھ کر یہ اِنتظار کر رہا تھا کہ اُس کی پرجا میں سے کوئی تو ایسا سمجھدار نکلے گا جو نِچلی منزلوں کی دولت کو چھوڑ کر اُوپر اُس کے پاس پہنچے گا۔ بادشاہ نے اُس کا خیر مقدم کیا اور اپنے سر سے تاج اُتار کر اُس کے سر پر رکھ دیا اور اُس کو بادشاہ بنا دیا۔

ہر اِنسان کے بھاگ میں یہ گیان نہیں ہوتا کہ جو کرم وہ اِس جنم میں کرتا ہے اُسی کا پھل اُسے اگلے جنموں میں بھُگتنا پڑتا ہے۔ دُکھ کی بات ہے کہ بہت سے لوگ اپنی زِندگی کو فضول کے کاموں میں گنوا دیتے ہیں۔

جو بیٹے بیٹیوں میں اُلجھے رہتے ہیں، وہ اپنی عُمر مانو کوڑیاں اِکٹھا کرنے میں گُزار دیتے ہیں۔ جو لوگ تھوڑے سمجھدار ہیں، وہ پیسے یا روپے کما لیتے ہیں۔ جو لوگ نِت نیم نیک پاک رہ کر نماز روزے وغیرہ رکھتے ہیں، وہ چاندی کی مہریں لے جاتے ہیں۔ جنھوں نے نو دروازے چھوڑ کر اپنے اندر پردہ کھولا، وہ آنکھوں کے اُوپر چڑھے، عالمِ فانی کو چھوڑ کر عالمِ رُوحانی یا سہنس دَل کنول میں پہنچے، اُنھوں نے سونے کی مہریں لے لیں۔ جو برہم میں پہنچے، اُنھوں نے موتی لے لیے۔ جو پار برہم میں پہنچے اُنھوں نے ہیرے جواہرات لے لیے۔ جس نے بارگاہِ الٰہی کا نشانہ باندھا اور مقامِ حق تک رسائی حاصل کی، وہ شہنشاہ ہر دو عالم یعنی اکال پُرش کے رُوبرُو پہنچ گئے اور اکال پُرش سے وِصال حاصل کر کے اُسی کا رُوپ ہو گئے۔

غور کریں، آپ کے اندر کروڑوں کھنڈ برہمنڈ ہیں، کروڑوں خوشیاں ہیں، سُکھ اور شانتی ہے۔ خود خُدا اکال پُرش آپ کے اندر ہے، اِنسانی جامے کا مقصد اُس تک پہنچنا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ جو کچھ بن پڑے، اِسی جنم میں کر لیں۔

63۔ آدمی کا اُستاد آدمی

اندر ستگُورو کے ساتھ رابطہ قائم ہو جانے پر ہی نام کی اُمنگ بیدار ہوتی ہے دُنیاداروں کی صحبت ہماری سُرت کو پھر اِندریوں کے گھاٹ پر کھینچ کر لے آتی ہے۔ اِس لیے گُورو کی صحبت یا ست سنگ اشد ضرُوری ہے۔ گُورو کا پیار ہمیں دُنیا کا موہ چھوڑنے اور اندر جانے کی طاقت بخشتا ہے۔[73]

مہاراج جگت سِنگھ

ایک بار اکبر بادشاہ کی اپنے وزیر بیربل سے بحث ہو گئی۔ بیربل کا کہنا تھا کہ آدمی آدمی سے سیکھتا ہے۔ اکبر بولا کہ نہیں، آدمی جنم سے ہی اِنسانی وصف لیکر پیدا ہوتا ہے۔

جب بیربل اکبر کی بات سے متفق نہ ہوا تو اکبر نے کہا، اپنی بات کا کوئی ثبوت دو۔ بیربل نے بارہ سال کی مُہلت مانگی۔ اکبر نے منظوُر کر لیا۔

بیربل نے مختلف گھروں میں سے دس بیس شِیر خوار بچے اِکٹھے کیے۔ اُن کی پرورش کے لیے ایک گونگی آیا مقرر کر دی اور جنگل میں اُن کے رہنے کا اِنتظام اُس جگہ کر دیا جہاں آس پاس جنگلی جانور گھُومتے پھرتے تھے۔ بارہ سال کے بعد اُن بچوں کو دربار میں پیش کیا۔ وہ بچے بندروں اور دُوسرے جنگلی جانوروں کی طرح بولتے اور ویسی ہی حرکتیں کرتے تھے۔ اکبر کو بیربل کی بات کا یقین ہو گیا۔

سو آدمی کا اُستاد آدمی ہی ہے۔ اگر اُستاد نیک پاک اور قابل ہے تو طالب کی حالت بھی ضرور بدلے گی۔ اُستاد طالب کو اُس جگہ تک پہنچا سکتا ہے جہاں تک اُسکی اپنی رسائی ہوتی ہے۔

64۔ ندی پار کرنے کا منتر

اگر تُم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوتا اور
تُم اِس تُوت کے درخت سے کہتے کہ جڑ سے اُکھڑ کر
سمندر میں جا لگ، تو وہ تمہاری مانتا۔[74]

لُوقا

ذِکر ہے، ایک عورت کِسی مہاپُرش کی سیوا کیا کرتی تھی۔ مہاتما کا ڈیرہ ندی کے پار تھا۔ اُس کا یہ قول تھا کہ ہر روز مہاتما کے لیے دُودھ لے جانا، ست سنگ سُننا اور واپس آ جانا۔

پہاڑی علاقوں میں کئی جگہ مقامی لوگ اکثر ضرُورت کے مطابق سردیوں میں دریا پر عارضی پُل باندھ دیتے ہیں۔ جب برف پگھلنا شروع ہوتی ہے تو پُل توڑ دیتے ہیں۔ جب پُل ٹوٹ جاتا ہے تو وہاں آنا جانا بند ہو جاتا ہے۔ وہ علاقہ بھی اِسی طرح کا تھا۔ کچھ عرصہ تو وہ عورت مہاتما کی سیوا کرتی رہی۔ آخر ایک دِن کہنے لگی، ''مہاتما جی! میں روز دُودھ لاتی تھی۔ لیکن کل پُل ٹُوٹ جائے گا، اِس لیے میں کل سے آپ کی سیوا میں نہیں آ پاؤں گی۔'' اُنہوں نے کہا، ایک شبد تمہیں بتاتے ہیں، اِسے یاد کر لو اور اُس شبد کو دُہراتی ہُوئی پانی پر سے اُسی طرح آیا جایا کرنا جیسے پہلے زمین یا پُل پر چل کر آیا جایا کرتی تھی۔''

سو وہ روز حسبِ معمُول دُودھ لیکر آتی اور واپس چلی جاتی۔ کِسی بناوٹی سادھُو کو اِس بات کا پتہ چلا۔ اُس نے اُس عورت کو بُلا کر پُوچھا کہ تُو کیا شبد پڑھتی ہے جس سے پانی میں ڈُوبتی نہیں۔ اُس نے اُسے وہ شبد بتا دیا۔ اب 'شبد' میں طاقت تو دینے والے ابھیاسی کی ہوتی ہے، نہ کہ بولنے

والے کی۔ لیکن اُس بناوٹی سادھُو کو کیا پتہ! من میں سوچتا ہے، ''اچھا چلو، چل کر آزماتے ہیں۔'' وہ اپنے چیلوں کی ٹولی کو ساتھ لے آیا، ایک رسّی لے کر اپنی کمر سے باندھ لی۔ چیلوں سے کہا کہ اگر میں ڈُوبنے لگوں تو مجھے کھینچ لینا۔

اُسے کیا معلوم تھا کہ یہ تو بھروسے اور گوُرو کی دیا کی چیز ہے۔ اُس شبد کو پڑھتا ہوا وہ پانی میں اُترا ہی تھا کہ لگا ڈُوبنے۔ فوراً چلاّیا، ''کھینچو! کھینچو!'' چیلوں نے ایک دم کھینچ لیا۔

ستگوُرو اُس کی مدد کرتے ہیں جو اُن پر پُورا بھروسہ رکھتا ہے۔ اُسی شبد میں طاقت ہے جو کسی سنت ستگوُرو نے بخشا ہو۔

65۔ بھائی ستھرا اور مہاتما کی آگ

کرودھ میں رُوح پھیلتی ہے۔ جب کرودھ کرو، آنکھیں لال سُرخ ہو جاتی ہیں۔ روم روم کھڑا ہو جاتا ہے۔ چہرہ اور ہی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آدمی عقل سے بے بہرہ ہو جاتا ہے یعنی دِماغی توازن کھو بیٹھتا ہے۔[75]

مہاراج ساون سِنگھ

گورو ارجن دیو جی کے وقت میں ستھرا نام کا ایک کمائی والا بے خوف فقیر ہوا ہے۔ ایک دِن کسی دوست نے اُس سے کہا کہ ایک مہاتما یہاں آئے ہیں، چلو درشن کریں۔ کہتا ہے، چلو چلیں۔ دونوں اُس مہاتما کے پاس پہنچے اور اُنہیں نمسکار کیا۔ ستھرا نے کہا، ''ہری ہر سنتو!'' اُس مہاتما نے بھی جواب میں ''ہری ہر سنتو!'' کہہ کر اُنہیں پاس بیٹھنے کو کہا۔ تھوڑی دیر چُپ رہنے کے بعد ستھرا بولا کہ مجھے آگ چاہیئے۔ مہاتما نے کہا کہ میرے پاس آگ نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد سُتھرا نے پھر پُوچھا، ''آگ ہے؟'' جواب مِلا کہ تمہیں کہہ تو دیا کہ آگ نہیں ہے۔ سُتھرا نے پھر کہا، ''مہاتما جی، مجھے آگ کی سخت ضرُورت ہے، دے دو۔'' اِس پر وہ غُصے میں بولے کہ تمہیں کتنی بار کہہ دیا کہ آگ نہیں ہے۔ جب سُتھرے نے پھر آگ مانگی تو مہاتما آپے سے باہر ہو گئے اور اُس پر برس پڑے، ''ارے مورکھ! آگ مانگنا بند کر۔ تجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے کیا کہا ہے؟ میں اِتنی بار کہہ چُکا ہوں کہ میرے پاس آگ نہیں ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟ کیوں بے وقوفوں کی طرح بار بار وہی رٹ لگائے جا رہے ہو؟'' سُتھرا چُپ ہو کر شانتی سے بیٹھ گیا۔

جیسے ہی مہاتما نے اپنی سخت کلامی بند کی، سُتھرے نے پھر کہا، ''مہاتما جی! مجھے آگ کی بہت سخت ضرورت ہے۔ کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے پاس آگ بالکل نہیں ہے؟'' اب تو مہاتما اس قدر غُصے سے آگ بگولا ہو گئے کہ اپنا ڈنڈا اُٹھا کر اُسے پیٹنے لگے حتیّٰ کہ ڈنڈا ٹوٹ گیا۔

بھائی سُتھرا نے مُسکراتے ہوئے کہا، ''مہاتما جی! کیا یہی میرے سوال کا جواب نہیں ہے؟ جب میں آپ کے پاس آیا تھا تو مجھے کچھ دُھواں اُٹھتا دِکھائی دیا تھا، اِس لیے مجھے یقین تھا کہ آگ بھی ضرور ہوگی اور اب تو آگ کی لپٹیں نکلتی صاف دِکھائی دے رہی ہیں۔ حیرانی کی بات ہے پھر بھی آپ بار بار کہے جا رہے ہیں کہ آپ کے پاس آگ نہیں ہے۔'' بھائی ستھرا کی رمزیہ بات سمجھ میں آ جانے کے بعد مہاتما کا کرودھ جاتا رہا اور شرم کے مارے سر جھُک گیا۔ اُس نے حلیمی لہجے میں کہا، ''اے نیک بندے، یہ سبق سِکھانے کے لیے میں آپ کا بہت شُکر گُزار ہوں۔ میں اپنے آپ کو سُدھارنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔''

اب یہ سمجھنے کی بات ہے کہ صبر و برداشت کا مادّہ کِسی کِسی میں ہوتا ہے، لیکن کرودھ کی آگ ہر ایک کے اندر ہے۔

66۔ فقیر کی گاؤں والوں کو نصیحت

تیرا کیا میٹھا لاگے، ہرنام پدارتھ نانک مانگے۔[76]
گورو ارجن دیو

جنوبی بھارت کے ایک گاؤں میں ایک بزرگ فقیر رہتے تھے۔گاؤں کے لوگ اکثر اُن سے صلاح لینے آتے تھے۔اُس گاؤں میں اچانک ایک بیماری پھیل گئی اور گاؤں کے سارے مُرغے مُرغیاں اور چوزے مر گئے۔گاؤں والے فقیر کے پاس گئے اور کہا، ''حضرت، ہمارے گاؤں کے سب مُرغے مُرغیاں اور چھوٹے چھوٹے چوزے تک مر گئے ہیں، ہم کیا کریں؟''

فقیر نے صِرف اِتنا ہی کہا، ''اس میں شاید کوئی بھلائی ہے۔''

کچھ دِنوں بعد پھر کوئی ایسی بیماری پھیلی کہ گاؤں کے سارے کتّے مر گئے۔گاؤں والے پھر فقیر کے پاس گئے اور عرض کی، ''حضرت، گاؤں کے سب کتّے مر گئے ہیں۔اب کُتّوں کے بغیر چوروں سے گاؤں کی رکھوالی کون کرے گا؟ ہم کیا کریں؟'' فقیر نے پھر کہا، ''اِس میں بھی کوئی بھلائی ہی ہوگی۔''

اُس زمانے میں دیا سلائی نہیں ہوتی تھی۔گاؤں میں لوگ عام طور پر آگ راکھ میں دبا کر رکھتے تھے۔گاؤں کے کتّے مرنے کے کچھ عرصہ بعد ایسی زبردست آندھی اور برسات آئی کہ سارے گاؤں کی آگ یک دم بُجھ گئی۔اِس پر لوگ اور بھی دُکھی ہو گئے۔لوگوں نے فقیر کے پاس جا کر کہا، ''حضرت! اب تو سارے گاؤں کی آگ بھی بُجھ گئی ہے۔کیا کِیا جائے؟'' وہ کہنے لگے، ''یہ مالک کی اور بھی دیا ہے۔'' لوگوں نے فقیر سے پُوچھا، ''حضرت! اِس میں دیا والی کون

سی بات ہے جب کہ ہمارے پاس کھانا بنانے کے لیے آگ بھی نہیں ہے؟''
فقیر نے کہا، ''اِنتظار کرو اور دیکھتے جاؤ۔ مالک کی موج کو سمجھنا اِتنا آسان نہیں ہے، صبر رکھو۔''
لوگوں نے اُن کی اِس بات کو پسند نہیں کیا اور دوبارہ عرض کی، ''حضرت! ہمارے حق میں کچھ دُعا کرو۔'' اُنہوں نے جواب دیا، ''اچھا! ایک دِن اور ٹھہر جاؤ، پھر اپنے آپ پتہ چل جائے گا۔'' لوگوں نے یقین نہ کرتے ہوئے آپس میں کہا کہ چلو بھائیو، یہ تو اِسی طرح کچھ بھی کہہ دیتے ہیں۔
اگلے ہی دِن ایک بادشاہ قتلِ عام کرتا ہوا اُدھر سے گُزرا۔ دُور سے دیکھ کر اُس نے کہا کہ یہاں صِرف درخت دِکھائی دیتے ہیں، نہ کوئی کُتا بھونکتا ہے، نہ کوئی مُرغ بانگ دیتا ہے اور نہ ہی کہیں سے دُھواں اُٹھتا ہوا نظر پڑتا ہے۔ لگتا ہے یہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔ چھوڑو اِس علاقے کو، آگے نکل چلو۔ یہ کہہ کر وہ گاؤں کے باہر سے ہی نکل گیا۔
اب گاؤں والوں کو معلُوم ہوا کہ جو کچھ پچھلے دِنوں ہوا، اُس میں مالک کی کیا موج تھی۔ وہ فقیر کے پاس گئے اور سچّے دِل سے اُن کا شُکریہ ادا کیا۔ فقیر نے کہا، ''بھائیو، خُدا کا شُکر ہے کہ آپ سب سلامت ہیں۔ جن پر مالک کی دیا ہوتی ہے، اُن کا بُرا نہیں ہوسکتا۔''
سو کہتے ہیں کہ فقیروں کی ہر بات میں رمز ہوتی ہے۔ جو خُدا کا حُکم مانے وہی اُس کا اصلی سیوک، وہی گورمُکھ ہے۔

67۔ بھکاری سے کیا مانگنا

پُو پھاٹی پگرا بھیا، جاگے جیوا جُون،
سب کاہُو کو دیت ہے، چونچ سمانا چُون۔ [77]
کبیر صاحب

ایک بار اکبر بادشاہ آگرہ کے آس پاس کے کسی گاؤں میں گھوڑے پر سوار ہوکر سیر کرتے کرتے دُور نکل گیا۔ جب اُسے بھُوک لگی تو ایک زمیندار کے کنوئیں پر چلا گیا۔ اُس نے معمولی سوار سمجھ کر گھوڑے کو باندھ دیا اور بادشاہ کو کچھ کھانے پینے کو دیا اور اُس کے آرام کا بھی بندوبست کر دیا۔ اکبر رُخصت ہوتے وقت کہنے لگا، "دیکھ چودھری! میں بادشاہ ہوں۔ اگر تمہیں کوئی کام پڑے تو میرے پاس آجانا۔ مجھے تمہاری مدد کر کے خوشی ہوگی۔" اُس نے کہا، "مجھے کیا کام پڑنا ہے؟ زمین کا لگان تو ہم ادا کر ہی رہے ہیں۔"

بادشاہ چلا گیا۔ مالک کی کچھ ایسی موج ہوئی کہ زمیندار کو کوئی مالی مُشکل پیش آگئی۔ اُس نے سوچا کہ شاید بادشاہ میری مُشکل کا کوئی حل نکال دے۔ شہر میں گیا، بادشاہ کو خبر کرائی۔ بادشاہ نے اُسے اندر بُلالیا۔ اُس وقت بادشاہ نماز پڑھ رہا تھا۔ نماز کے بعد بادشاہ نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی۔ زمیندار سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب بادشاہ نماز سے فارغ ہوا تو زمیندار کو دیکھ کر اُس کا خیر مقدم کیا اور پُوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ زمیندار نے عاجزی سے پُوچھا، "جنابِ اعلیٰ میں جاننا چاہوں گا کہ آپ ابھی ابھی کیا کر رہے تھے؟" بادشاہ نے کہا کہ خُدا سے دُعا مانگ رہا تھا کہ میرا فلاں کام ہوجائے، میرے راج میں شانتی بنی رہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سُن کر زمیندار نے کہا، "شُکریہ! میں

جاتا ہوں۔'' بادشاہ نے پُوچھا، '' کیوں کیا بات ہے؟ تُم تو شاید کسی کام کے لیے آئے تھے۔'' کہنے لگا، '' ہاں! آیا تو تھا لیکن میں بھی اُسی سے مانگ لونگا جس سے آپ مانگتے ہیں۔ بے شک آپ بادشاہ ہیں مگر میں نے جو دیکھا اُس سے لگتا ہے کہ آپ بھی بھکاری ہی ہیں۔ منگتے سے مانگنا تو شرم کی بات ہے۔''

سچ ہے، منگتوں سے مانگنے کا کیا فائدہ! اگر مانگنا ہے تو صِرف خُدا سے مانگنا چاہیئے۔

68۔ خُدا مر گیا

جب تک من کھڑا نہیں ہوتا، تب تک وہ مالک نہیں ملتا۔[78]

مہاراج ساون سِنگھ

ایک مرتبہ ایک مُسلمان فقیر ایک درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھے تھے اور اُن کے آس پاس اُن کے مُرید اور بہت سے اہل شریعت بھی بیٹھے تھے۔ اُن میں سے کچھ قاضی اور عُلما شریعت کے پیچیدہ نقطوں پر بحث کر رہے تھے۔ اِتنے میں فقیر کا ایک طالب آیا جس کا پردہ کھُلا ہوا تھا اور وہ بہت خوش دِکھائی دے رہا تھا۔ فقیر نے پُوچھا، ''کیا بات ہے؟ آج تُو بڑا خوش نظر آ رہا ہے۔'' طالب بولا، ''حضرت! آپ نے بجا فرمایا، میں واقعی بہت خوش ہوں کیونکہ آج خُدا مر گیا ہے۔'' فقیر نے حیران ہو کر کہا، ''یہ کیا پاگل پن ہے، لگتا ہے تیرا دِماغ خراب ہو گیا ہے۔'' فقیر نے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا کہ اِس پاگل کو دُور ہٹا دو۔ لوگ اُسے پکڑ کر دُور لے گئے اور عُلما کی شریعت پر بحث پھر جاری ہو گئی۔ لیکن کچھ ہی منٹوں کے بعد وہ طالب پھر واپس آ گیا اور جھُومتے ہوئے با آواز بلند کہنے لگا، ''بھائیو! خُدا سچ مُچ مر گیا ہے۔'' فقیر نے چِلاّ کر کہا، ''اِسے دھکے مار کر باہر نکال دو، یہ کافِر ہے۔''

اِس بار قاضی اور دیگر اہل شریعت نے اُس غریب طالب کو خوب پیٹا اور جب وہ گرتا پڑتا جا رہا تھا تو اُنہوں نے اُس پر پتھر برسانا شروع کر دیے۔ بعد ازاں جب سارے اہلِ شریعت بحث ختم کر کے وہاں سے رُخصت ہو گئے اور صِرف چند لوگ فقیر کے پاس بیٹھے تھے تو یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئے کہ وہ طالب تیسری بار پھر واپس آ گیا۔ اُس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ اُس

نے پھر لوگوں سے کہا، ''پیارے بھائیو، میرا یقین کرو، خُدا واقعی مر گیا ہے۔''

فقیر بولا، ''میرے دوست، آؤ اور میرے پاس بیٹھو۔ سچ مُچ خُدا مر گیا ہے اور تُم خوش نصیب ہو کیونکہ تُم نے حقیقت کا مُشاہدہ کر لیا ہے۔''

یہ بات سُن کر فقیر کے آس پاس بیٹھے لوگ حیران رہ گئے۔ اُنہوں نے پُوچھا، ''حضرت! یہ کیا راز ہے؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ دو بار تو آپ نے کہا کہ یہ آدمی پاگل ہے لیکن اب آپ اُسے اپنا دوست بتا کر خود بھی اُس کی تائید کر رہے ہیں کہ وہ سچ بول رہا ہے۔''

فقیر نے اُنہیں ساری بات سمجھاتے ہوئے کہا، ''بھائیو، قاضی اور عُلما شریعت سے بندھے ہوئے ہیں اور من (نفس) کے پیچھے لگ کر من مرضی کی عبادت کرتے ہیں۔ من جڑ ہے، باطل اور دھوکے باز ہے، جب کہ رُوح خُدا کی طرح لافانی اور چیتن ہے۔ قاضی اور عُلما شریعت کے غلام اور من کے مُرید ہیں۔ اِس لیے وہ ہمارے طالب کو بُرا بھلا کہنے پر خوشی محسوس کرتے تھے۔ لیکن چونکہ ہمارے طالب نے نفس کو جیت کر اپنی چشمِ باطن پر چڑھے سب پردے اُتار دیے ہیں، اِس لیے وہ بہت خوش ہے۔ اب وہ راہِ راست پر چل کر آواگون کے چکر سے چھٹکارہ پالے گا اور خُدا کے ساتھ مل کر خُدا کا رُوپ ہو جائے گا۔ اب قاضی اور عُلما سب چلے گئے ہیں، اِس لیے ہم کھُل کر اپنے اِس طالب کو مبارک باد دے سکتے ہیں کہ اُس نے اپنے نفس کو قابو کر لیا ہے۔ سو اُس لیے یہ سچ کہتا ہے کہ اِس کا خُدا (نفس) مر گیا ہے۔''

69۔ بھیڑوں میں شیر کا بچّہ

رُوحانی جیون بسر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ اِنسان مایا کے پردوں سے مُکت ہو کر خود کو پہچان لے کہ وہ آتما ہے جو خود چیتن ہے اور مہا چیتن کے سمندر کا انش ہے، تاکہ وہ اُس مہا چیتن ساگر میں مِل جائے......۔[79]

مہاراج ساون سِنگھ

ایک دفعہ ایک شیرنی اپنے بچّے کو جنم دے کر شِکار کو چلی گئی۔ بعد میں بھیڑیں چرانے والا پالی (چرواہا) آ گیا۔ اُس نے بچّے کو اُٹھا لیا اور بھیڑ کا دُودھ پِلا کر اُسے پال لیا۔ اب وہ بچّہ کافی بڑا ہو گیا تھا۔

اِتفاق سے ایک دِن وہاں شیر آ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ شیر کا بچّہ بھیڑوں کے ساتھ گھُوم رہا ہے۔ وہ اُس شیر کے بچّے کے پاس گیا اور کہا کہ تُو تو شیر ہے۔ بچّے نے کہا، ''نہیں، میں تو بھیڑ ہوں۔'' شیر نے پھر کہا، ''نہیں تُو شیر ہے۔'' شیر کے بچّے نے پھر کہا، ''نہیں میں بھیڑ ہوں۔'' اُس شیر نے کہا، ''میرے ساتھ ندی پر چل۔'' جب ندی کے کنارے پر گئے، پانی میں اپنی اور بچے کی شکل دِکھا کر کہا کہ دیکھ تیری اور میری شکل ایک جیسی ہے۔ شیر کا بچّہ کہنے لگا، ''ہاں!'' پھر شیر کہتا ہے، ''میں گرجتا ہوں، تُو بھی گرج۔'' شیر گرجا، ساتھ ہی شیر کا بچّہ بھی گرجا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بھیڑیں بھی بھاگ گئیں اور پالی بھی بھاگ گیا۔

اصل بات کیا ہے؟ یہ رُوح امرِ ربیّ ہے، کُل مالک کی انش ہے۔ یہ پہلے برہم کے قبضے میں

آئی، برہم سے تُریا پد کے مالک 'نرنجن' کے قبضے میں آئی، جس نے اِسے من کے حوالے کر دیا ہے۔ یہ جو اِندریاں ہیں، بھیڑیں ہیں۔ پالی کون ہے؟ من ہے۔ من نے اِندریوں کے ذریعہ اِسے بھرم میں ڈال رکھا ہے۔ جب کبھی اِس کو کوئی گوُرو ملا، اُس نے کہا، تُو آتما ہے اور پرماتما کی انش ہے۔ تُو اندر جا کر اپنے آپ کو پہچان اور پرکھ۔ جب آتما اندر جاتی ہے تو اپنے آپ کو پہچان لیتی ہے اور من اور اِندریوں سے چھٹکارہ حاصل کر لیتی ہے۔

70۔ دھرت راشٹر کا اندھا ہونا

جیو اپنے سب سُکھ دُکھ پرالبدھ کرموں کے انوسار پاتا ہے
اور اِنسان جیسے بُرے بھلے کرم کرتا ہے، اُن کے انوسار ویسے
ہی اُونچ نیچ جوُنیاں بھوگتا ہے۔[80]

مہاراج ساون سِنگھ

ایک مرتبہ دھرت راشٹر نے بھگوان کرشن سے پُوچھا کہ میں اندھا کیوں ہوں؟ مجھے پچھلے سو جنم کی تو خبر ہے۔ اِن سو جنموں میں مَیں نے کوئی ایسا کرم نہیں کیا جس کے کارن میں جنم سے اندھا ہوں۔ شری کرشن نے دھرت راشٹر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اور پیچھے دیکھو۔ جب دیکھا تو ایک سو چھ جنم پہلے کا ایک ایسا کرم نکلا جس کے سبب وہ اندھا ہوا۔

سو کرموں کا جال بڑا پیچیدہ ہے۔

71۔ شرن کا پرتاپ

گُورو بِن تیرا اور نہ کوئی، دھار بچن یہ من میں۔[81]

سوامی جی مہاراج

بھاگوت میں ایک کتھا آتی ہے کہ ایک بیمار اور کمزور بکری اپنے گھر سے بھٹک کر دُور کسی گھنے جنگل میں چلی گئی۔ اِس خطرناک وسیع اور گنجان جنگل میں اُس کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اِس لیے اُسے کسی سہارے کی ضرورت تھی تاکہ وہ کھانے پینے کے لیے آزادی سے چل پھر سکے۔ شیر اُس جنگل کا راجہ تھا۔ اُس نے اُس بکری پر دیا کر کے اُسے آزاد کر دیا۔ جنگل میں ہاتھی بھی رہتے تھے۔ شیر نے ہاتھیوں سے کہا کہ جب تُم پانی پینے جاؤ تو اِس بکری کو بھی ساتھ لے جا کر پانی پلا لایا کرو۔ وہ ایک ہاتھی کے اُوپر چڑھ جاتی اور پانی پی کر آ جاتی۔ اِس طرح وہ باحفاظت خوشی خوشی جنگل میں بےفکر ہو کر زِندگی بسر کرنے لگی۔

یہ سارا پرتاپ شرن لینے کا ہے۔ اِسی طرح سنتوں کی شرن میں آ کر اِنسان ذرّے سے پہاڑ اور اِرنڈ سے تُلسی بن جاتا ہے، یعنی ایک حقیر بندے سے پُورن سنت بن جاتا ہے۔

72۔ سنت وچن پلٹے نہیں

اُن کو (فُقرائے کامل کو) صحیح مانو کیونکہ وہ حقیقی طور پر قابلِ اعتبار ہیں،
اُن کی حِکمت میں جادُوئی کمال ہوتا ہے، اور اقوال میں اللہ تعالیٰ کی
طاقت نہاں ہوتی ہے۔ [82]

مولانا رُوم

جب گوُرو گوبند سنگھ صاحب پہلی مرتبہ مالوہ گئے، اُسوقت وہ اُجاڑ علاقہ تھا، بارش کی قِلت ہونے کی وجہ سے وہاں گیہوں کی فصل نہیں ہوتی تھی۔ صِرف جوَاور چنا ہوتا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے گوُروصاحب کی خوب آوَ بھگت کی۔ اُس وقت بیکانیر کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ ڈلآ براڑ قوم کا سردار تھا۔ ایک دِن گوُروصاحب اور ڈلآ گھوم رہے تھے، وہاں آک کے پودے لگے ہوئے تھے۔ اُن کی طرف اِشارہ کر کے گوُروصاحب نے کہا، ''دیکھ کتنے اچھے آم لگے ہیں۔'' ڈلآ نے کہا، ''جی! آک ہیں۔'' گوُروصاحب نے کہا، ''تُو کہہ دے آم ہیں۔'' کہتا ہے، ''میں کیسے کہہ دُوں آم ہیں؟ یہ آک ہیں۔'' ایک دُوسری جگہ کائی (گھاس) کھڑی تھی، گوُروصاحب نے کہا کہ کتنا اچھا گیہوں کھڑا ہے۔ ڈلآ کہنے لگا، ''یہ کائی ہے۔'' گوُروصاحب نے کہا، ''تُو کہہ دے یہ گیہوں ہے۔'' ڈلآ بولا، ''جی! میں کیسے کہہ دوں یہ گیہوں ہے؟ یہ تو گھاس ہے۔'' گوُروصاحب کہنے لگے، ''جا، اے بھلے آدمی! اگر تُو کہہ دیتا تو گیہوں بھی ہو جاتا، آم بھی ہو جاتے۔ لیکن اب نہیں۔ تیرے مرنے کے بعد آم اور گیہوں سب کچھ ہوگا۔ نہریں بہیں گی۔'' آج کل وہاں جا کر دیکھو۔ سنت جو کہتے ہیں اُس میں کوئی راز ہوتا ہے۔ اُن کا کہا رائیگاں نہیں جاتا۔

73۔ حضرت جُنید اور زخمی کُتّا

وہ میرے تمام کوہِ مقدّس پر نہ ضرر پہنچائیں گے نہ ہلاک کریں گے کیونکہ جس طرح سمندر پانی سے بھرا ہے اُسی طرح زمین خُداوند کے عِرفان سے معمُور ہوگی۔[83]

یسعیاہ

ایک بار حضرت جُنید بغدادی کعبہ کو جا رہے تھے۔ راستے میں اُنہوں نے ایک کتّے کو شدید زخمی حالت میں پڑا دیکھا۔ اُس کے چاروں پاؤں پر سے گاڑی گزر گئی تھی اور وہ چل نہیں سکتا تھا۔ آپ کو ترس آیا لیکن من میں سوچا کہ میں تو کعبے کو جا رہا ہوں، اِس کو ساتھ کہاں لیے پھروں گا، دُوسرے یہ پلید جانور ہے۔ پھر خیال آیا کہ یہاں اِس کا کون ہے؟ دِل میں رحم آ گیا۔ کتّے کو اُٹھا لیا اور کِسی کنویں کی تلاش کرنے لگے تاکہ اُس کے زخموں کو دھو کر اُس پر پٹّی کر دی جائے۔ آپ نے اس بات کی پروا نہ کی کہ کتّے کے زخموں سے رِستے خون سے آپ کے کپڑے خراب ہو رہے ہیں۔

اُس وقت آپ ایک ریگستان سے گُزر رہے تھے۔ جب راستے میں نخلستان سے گزر ہوا تو وہاں آپ نے ایک ویران کنواں دیکھا۔ لیکن آپ کے پاس کنویں سے پانی نکالنے کے لیے کوئی رسّی اور ڈول وغیرہ نہیں تھے۔ آپ نے چند پتّے لیکر ایک دونا بنایا اور اُسے اپنی پگڑی کے سِرے سے باندھ کر لٹکایا۔ پانی کافی نیچے تھا، دونا وہاں تک پہنچ نہ سکا۔ ساتھ میں اپنی قمیض باندھی لیکن پھر بھی دونا پانی کی سطح تک نہ پہنچا۔ اِدھر اُدھر دیکھا، کوئی نظر نہیں آیا۔ پھر پاجامہ اُتار

کرساتھ باندھا۔تب کہیں دونا پانی تک پہنچا۔دو چار دو نے نکال کر کتّے کو پانی پلایا اور وہ ہوش میں آ گیا۔پھر اُس کے زخموں کو پانی سے صاف کیا اور اُس پر پٹّی باندھی۔کپڑے پہن کر آپ نے کتّے کو پھر اُٹھالیا اور آگے چل دیے۔راستے میں ایک مسجد دِکھائی دی۔آپ نے مُلّا سے اِلتجا کی کہ اُس کتّے کا خیال رکھنا، میں کعبے حج کو جارہا ہوں۔آکر لے لُوں گا۔جب رات کو سویا تو بشارت ہوئی کہ تُو نے میرے ایک جیو کی رکشا کی ہے، تیرا حج قبُول ہوگیا۔اب چاہے حج پر جایا نہ جا، تیری مرضی ہے۔

سو بے زبان پر ترس کھانا بڑی اُونچی بات ہے۔

74۔ آدھی رات کا سُورج

تو اندھیرا بھی تجھ سے چِھپا نہیں سکتا۔ بلکہ رات
بھی دِن کی مانند روشن ہے۔ اندھیرا اور اُجالا
دونوں یکساں ہیں۔ [84]

زبُور

ایک بار کا ذِکر ہے گُورونانک صاحب کے پاس آپ کے بڑے لڑکے شری چند جی بیٹھے تھے۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ آپ نے کہا کہ سُورج کتنا شاندار چمک رہا ہے! شری چند جی نے کہا، پِتا جی، اِس وقت تو آدھی رات ہے، سُورج کہاں۔ تھوڑی دیر بعد دُوسرے لڑکے لکھمید داس جی آئے تو گُوروصاحب نے پھر وہی بچن فرمائے کہ کتنا خوبصورت سوُرج ہے! اُس نے بھی کہا کہ اِس وقت سوُرج کہاں سے آیا؟

جب گُوروصاحب نے یہی بچن بھائی لہنا (گُوروانگددیو) سے فرمائے کہ بھائی جی سوُرج نکلا ہوا ہے، جاؤ کپڑے دھو کر لاؤ۔ بھائی صاحب اِس راز سے واقف تھے، وہ ابھیاسی تھے، اندر روز سوُرج دیکھتے تھے۔ اُنہوں نے کہا، ''جی ہاں، خوب دھوپ نکلی ہوئی ہے، میں ابھی جا کر کپڑے دھولاتا ہوں۔'' وہ اُسی وقت کپڑے دھونے چلے گئے اور سُکھا کر لے آئے۔

سوسنتوں کے بچن پر شک نہیں کرنا چاہیئے، وہ جو بچن فرماتے ہیں اُن میں گہری رمز ہوتی ہے، جِسے کوئی راز کا محرم یا واقفکار ہی سمجھ سکتا ہے۔

75۔ شیخ شِبلی اور دو مُتلاشی

ہر کا سیوک سو ہر جیہا، بھید نہ جانہو مانس دیہا۔[85]

گوُروارجن دیو

شیخ شِبلی کے پاس دو مُتلاشی بیعت ہونے کے لیے آئے۔آپ نے دیکھا کہ اُن میں سے ایک بیعت ہونے کے قابل ہے اور دُوسرا نا اہل ہے۔آپ نے فرمایا کہ آپ ایک ساتھ نہیں الگ الگ آؤ۔ جب پہلے نے آکر عرض کی کہ جی، بیعت کرو۔آپ نے کہا کہ پڑھ کلمہ۔ وہ بولا،''جی پڑھاؤ۔'' آپ نے کہا،''پڑھ، لا اِلہٰ اِلّا اللہ شِبلی رسُول اللہ۔'' اُس نے کہا،''توبہ توبہ!'' آپ نے بھی کہا،''توبہ توبہ!'' اُس نے پُوچھا،''آپ نے کیوں توبہ کی؟'' بولے،''پہلے تُو بتا کہ تُو نے کیوں توبہ کی؟'' اُس نے کہا،''آپ ایک معمولی فقیر ہو لیکن دعویٰ کرتے ہیں رسُول ہونے کا، میں نے اِس لیے توبہ کی۔اب آپ بتاؤ آپ نے کیوں توبہ کی؟'' آپ نے کہا،''میں نے اِس لیے توبہ کی کیونکہ میں اِتنی اُونچی نام کی دولت ایک مَیلے ہر دے میں ڈالنے لگا تھا، بچ گیا! تُو ہمارے کام کا نہیں، کسی مسجد کے مُلّا کے پاس جا۔''

جب دُوسرا مُتلاشی آیا اور بیعت کے لیے عرض کی تو آپ نے کہا،''پڑھ کلمہ۔'' اُس نے کہا، ''جی پڑھاؤ۔'' کہنے لگے، پڑھ، لا اِلہٰ اِلّا اللہ شِبلی رسُول اللہ۔''

جب آپ نے یہ کہا تو اُس آدمی نے جواب دیا،''حضرت! میں جاتا ہوں۔'' آپ نے پُوچھا کہ کیوں؟ اُس نے کہا،''مجھے ایک شک ہو چلا ہے اور وہ یہ کہ پیغمبر کی اُمّت میں سے تو میں پہلے ہی ہوں۔قُرآن شریف میرے گھر میں ہے۔آپ بھی اپنے آپ کو پیغمبر بتا رہے ہیں اس لیے

مجھے آپ سے بیعت ہونے کی ضرورت نہیں لگتی۔ میرا آپ کے بارے خیال اُونچا تھا، لیکن آپ نے نیچا خیال ظاہر کیا۔ میں نے سُنا تھا کہ مُرشد اور خُدا ایک ہوتے ہیں، یعنی مُرشد واصلِ حق ہوتا ہے اور وہ اپنے مُرید کو بھی خُدا سے ملانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ بھی خُدا رسیدہ مُرشدِ کامل ہیں۔'' شیخ شبلی نے اُسے سینے سے لگالیا اور بولے، ''تُم بیعت ہونے کے قابل ہو، خاطر جمع رکھو، میں تمہیں بیعت کروں گا۔''

جو خُدا کا عاشق ہے وہ خُدا ہی کا رُوپ ہے۔ اُس میں اور خُدا میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

76۔ ڈلاّ کا اِمتحان

میں تیری شہادتوں سے لپٹا ہوا ہُوں ۔ اے خُداوند! مجھے شرمندہ نہ ہونے دے ۔ جب تُو میرا حوصلہ بڑھائے گا تو میں تیرے فرمان کی راہ میں دوڑُوں گا ۔[86]

زبُور

ذِکر ہے، مُسلمانوں کی حکومت تھی ۔ ایک ایسا وقت آیا کہ گُورو گوبند سنگھ جی کو مجبوراً آنند پور چھوڑنا پڑا ۔ ڈلاّ نام کا براڑ قوم کا ایک سردار گُورو صاحب سے مِلا اور بولا، ''مہاراج! اگر آپ ہمیں خبر کرتے تو ہم جا کر مُسلمانوں سے مُقابلہ کرتے، آپ کو آنند پُور نہ چھوڑنا پڑتا ۔'' گُورو صاحب نے اُس سے کہا، ''جو مالک کا حُکم ۔'' ڈلاّ نے کہا، ''نہیں جی، آپ بتاتے تو صحیح ۔''

اُن دِنوں توڑے دار بندوقیں ہوتی تھیں ۔ اِسی طرح پتھر کلا بندوقیں بھی ہوتی تھیں جو سب سے اچھی سمجھی جاتی تھیں ۔ اُس کا گھوڑا پہلے پتھر پر پڑتا تھا جس میں سے آگ نکلتی تھی، پھر گولی چلتی تھی ۔ ایک سِکھ گُورو صاحب کے پاس ایک بڑی اچھی نئی قسم کی 'پتھر کلا' بندوق بنا کر لایا ۔ گورو صاحب نے کہا کہ کِس پر آزمائیں؟ اِس کے آزمانے کے واسطے آدمی ہی ٹھیک رہے گا ۔ پھر ڈلاّ کو کہا، ''کوئی آدمی کھڑا کرو جس پر بندوق کا نشانہ آزمائیں ۔'' جب ڈلاّ نے اپنے آدمیوں سے پُوچھا تو کوئی بھی مرنے کے لیے تیار نہیں تھا، حالانکہ گُورو صاحب نے مارنا کِسی کو نہیں تھا، صِرف آزمانا ہی تھا ۔ لیکن کوئی نہ آیا ۔ جب کوئی نہ آیا تو گُورو صاحب نے کہا، ''ڈلاّ! تُو ہی آجا ۔'' ڈلاّ بولا، ''جی، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، وہ میرے بعد کیا کریں گے!'' گُورو

صاحب نے کہا، ''بس؟ یُوں ہی کہتا تھا کہ خبر کرتے تو آنند پُور نہ چھوڑنا پڑتا؟'' ڈلّا شرمندہ ہوگیا۔ پھر گُورو صاحب نے اُسے حُکم دیا کہ گھوڑوں کے طبیلہ میں جاؤ اور جو میرا کوئی آدمی وہاں ہو اُس سے کہنا کہ گُورو صاحب کے پاس ایک بندوق آئی ہے، اُس کے نشانے کے لیے ایک آدمی چاہیئے۔ جب ڈلّا نے جا کر کہا تو جو سِکھ جس حالت میں تھا اُسی طرح اُٹھ بھاگا، کوئی بالوں میں کنگھا کر رہا تھا، کوئی پگڑی باندھ رہا تھا تو کوئی تہبند باندھ رہا تھا، ہر ایک جیسا تھا ویسا ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ ہر ایک اپنی باری لگانے کے لیے ہر دُوسرے آدمی کی کارگزاری بتاتا کہ فلاں گھوڑوں کی بڑی سیوا کرتا ہے، اُس کی پیچھے ضرورت ہے، فلاں سِکھ نے چمکور کی جنگ میں بڑی بہادری دِکھائی تھی، فلاں فلاں کام میں ماہر ہے پیچھے کام آسکتا ہے۔ ہر کوئی یہی کہتا کہ اِس کو نہ مارو، مجھے نشانہ لگاؤ۔ گُورو صاحب نے سب کو ایک قطار میں کھڑا کر کے بندوق کی گولی چلا کر سب کے اُوپر سے نکال دی۔ مارنا تو کِسے تھا، صِرف اِمتحان لینا تھا۔ ڈلّا بہت پچھتایا اور بولا کہ اگر مجھے خبر ہوتی کہ گُورو صاحب نے صِرف آزمانا ہے، مارنا نہیں، تو میں بھی اپنے آپ کو نشانے کے لیے پیش کر دیتا۔

اِمتحان کی گھڑی میں کوئی کوئی ہی پاس ہوتا ہے۔ مالک کِسی کا اِمتحان نہ لے۔

77۔ راجہ جنک کو گیان حاصل ہونا

اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں۔ بلکہ اپنے لیے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دِل بھی لگا رہے گا۔[86]

متی

ایک بار راجہ جنک نے چاہا کہ میں پرم پد حاصل کروں۔ یہ سوچ کر اُس نے ایک ہزار گائیں منگوایں اور ہر ایک گائے کے سینگ پر بیس بیس مُہریں باندھ دیں اور حُکم دیا کہ جو شخص شاستر ارتھ میں جیت جائے، وہ گائیں لے جائے۔ کئی مہینے تک رِشیوں میں بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ آخر یاگیہ ولک سب رِشیوں میں سے اوّل نکلا اور وہ ایک ہزار گائیں مُہروں سمیت لے گیا۔

راجہ نے کہا کہ جو مجھے لکش گیان میرے اندر کروائے گا اُسے مُہروں سمیت ایک ہزار گائیں اور دُوں گا۔ یاگیہ ولک واچک گیانی تھا۔ اُس نے ترک و قیاس سے سارا سِدھانت سمجھا دیا، لیکن اندر لکش گیان یعنی مُشاہدہ نہ کروا سکا۔

آخر میں راجہ نے ایک سِنگھاسن بنوایا اور مُلک کے سارے مہاتما بُلائے۔ راجہ نے اعلان کیا کہ جو مجھے اِتنے وقت میں گیان کرا دے جتنا وقت گھوڑے پر سوار ہونے میں لگتا ہے، وہ اِس سنگھاسن پر آ کر بیٹھ جائے۔ سب مہاتماؤں کی متفق رائے تھی کہ گیان کوئی گھول کر پلانے کی

شے نہیں ہے جو جھٹ سے پِلا دی جائے۔ گیان مُطالعہ کے ذریعہ کچھ حاصل کرنے کی شے ہے، جس میں مُدّتیں درکار ہیں۔ اِتنے میں رِشی اشٹاوکر جی آ گئے، جن کا شریر کئی جگہ سے کبڑا تھا، اور جا کر اُس سنگھاسن پر بیٹھ گئے۔ آپ نے سوچا کہ اگر راجہ کو اُس کی شرط کے مُطابق گیان نہ کرایا گیا تو سنتوں کی پرمپرا کو لاج لگے گی۔

رِشیوں نے سمجھا کہ کوئی سِرپھِرا سنگھاسن پر آ بیٹھا ہے، اِس لیے آپ کے کبڑے شریر کو دیکھ کر سب ہنس پڑے۔ اشٹاوکر جی نے کہا، ''میں نے سوچا تھا کہ یہ مہا پُرشوں کی سبھا ہے جو آتم گیان دیکھتے ہیں، لیکن آپ آتما نہیں موچیوں کی طرح شریر کو دیکھتے ہو۔''

اشٹاوکر نے راجہ کو پُوچھا کہ گیان لینے سے پہلے گُورو دکشنا دی جاتی ہے، شُکرانہ بھی ہوتا ہے۔ دے گا؟ راجہ بولا، ''جو کچھ میرے پاس ہے، میں دینے کے لیے تیار ہوں۔'' اشٹاوکر نے کہا، میں وہی مانگوں گا جو تیرے پاس ہے، مجھے اپنا تن، من اور دھن دے دے۔'' راجہ نے سوچ کر کہا کہ میں نے دیا۔ اشٹاوکر نے کہا، ''پھر سوچ لو۔'' راجہ بولا کہ جی، میں نے سوچ لیا۔ اشٹاوکر نے کہا کہ کرو سنکلپ۔ راجہ نے ہاتھ میں پانی کا چُلو بھر کر سنکلپ کر لیا۔

اب اشٹاوکر نے راجہ سے کہا، ''دیکھ راجہ، تُو مجھے اپنا تن، اپنا من اور اپنا دھن دے چُکا ہے۔ اب اِن کا مالک میں ہوں، میں حُکم دیتا ہوں کہ تُو جا کر سب کے جوتوں میں بیٹھ جا۔'' دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔ سب سوچنے لگے کہ راجہ اپنے راج میں اپنی پرجا کے سامنے اُن کے جوتوں میں جا کر کیسے بیٹھے گا؟ ایسا کر پانے کی اُمید تو کِسی نیچ ہی سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن راجہ سچا متلاشی تھا، بنا کسی ہچکچاہٹ کے، جا کر سب کے جوتوں میں بیٹھ گیا۔ اشٹاوکر چاہتے تھے کہ راجہ کی لوک لاج چُھوٹ جائے جو رُوحانیت کی راہ میں بڑی بھاری رُکاوٹ ہے۔ بڑے بڑے مہاتما یہاں آ کر اٹک جاتے ہیں۔ پھر اشٹاوکر نے کہا کہ راجہ، اب گیان میں دیر تمہاری وجہ سے ہو رہی ہے۔ یہ دھن دولت، محل ماڑیاں، راج پاٹ، رانیاں وغیرہ جن میں تیرا خیال اب جا رہا ہے، یہ سب تم مجھے دے چکے ہو۔ اب کِسی چیز پر تمہارا اختیار نہیں ہے۔ سو راجہ کا خیال باہر جس طرف جاتا ہے وہاں سے واپس آ جاتا ہے۔ آخر راجہ آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا تا کہ باہر کا کوئی خیال نہ آئے۔ یہی رِشی اشٹاوکر چاہتے تھے کہ راجہ انتر مُکھ ہو۔ اب رِشی نے پُوچھا، ''تُو کہاں ہے؟'' راجہ بولا

کہ میں اندر رہوں۔ اشٹاوکر نے پھر کہا، ''یہ من بھی تم مجھے دے چکے ہو، خبردار جو اندر اِس سے کوئی خیال اُٹھایا!'' راجہ کو ہر بات کی سمجھ آتی جا رہی تھی۔ جب یہ سچائی سمجھ میں آئی کہ من پر اُس کا کوئی اختیار نہیں، تو من کا دوڑنا بند ہو گیا۔ خیال ٹِک گیا۔

جب خیال ٹِک گیا، اشٹاوکر نے اپنی توجہ دے دی۔ راجہ کی آتما اندر چلی گئی، اندر رُوحانی منزلوں کی سَیر کرنے لگی اور شبد کی لذّت میں مسرُور ہو گئی۔ اشٹاوکر نے وہاں موجود رِشیوں کو کہا کہ بُلاؤ راجہ کو۔ لیکن اب کون سامنے سے جواب دے! رِشی نے جتنی دیر مُناسب سمجھا، راجہ کو آتم گیان کے سرُور میں مخمُور رکھا۔ آخر میں اُس کا خیال نیچے لائے۔

جب راجہ نے آنکھیں کھولیں تو سب کے سامنے اشٹاوکر نے راجہ کو پُوچھا، ''کیا گیان ہو گیا؟'' راجہ نے سر جھکا کر جواب دیا، ''جی گُورو جی! گیان ہو گیا اور ایسا گیان کہ جس کے بارے میں میں قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا!'' رِشی نے ایک بار پھر پُوچھا، ''کوئی شک تو نہیں رہا؟'' راجہ جنک نے جواب دیا، ''جی، کوئی شک نہیں۔''

رِشی اشٹاوکر نے کہا، ''میں تیرا تن، تیرا من اور تیرا دھن تجھے پرشاد کے طور پر واپس دیتا ہوں۔ اب اِن کو کبھی اپنا نہ سمجھنا۔ اِن کو میری امانت سمجھ کر استعمال کرنا۔ دُنیا اور دُنیا کے پدارتھ دِل سے نکال دینے کے عوض تجھے نام کی انمول دات مِلی ہے۔ اب راج بھی کر اور نام کی کمائی بھی کر۔ اب تمہارا من دُنیا کی عیش و عشرت کی طرف نہیں جائے گا، بلکہ پرماتما کی بھگتی اور پیار کی مستی کے لیے ہی بے قرار رہے گا۔''

78۔ کِس کا سیوک؟

کُٹمب پریوار مطلب کا، بِنا دھن پاس نہیں آئی۔ [88]

سوامی جی مہاراج

گُورو گوبند سِنگھ جی کا دربار لگا ہُوا تھا۔ سِکھّی کا مضمُون زیرِ بحث تھا۔ گُورو صاحب نے کہا کہ گُورو کا سِکھ تو کوئی کوئی ہے، باقی سب من کے سِکھ ہیں، کوئی اِستری کا غُلام ہے اور کوئی بال بچوں کا۔ بحث ختم ہونے کے بعد آپ نے ایک سِکھ کو آزمانا چاہا جو سِکھّی کا بہت دم بھرتا تھا۔

آپ نے خواہش ظاہر کی کہ ہمیں کپڑے کے تھان کی ضرورت ہے۔ اُس سِکھ نے اگلے دِن دربار میں حاضر کرنے کا وعدہ کیا۔ وہ ماتھا ٹیک کر شہر چلا گیا اور کپڑا خرید کر گھر لوٹا۔ اُس کی بیوی نے پُوچھا کہ یہ کپڑا کیسے لائے؟ اُس نے جواب دیا کہ گُورو صاحب کے لیے خریدا ہے۔ کل دربار میں دینا ہے۔ وہ بولی، ''یہ کپڑا تو میں نہیں دُوں گی۔ بچوں کے لیے ضرورت ہے۔ کپڑا بہت اچھا ہے، گُورو صاحب کے لیے اور لے آنا۔'' اُس نے کہا، ''دُکاندار کے پاس تو یہی ایک تھان بچا تھا۔ اِس کے ساتھ کا اور کپڑا دستیاب نہیں ہے۔'' اِس پر وہ بولی، ''تب تو میں اِس کو ضرور رکھوں گی۔'' اُس نے پُوری کوشش کی، لیکن اُس کی ایک نہ چلی۔ اُس نے بہانہ سِکھا دیا کہ گُورو صاحب کو کیا پتہ چلے گا؟ کل پُوچھیں گے تو کہہ دینا کہ ابھی پسند کا کپڑا نہیں مِلا۔ وہ بیچارا چُپ ہو گیا۔ اگلے دِن جب دربار میں گُورو صاحب نے پُوچھا، ''کپڑا لائے ہو؟'' تو بولا، ''جی نہیں! ابھی نہیں مِلا۔'' سِکھ اپنے گُورو کو تن اور دھن تو سونپ دیتا ہے، لیکن من نہیں سونپتا، اگر من سونپ دے تو گُورمُکھ بن جائے۔

من بیچے ستگُورو کے پاس، تِس سیوک کے کارج راس۔ [89]

79۔ بھجن سمرن کی اہمیت

جو گُورو کا بھگت ہے وہ خواہ کیسا بھی ہے، لیکن گُورو اُسے نرکوں
میں نہیں جانے دیتا۔[90]

مہاراج ساون سنگھ

جب راجہ جنک استھول شریر کو تیاگ کر اپنے دھام کو جا رہے تھے، راستے میں کیا دیکھتے ہیں کہ نرکوں میں جیو جل رہے ہیں اور بڑی چیخ و پکار ہو رہی ہے۔ اُنہوں نے پہلے جمدُوتوں سے پُوچھا کہ اِن پر اتنے ظُلم کیوں ڈھائے جا رہے ہیں؟ جب اُن سے کوئی جواب نہ مِلا تو دھرم رائے کو پُوچھا کہ اِن کا چھٹکارہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دھرم رائے نے کہا کہ اگر کوئی کامل مہاتما اپنے نام کی کمائی دے تو یہ آزاد ہو سکتے ہیں۔ راجہ جنک نے وہاں ڈھائی گھڑی کے تپ کا پھل دیا اور تب وہ سب جیو نرک سے آزاد ہو کر مات لوک میں آ گئے اور اُنہیں اِنسانی قالب نصیب ہوا۔

80۔ کالا نُور

جو نام لے کر رکھ چھوڑے، اُسے فائدہ کچھ نہیں۔ جس طرح کسی کمہار کو ہیرا مِل گیا، اُس نے گدھے کے گلے میں باندھ دیا، قدر نہیں کی۔ [91]

مہاراج ساون سنگھ

ذِکر ہے، ایک میراثی غلطی سے مسجد میں جا پہنچا۔ وہاں پانچ نمازی موجود تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ آؤ، وُضو کر کے نماز پڑھیں۔ میراثی نے پُوچھا، ''نماز سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟'' اُنہوں نے جواب دیا کہ نماز پڑھنے سے چہرے پر خُدا کا نُور آتا ہے۔ یہ سُن کر میراثی بولا، ''بہت اچھا! ابھی تو مجھے کام ہے لیکن گھر جا کر ضرور پڑھوں گا۔'' اتنا کہکر وہ گھر چلا گیا اور وہ نماز میں لگ گئے۔

میراثی کو نشہ کرنے کی عادت تھی۔ جب رات کے پچھلے پہر وہ اُٹھا تو سوچنے لگا کہ اگر پانی سے وُضو کیا تو نشہ ٹُوٹ جائے گا۔ نماز بھی ضرور پڑھنی تھی تا کہ چہرے پر نُور آ جائے۔ اُس نے مِٹّی سے وُضو کرنے کا فیصلہ کیا۔ رات تھی، اندھیرے میں ہی زمین پر ہاتھ مار کر مُنہ پر پھیرنے لگا۔ زمین پر کہیں اندھیرے میں توا اُلٹا پڑا ہوا تھا۔ توے کی سیاہی سے وُضو کر کے اُس نے بڑے پریم سے نماز پڑھی۔ جب دِن نکلا تو اپنی بیوی سے پُوچھنے لگا کہ ذرا دیکھ، میرے چہرے پر نُور آیا ہے؟ وہ بولی، ''اگر نُور کا رنگ کالا ہے، تو گھٹائیں باندھ کر آیا ہے۔ اور اگر نُور گورا ہے یا کسی اور رنگ کا تو جو پہلے تھا وہ نُور بھی جاتا رہا!''

یہی حال ہمارا ہے۔ ہم نام لے کر کمائی تو کرتے نہیں، اور کہتے ہیں کہ رُوح کھنڈوں برہمنڈوں پر چڑھ جائے۔

81۔ دھرتی کی پرکرماں

گُورو کے بِنا سب کرم دھرم بے معنی ہیں، 'بِن مُرشد کامل بُلّھیا
تیری ایویں گئی عبادت کیتی۔' جب تک جیو کی اندر کی آنکھ نہیں کھلتی
اور حقیقت سے تعلق قائم نہیں ہوتا، اُس کا کلیان نہیں ہوسکتا۔ اِس
کام کے لیے ہمیں کسی گُورو کی شرن لینی پڑتی ہے۔[92]

مہاراج ساون سِنگھ

شِو جی کے بیٹے کارتک اور گنیش جی نے ایک دِن شِو جی سے پُوچھا کہ آپ اپنی گدّی کِس کو دیں گے؟ شِو جی نے کہا کہ جو دھرتی کی پرکرماں کر کے پہلے واپس آجائے۔ اب گنیش جی کی سواری تھی چوُہا اور کارتک کی سوای تھی مور۔ کارتک تو مور پر سوار ہو کر دھرتی کی پرکرماں کرنے چل پڑا۔ اِدھر گنیش جی نے یہ جان کر کہ گُورو ہی کُل مالک ہے، ساری سرشٹی میں ویاپک ہے، شِو جی کو ہی ماتھا ٹیک دیا اور اُنہیں کی پرکرماں کر لی۔ شِو جی مہاراج نے خوش ہو کر گنیش جی کو وردان دیا کہ جہاں کہیں پُوجا ہوگی تیرے نام سے ہوگی۔ بھارت میں گنیش کی پُوجا تو سبھی کرتے ہیں لیکن کارتک کو کوئی جانتا بھی نہیں۔

گُورو کی پُوجا میں سب کی پُوجا آجاتی ہے۔

گُورو پُوجا میں سب کی پُوجا، جَس سمُدر سب ندی سماجا۔[93]

82۔ شُکدیواور راجہ جنک

گُورو کے بغیر پرماتما کا گیان ہونا ناممکن ہے۔ گُورو کی مدد کی شِشش کو قدم قدم پر ضرورت ہے۔ [94]

مہاراج ساون سِنگھ

شُکدیو رِشی ویدویاس کا بیٹا تھا۔ چودہ کلا سمپُورن تھا اور اُسے گربھ میں ہی گیان ہو گیا تھا۔ وہ جنم نہیں لیتا تھا کہ اگر جنم لیا تو مایا گُمراہ کر دے گی۔ آخر اُس کے لیے بھگوان نے پانچ پل مایا کی گتی بند کی تا کہ وہ جنم لے لے۔ چھوٹی عُمر میں ہی ابھیاس کرنے کے لیے وہ جنگل میں چلا گیا۔

ایک دِن ابھیاس میں بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ جِس کا دھیان کرتے ہیں اُس کے درشن بھی کریں، اندر وِشنوُ پُوری میں چلیں۔ سہنس دل کنول تک ساری پُوریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ جب وِشنوُ پُوری میں گیا تو دھکے پڑے۔ جو دوارپال تھے، اُنھوں نے وِشنوُ سے کہا تھا کہ شُکدیو آپ کے درشنوں کے لیے آیا ہے، اور وِشنوُ نے کہا تھا کہ وہ تو نِگوُرا ہے، میرے دربار میں نِگوُرے کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

آخر شُکدیو ابھیاس سے اُٹھ کر باہر اپنے پِتا کے پاس گیا اور بتایا کہ آج مجھے وِشنوُ پُوری سے دھکے پڑے ہیں۔ اہنکار تھا کہ رِشی کا بیٹا ہوں، مجھے دھکے کیوں پڑے؟ کہنے لگا، کیا مجھے بھی گُورو کی ضرورت ہے؟ پِتا ویدویاس نے 'ہاں' میں جواب دیا اور کہا کہ اِس وقت اگر کوئی قابل گُورو ہے تو وہ راجہ جنک ہے۔ یہ سُن کر شُکدیو نے کہا، ''آپ کی بات میری سمجھ سے باہر ہے۔ وہ راجہ، میں رِشی! وہ گرہستی، میں تیاگی! وہ کشتری، میں برہمن! وہ چکرورتی، میں سنیاسی! میں اُسے گُورو کیسے دھارن کروں؟''

ویدویاس نے کہا کہ اُس جیسا اور کوئی گورُو نہیں ہے۔ پِتا نے بارہ مرتبہ اُسے راجہ جنک کے پاس بھیجا، وہ جاتا اور کوئی نہ کوئی ابھاوَ لیکر راستے سے واپس آجاتا۔ ایک بار وہاں پہنچا بھی، لیکن من نہ مانا۔ اب راجاؤں کے محل بھی ہوتے ہیں، دربار بھی لگتے ہیں۔ سوچتا ہے راجہ بڑا بھوگی ہے، اِسی لیے تو میں اِس کو گورُو نہیں دھارن کرنا چاہتا۔ اب قاعدہ ہے کہ اگر کوئی کمائی والے مہاتما کی نِندا کرے تو اُس کی اپنی کمائی گھٹتی ہے۔ شُکدیو جوں جوں ابھاوَ لاتا، اُس کی کمائی گھٹتی جاتی۔ اب چودہ کلا میں سے دو کلا ہی باقی رہ گئیں۔

جب تیرہویں بار پِتا نے بھیجا تو نارد مُنی نے دیکھا کہ یہ بےوقوف تو لُٹا جا رہا ہے۔ راستے میں ایک نالہ پڑتا تھا۔ ایک بُوڑھے برہمن کا رُوپ دھارن کر کے اُس میں مِٹی پھینکنے لگا، جو ڈالتے ہی بہہ جاتی۔ پھر مِٹی کی ٹوکری بھر کر ڈالتا، پھر بہہ جاتی۔ شُکدیو نے دیکھا کہ بُوڑھا آدمی ہے، آخری عُمر ہے۔ بڑی مشکل سے مِٹی کی بھری ٹوکری لاکر پھینکتا ہے، پانی بہا کر لے جاتا ہے۔ اُس سے بولا، ''دیکھ بابا! پہلے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھو، پھر مِٹی کے ڈھیلے رکھو اور پھر مِٹی ڈالو، تب باندھ لگے گا۔ اِس طرح تو تمہارا وقت اور محنت بےکار جا رہے ہیں۔'' نارد جی نے کہا، ''میری تو آج کی محنت بےکار گئی، لیکن میرے سے بھی زیادہ بےوقوف ویدویاس کا بیٹا شُکدیو ہے، جو بار بار راجہ جنک پر ابھاوَ لاکر اپنی چودہ میں سے بارہ کلا برباد کر چکا ہے، صِرف دو کلا باقی بچی ہیں۔'' جب شُکدیو نے سُنا تو غش کھا کر گِر پڑا۔ نارد جی اپنا کام کر کے چلتے بنے۔

جب ہوش آیا تو نہ وہاں کوئی بُوڑھا تھا نہ کوئی اور، لیکن اُسے بُوڑھے آدمی کے شبد یاد تھے۔ چوٹ لگ گئی۔ قسم لی کہ اب اپنا مقصد پُورا کرنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ تب وہ سیدھا راجہ جنک کے پاس پہنچا۔

اپنی آتماؤں کو واپس اپنے پاس لانے کے لیے کُل مالک کے اپنے طریقے ہوتے ہیں۔

83۔ چور جو سُدھر گیا

(داؤُو) ستگوُ روپسُو مانس کرے، مانس تھےَ سِدھ سوئی
داؤُو سِدھ تھیں دیوتا، دیو نرنجن ہوئی۔ [95]

سنت داؤُو دیال

ذِکر ہے، ایک بہت بڑا چور تھا۔ عُمر بھر چوری کرتا رہا، جب مرنے لگا تو اُس نے اپنے بیٹے کو بُلا کر نصیحت کی کہ اگر تجھے چوری کا دھندہ اختیار کرنا ہے تو کِسی مندر، مسجد، گوُرودوارے یا اور کسی دھرم استھان میں نہ جانا، بلکہ اِن سے دُور ہی رہنا۔ دُوسری بات، اگر پکڑے جاؤ تو جُرم کا اقبال نہ کرنا خواہ کتنی ہی سخت مار کیوں نہ پڑے۔ لڑکے نے کہا کہ جی، ایسا ہی کروں گا۔ نصیحت کر کے چور مر گیا اور اُس کا لڑکا چوری کے دھندے میں پڑ گیا۔

ایک مرتبہ اُس لڑکے نے چوری کے لیے کِسی گھر کے تالے توڑے، گھر والے جاگ پڑے اور اُنہوں نے شور مچا دیا۔ آگے پہرے دار کھڑے تھے۔ اُنہوں نے کہا، ''آنے دو بچ کر کہاں جائے گا۔'' اب ایک طرف گھر والے کھڑے تھے، دُوسری طرف پہرے دار۔ چور جائے تو کِدھر جائے؟ خیر کِسی طرح وہ بچ کر نکل گیا، راستے میں ایک دھرم شالہ پڑی جس میں ست سنگ چل رہا تھا۔ اُسے اپنے باپ کی نصیحت یاد آئی کہ کسی دھرم استھان میں نہیں جانا۔ اب کرے تو کیا کرے؟ آخر یہ سوچ کر کہ موقع کی نزاکت دیکھنی چاہیئے وہ دھرم شالہ میں چلا گیا لیکن باپ کی نصیحت کا پاس رکھنے کے لیے کانوں میں اُنگلی ڈال دی کہ ست سنگ کے بچن کانوں میں نہ پڑ جائیں۔ اب من کا خاصّہ ہے کہ جِدھر سے موڑو اُدھر ہی جاتا ہے۔ کانوں کو بند

کر لینے پر بھی چور کے کانوں میں یہ بچن پڑ گئے کہ دیوی دیوتاؤں کی پرچھائیں نہیں ہوتی۔ من میں کہا کہ پرچھائیں ہو چاہے نہ ہو، مجھے کیا لینا ہے؟

گھر والے اور پہرے دار پیچھا کرتے ہوئے اُدھر آ نکلے۔ کسی نے بتایا کہ چور دھرم شالہ میں ہے۔ پڑتال ہوئی تو وہ پکڑا گیا۔ پولیس نے بہت مارا لیکن وہ نہیں مانا۔ اُس وقت قانون تھا کہ جب تک مُجرم اِقبالِ جُرم نہ کر لے اُسے سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ آخر راجہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہاں بھی خوب مار پڑی لیکن چور ٹس سے مَس نہ ہوا۔ اُنہیں پتہ تھا کہ چور دیوی کی پُوجا کرتے ہیں، اِس لیے پولیس نے ایک ٹھگنی کو بُلایا۔ ٹھگنی نے کہا کہ میں جُرم کا اقبال کروالُوں گی۔

اُس ٹھگنی نے دیوی کا سوانگ بنایا.... دو نقلی باہیں لگائیں، چاروں ہاتھوں میں چار جلتی ہوئی مشعلیں پکڑیں، نقلی شیر کی سواری کی۔ کیوں کہ وہ پولیس کیساتھ مِلی ہوئی تھی، اِس لیے جب وہ آئی تو اُس کی ہدایت کے مطابق جیل کے دروازے کڑک کڑک کر کھُل گئے۔

جب آدمی کسی مُصیبت میں پھنس جاتا ہے تو اکثر اپنے اِشٹ دیو کو یاد کرتا ہے۔ اِس لیے چور اپنی اِشٹ دیوی کو یاد کر رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھُل گیا اور اندھیرے کمرے میں یکدم روشنی ہو گئی۔ دیوی نے بڑی شان سے اور خاص انداز میں کہا، ''دیکھ بھگت! تُو نے مجھے یاد کیا اور میں آ گئی۔ تُو نے بڑا اچھا کیا جو چوری نہیں بتائی۔ لیکن تُو مجھے سچ سچ بتا دے۔ مجھ سے کچھ مت چھپانا۔ میں تجھے فوراً آزاد کروا دُوں گی۔''

چور دیوی کا بھگت تھا۔ اپنے اِشٹ کو سامنے کھڑا دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ من میں سوچا کہ سچ سچ بتا دُوں۔ ابھی وہ بتانے ہی والا تھا کہ اُس کی نظر دیوی کی پرچھائیں پر پڑ گئی۔ اُس کو فوراً ست سنگ کا بچن یاد آ گیا کہ دیوی دیوتاؤں کی پرچھائیں نہیں ہوتی۔ لیکن سامنے دیوی کی پرچھائیں دیکھ کر جھٹ سمجھ گیا کہ یہ دیوی نہیں ہے، دھوکا ہے۔ لہٰذا وہ سچ بولتے بولتے رُک گیا اور کہنے لگا، ''ماں! میں نے چوری نہیں کی ہے، اگر میں نے چوری کی ہوتی تو کیا آپ کو معلوم نہ ہو جاتا؟''

اب ٹھگنی کے کہنے پر جیل کے کمرے کے باہر بیٹھے پہرے دار چور اور ٹھگنی کی بات چیت سُن رہے تھے۔ اُن کو اور ٹھگنی کو وِشواس ہو گیا کہ یہ چور نہیں ہے۔

دُوسرے دِن اُنہوں نے راجہ کو بتا دیا کہ یہ چور نہیں ہے۔ راجہ نے اُس کو بری کر دیا۔ جب

چور آزاد ہو گیا تو اُسے خیال آیا کہ ست سنگ کا ایک بچن سُنا تو میں جیل سے چھوٹ گیا، اگر ساری عُمر ست سنگ سُنوں تو نہ جانے میں کیا سے کیا ہو جاؤں۔ جب یہ خیال پُختہ ہوا تو وہ روز ست سنگ میں جانے لگا اور دھیرے دھیرے کِسی پُورن مہاتما کی شرن میں چلا گیا۔ چوری کا پیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا اور مہاتما بن گیا۔

اِس لیے ست سنگ کے برابر کوئی گنگا نہیں، کوئی جمنا نہیں اور نہ ہی کوئی دُوسرا تیرتھ۔ کل یُگ میں ست سنگ ہی سب سے بڑا تیرتھ ہے۔

84۔ سنت کی نِندا

سنت کومت کوئی نِندو سنت رام ہے ایکو۔[96]

کبیر صاحب

ستا اور بلونڈا، گورو ارجن دیو جی کے دربار میں کیرتن کیا کرتے تھے۔ اپنی بے عقلی اور جلد بازی کی وجہ سے اُنھوں نے بغیر سوچے سمجھے گورو جی سے عرض کی کہ گھر میں بیٹی کی شادی ہے، سنگت سے کہو کہ وہ دان اکٹھا کر کے اُن کی مدد کریں۔ جب اُن کو کوئی مدد نہ مِلی تو ناراض ہو کر اُنھوں نے ست سنگ میں آنا بالکل بند کر دیا۔

اُن کو یہ وہم تھا کہ اُن کے سُریلے کیرتن کی وجہ سے لوگ ست سنگ میں آتے ہیں، اور اگر وہ کیرتن نہیں کریں گے تو سنگت بھی آنا بند کر دے گی۔

اُن کے برتاؤ سے دُکھی ہو کر گورو جی نے اُنھیں پیغام بھیجے کہ ست سنگ میں آ کر کیرتن کریں لیکن وہ آنے کے لیے راضی نہ ہوئے۔

گورو ارجن دیو جی کی قوّتِ برداشت اور حلیمی کمال کی تھی، ذرا بھی بُرا نہیں مانا، بلکہ آپ خود چل کر اُن کے گھر گئے اور اُنھیں کہا کہ جتنا روپیہ ہمارے پاس ہے وہ لے لو، باقی روپیہ پھر دیکھیں گے، لیکن ناراضگی ختم کرو اور آ کر کیرتن کرو۔ وہ پھر بھی نہ مانے۔ اُن کو اب پختہ یقین ہو چلا تھا کہ ہمارے بغیر اِن کا کام نہیں چلے گا، اِسی وجہ سے تو خود چل کر آئے ہیں۔ وہ بولے کہ اگر ہم کیرتن نہیں کریں گے تو سنگت نہیں آئے گی، اور یہ بھی کہہ دیا کہ جو آپ کے بڑے گورو نانک جی تھے اُن کے پاس بھی لوگ مردانے کو سُننے کے لیے ہی آتے تھے۔ اِسی طرح گورو نانک

صاحب سے لے کر سارے گُورو صاحبان کی نِندا کی۔

گُورو ارجن دیو جی نے کہا کہ آپ میری خواہ جتنی مرضی نِندا کر لیتے، لیکن میرے گُورو نانک صاحب اور دیگر گُورو صاحبان کی شان میں گُستاخی کے الفاظ نہیں کہنے چاہیئے تھے۔ جاؤ، تُم بھرِشٹ ہو گئے۔ جو تمہارا مُنہ دیکھے گا وہ بھی بھرِشٹ ہو جائے گا، جو تمہاری سفارش لے کر آئے گا، اُس کا مُنہ کالا کر کے اُسے گدھے پر سوار کیا جائے گا اور پیچھے لڑکے لگا دیے جائیں گے اور گاؤں گاؤں گھُمایا جائے گا۔

اِدھر گُورو صاحب نے کوئی دُوسرا آدمی بُلا کر کیرتن کروانا شروع کر دیا۔ جب سنگت کو معلوم ہوا تو سنگت نے بھی ستّا اور بلونڈا کو پھٹکار دیا۔ مالک کی موج، وہ دونوں اُسی وقت سخت بیمار ہو گئے، اُنہیں کوڑھ ہو گیا اور شریر سے خون اور پیپ بہنے لگ گئے۔ جتنا روپیہ پاس میں تھا، وہ دوادارُو پر خرچ ہو گیا۔ اب جس سِکھ کے پاس جاتے، وہ مُنہ پھیر لیتا۔ جو گُورو کا پھٹکارا ہوا ہے اُس کو کون مُنہ لگائے۔ جِدھر جاتے، سِکھ دروازہ بند کر لیتے۔ جب سخت پریشان ہو گئے تب بھائی لدّھا کے پاس گئے۔ لدّھا اپنے پراُپکار کے لیے مشہور تھا۔ اُس کو آواز لگائی، ''بھائی لدّھا! بھائی لدّھا!! جیسے بھی ہو سکے اب ہم کو بچاؤ۔ دُنیا میں کوئی ہماری صورت بھی دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔'' جب بھائی لدّھا نے اُن کی آواز سُنی، اُس نے بھی مُنہ ڈھک لیا اور اپنا دروازہ بند کرتے ہوئے بولا کہ گُورو کے پھٹکارے ہوئے کو کون برداشت کرے! گُورو کے پھٹکارے ہوئے اِنسان کو مُنہ لگانا موت سے بھی بدتر ہے۔ جب اُنہوں نے بہت مِنّت سماجت کی اور کہا کہ گُورو کا واسطہ ہمیں بچاؤ، تب اُس نے کہا، ''اچھا، جو کچھ مجھ سے بن پڑے گا میں کروں گا۔ اب تُم جاؤ۔'' تب وہ اپنے گھر کو چلے گئے۔

بھائی لدّھا نے ایک گدھا لیا۔ اپنا مُنہ کالا کیا، گدھے پر سوار ہو گیا، پیچھے گاؤں کے لڑکے لگوائے اور گُورو صاحب کی شرط کو پُورا کرتا ہوا، گاؤں گاؤں پھرتا امرتسر آیا۔ جب سارے شہر کا چکّر لگا کر گُورو صاحب کی طرف آیا تو اُنہوں نے دُور سے دیکھ کر پُوچھا، ''یہ شور کیسا ہے؟'' سنگت نے کہا کہ جی! لدّھا گدھے پر سوار چلا آ رہا ہے۔ جب لدّھا پاس آیا تو عرض کی، ''سچے پاتشاہ! گُورو کے پھٹکارے ہوؤں کو کہیں ٹھکانہ نہیں، اگر کہیں ٹھکانا ہے تو بتاؤ۔'' گُورو صاحب

دیال ہو گئے اور فرمایا، ''اچھا! ستا اور بلونڈا دونوں کو بُلاؤ اور کہو کہ جس مُنہ سے گوُرو صاحب کی نِندا کی تھی، اُسی مُنہ سے تعریف کریں۔'' وہ ساری صِفت وثنا گوُروگرنتھ صاحب میں درج ہے۔

مطلب تو یہ ہے کہ سنتوں کے دوار سے نکالے گئے اِنسان کو کہیں جگہ نہیں، گوُرو کے پھٹکارے ہوئے کو گوُرو ہی بخش سکتا ہے۔ ستا اور بلونڈا کو گوُرو صاحب کی نِندا کرنے کی بھاری قیمت چُکانی پڑی۔

85۔ لیلیٰ مجنوں کا عشق

پریم نہ باڑی اُپجے، پریم نہ ہاٹ بِکائے
راجہ پرجا جیہہ رُچے، سیس دئی لے جائے۔[97]
کبیر صاحب

مجنوں لیلیٰ کا عاشق تھا۔ لیلیٰ کا باپ فارس کا بادشاہ تھا۔ اُس نے لیلیٰ کی خوشی کے مدِنظر حُکم جاری کیا تھا کہ مجنوں جِس دُکان سے مٹھائی کھائے، کپڑا لے، پیسہ لے، یا کوئی اور چیز لے، اس کا حِساب میں دُوں گا۔ اب مجنوں کو تو کِسی شے کی خواہش نہیں تھی کیونکہ وہ صِرف لیلیٰ کے عشق کا متوالا تھا۔ جب لوگوں نے سُنا کہ جِس دُکاندار سے جو مرضی مُفت چیز لے لو، تو ایک کی بجائے کئی مجنوں ہو گئے اور آئے دِن اُن کی تعداد بڑھنے لگی۔ سب دُکانیں خالی ہو گئیں۔ شہر اُجڑنے لگا۔ آخر دُکانداروں اور شہر کے لوگوں نے بادشاہ سے جا کر پُوچھا، ''راجن! مجنوں کتنے ہیں؟ ایک دو یا دس بیس بھی ہوتے تو کوئی حرض نہیں تھا، لیکن شہر میں تو ہزاروں مجنوں ہو گئے ہیں جو شہر کو لُوٹ رہے ہیں، اُن کا روکنا اشد ضروری ہے۔'' راجہ نے کہا کہ میں لیلیٰ سے پُوچھتا ہوں اور پھر اِس دھوکے بازی اور بے ایمانی کے خلاف قدم اُٹھاؤں گا۔ جب راجہ نے لیلیٰ کو بُلا کر پُوچھا کہ مجنوں ایک دو ہیں کہ زیادہ کیونکہ شہر میں تو مجنوں ہی مجنوں ہو گئے ہیں اور اُنہوں نے شہر کی تمام دُکانوں کو خالی کر دیا ہے۔

لیلیٰ ساری بات سمجھ گئی کہ معاملہ کیا ہے۔ اُس نے کہا، ''والدِ محترم! آپ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں، میں بہت جلد شہر کو نقلی مجنوؤں سے نجات دِلا دُوں گی۔ آپ کل تک میری تدبیر کا نتیجہ دیکھ

لیں گے۔''

لیلیٰ نے اپنے محافظوں کو بلایا اور کہا، ''اپنے سپاہیوں کی نگرانی میں سارے شہر میں یہ اعلان کروادو کہ کل لیلیٰ اپنے ہاتھ میں خنجر لے کر بازار میں آئے گی اور اپنے ہاتھ سے مجنوں کا گوشت کاٹے گی مجنوں اپنا گوشت دینے کے لیے تیار رہے۔'' جب سپاہیوں نے ڈِھنڈورہ پٹوایا تو سارے نقلی مجنوں ایسے غائب ہو گئے جیسے کوئی کرشمہ ہوا ہو۔ صرف اصلی مجنوں رہ گیا۔ وہ اپنے جسم کو ننگا کر کے سپاہیوں سے بولا، ''براہِ مہربانی میری معشوقہ کو بتادیں کہ میں گوشت دینے کے لیے تیار ہوں۔''

86۔ گوُروکاچور

ستگوُرو اپنے شِشش کا سچا محافظ اور ساتھی ہے، وہ ضرورت
اور مُشکل کی گھڑی میں ہمیشہ انگ سنگ رہتا ہے اور موت
کے وقت اور بعد میں بھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ [98]

مہاراج ساون سِنگھ

ایک بار بھائی گورداس نے یہ سطریں لکھیں اور پڑھ کر گوُرو ہر گوبند صاحب کو سُنائیں:

جے ماں ہووے جارنی کیوں پُت پتارے
گائی مانک نِگلیا، پیٹ پاڑ نہ مارے
جے پر بہوُ گھر ہنڈھنا، ست رکھے نارے
امر چلاوے چم دے، چاکر ویچارے
جے مد پیتا بامنی، لوئے لُجھن سارے
جے گوُر سانگ ورتدا، سِکھ صِدق نہ ہارے [99]

مطلب یہ کہ اگر ماں بدچلن ہو تو بیٹے کو خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ نہ تو ماں کو سزا دینی چاہیئے اور نہ ہی اُس کا ساتھ چھوڑنا چاہیئے۔ اگر گائے ہیرا کھا جائے تو اُس کا پیٹ نہیں پھاڑنا چاہیئے۔
اگر شوہر باہر پرائی عورتوں کے پاس جاتا ہے تو اُس کی بیوی کو اُس کی نقل نہیں کرنی چاہیئے، اور خود وفادار رہنا چاہیئے۔ راجہ چمڑے کے سِکّے چلائے، براہمنی شراب پیئے تو لوگ مجبوُر ہیں۔
اگر گوُرو کوتک دِکھائے تو سِکھ کو ڈولنا نہیں چاہیئے۔ اِس طرح اِن سب مثالوں کے ذریعہ

آپ کہنا چاہتے تھے کہ سِکھ کو ہر حال میں ثابت قدم رہنا چاہیئے۔

گُورو صاحب نے سُنا اور سوچا کہ اِنہوں نے بانی تو بہت اُونچی کہہ دی ہے، لیکن اِس میں اہنکار کی بُو ہے، اِنہیں آزمانا چاہیئے۔ یہ سوچ کر فرمایا، ''ماما جی! کابل سے گھوڑے خریدنے ہیں، آپ جا کر خرید لاؤ۔'' بھائی گُورداس نے کہا، ''بہت اچھا جی۔'' اُن دِنوں میں کاغذ کے نوٹ نہیں ہوا کرتے تھے، اشرفیاں ہوا کرتی تھیں۔ گُورو صاحب نے اشرفیوں کی تھیلیاں منگوا کر آگے رکھ دیں۔ بھائی گُورداس نے اپنے ہاتھ سے گِن کر تھیلیوں کا مُنہ بند کیا اور صندوق میں ڈال کر خچروں پر لادلیں۔ اُن دِنوں ریل گاڑیاں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ بھائی صاحب بڑے عالم تھے۔ کچھ سِکھوں کو ساتھ لیکر گاؤں گاؤں میں ست سنگ کرتے ہوئے کابل پہنچے۔

کابل میں بھائی صاحب گھوڑوں کے پٹھان سوداگروں سے مِلے۔ اُن کے ساتھ سَودا طے کیا اور کچھ سِکھ گھوڑے لیکر لاہور گُورو جی کے پاس چلے گئے۔ اب رقم چکانے کے لیے خیمہ میں گئے اور صندوق کھول کر تھیلیوں کے مُنہ کھولے تو وہاں اشرفیوں کی جگہ روڑے اور ٹھیکریاں دِکھائی دیں۔ بہت حیران ہوئے، سوچا کہ پٹھانوں کے ساتھ سَودا کیا ہے اور وہ باہر کھڑے ہیں، گھوڑے بھی بھیج چکا ہوں، اگر رقم نہ دی تو پیٹ پھاڑ دیں گے۔ بُہتیرا آنکھیں مَل مَل کر دیکھا مگر اُن کو تو روڑے اور ٹھیکریاں ہی دِکھائی دیں۔ آخر پچھلی طرف سے خیمہ پھاڑ کر باہر نکل کر بھاگ گئے۔ وہ اتنا ڈر گئے تھے کہ مدد کے لیے گُورو سے بینتی کرنا بھی بھُول گئے۔ نہ لاہور ٹھہرے، نہ امرتسر، سیدھے کاشی جا پہنچے۔ اُدھر جب سِکھوں کو انتظار کرتے کرتے دیر ہو گئی اور بھائی صاحب باہر نہ نکلے تو وہ خود خیمہ کے اندر گئے۔ وہاں دیکھا کہ صندوق کھُلا ہے، تھیلیوں کے مُنہ بھی کھُلے ہیں اور اشرفیاں بکھری پڑی ہیں، لیکن بھائی صاحب غائب ہیں اور خیمہ ایک طرف سے پھٹا ہوا ہے۔ اُنہوں نے پٹھانوں کو اشرفیاں دے کر حساب چُکا دیا اور گُورو صاحب کے پاس واپس آکر ساری بات سُنا دی۔

اب مہاتماؤں کا کام تو ست سنگ کرنا ہے۔ سو بھائی گُورداس جی نے کاشی میں جا کر ست سنگ کرنا شروع کر دیا۔ سینکڑوں لوگ اُن کے ست سنگ میں آنے لگے۔ جب لوگوں نے ست سنگ سُنا تو کہنے لگے کہ یہ بڑے مہاتما ہیں۔ کاشی کا راجہ بھی آپ کے ست سنگ میں آنے لگا اور

کچھ ہی عرصہ میں آپ کا معتقد ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد گُورو جی کو بھائی گُورداس کا پتہ چل گیا، اُنہوں نے کاشی کے راجہ کو چٹھی لکھی کہ آپ کی سبھا میں ہمارا ایک چور ہے، اُس کی مُشکیں باندھ کر ہمارے پاس بھجوا دیں۔ چور کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں، صِرف اپنی عام سبھا یا ست سنگ میں چٹھی پڑھ کر سُنا دینا، جو چور ہوگا وہ خود ہی بول پڑے گا۔

اب ست سنگ میں ساری سنگت بیٹھی ہوئی تھی اور بھائی گُورداس جی ست سنگ کر رہے تھے، راجہ نے وہاں چٹھی پڑھ کر سُنائی کہ ہماری سبھا میں گُورو صاحب کا ایک چور ہے، وہ آپ ہی بول پڑے گا۔ یہ سُنتے ہی بھائی جی اُٹھ کر بولے کہ میں گُورو صاحب کا چور ہوں۔ میری مُشکیں باندھ کر گُورو صاحب کے پاس لے چلو۔ ست سنگ میں سنّاٹا چھا گیا۔ لوگ کہنے لگے آپ چور نہیں، آپ تو بڑے مہاتما ہیں، چور کوئی اور ہوگا۔ اب مُشکیں کون باندھے! آپ نے اپنی پگڑی کے ساتھ خود ہی اپنی مُشکیں باندھ لیں۔ کہاں کاشی اور کہاں امرتسر! اُسی حالت میں امرتسر آئے۔ اِس کا نام پریم ہے۔ گُورو صاحب نے کہا، ''ماما جی! پھر وہی وار (سطریں) سُناؤ۔'' اب وہ وار کون سُنائے؟ تجربہ ہو چکا تھا۔ پاؤں پر گر پڑے اور یہ وار کہی:

جے ماؤ پُتے وِس دئے، تِس تے کِس پیارا
جے گھر بھنّے پاہرو، کون رکھن ہارا
بیڑا ڈوبے پاتنی، کیو پار اُتارا
آگو لے اُجھڑ پوے، کِس کرے پُکارا
جے کر کھیتے کھائے واڑ، کو لہے نہ سارا
جے گُور بھرمائے سانگ کر، کیا سِکھ وِچارا[100]

مطلب اگر ماں ہی بیٹے کو زہر دے دے تو اُس کو کون بچا سکتا ہے؟ اگر پہرے دار ہی گھر میں نقب لگاتا ہے، تو پھر گھر کو کون سنبھال سکتا ہے؟ اگر ملاّح ہی کشتی کو ڈبو دے تو کشتی کو کون بچا سکتا ہے؟ اگر راستہ بتانے والا ہی جان بُوجھ کر غلط راستے پر چلنا شروع کر دے تو پیچھے چلنے والے کس کے آگے فریاد کریں؟

اگر باڑ ہی کھیت کو کھانا شروع کر دے تو کھیت کی رکھوالی کون کرے گا؟ اِسی طرح اگر گُرو سوانگ رچائے یا سِکھ کو بھرمائے تو بیچارے سِکھ کی کیا مجال کہ وہ ثابت قدم رہے!

مطلب تو یہ ہے کہ جب بھونچال آتا ہے تو بڑے بڑے پہاڑ ہِل جاتے ہیں، درخت ہِل جاتے ہیں، مکان گر جاتے ہیں۔ سو اگر گُرو سوانگ رچائے یا اِمتحان لے تو گُرو ہی سِکھ کو ثابت قدم رکھ سکتا ہے، اور کوئی نہیں۔

87۔ مالک کیسے دیا کرتا ہے؟

ستگُرو کے بغیر حقیقت کا بھید نہیں کھُل سکتا، نہ کوئی من مایا کے بندھنوں سے چھُوٹ سکتا ہے بغیر شبد کے نہ کوئی مالک سے مِل سکتا ہے۔ صِرف ستگُرو ہی سُرت کو شبد کے ساتھ جوڑتا ہے۔[101]
مہاراج ساون سِنگھ

گُورو امرداس جی کے وقت کا واقعہ ہے۔آپ بائیس دفعہ گنگا اشنان کیلئے گئے۔ جب آخری بار گنگا جارہے تھے تو راستے میں ایک برہمچاری مِلا، جو گنگا اشنان کیلئے ہی جارہا تھا۔ اُس نے پُوچھا کہ کہاں جارہے ہو، کہنے لگے کہ گنگا اشنان کرنے جارہا ہوں۔ دونوں اکٹھے چل پڑے۔

دونوں نے اِکٹھے روٹی کھائی، باتیں کرتے کرتے گنگا پہنچے، اشنان کیا اور واپس ہو لیے۔ پہلے گُورو امرداس جی کا گھر آیا۔ برہمچاری کی منزل ابھی آگے تھی۔ بات چیت کرتے ہوئے اُن میں پریم پیار ہو چُکا تھا۔ دونوں کے دِل میں ایک دوسرے کیلئے عزت پیدا ہو چُکی تھی۔ گُورو صاحب اُس کو اپنے گھر لے گئے۔ جب رات کو سونے لگے تو برہمچاری نے پُوچھا، ''بھائی امر! تمہیں گُورو دھارن کیے کتنا عرصہ ہوا ہے؟'' امرداس جی نے جواب دیا، ''میرا تو کوئی گُورو نہیں۔'' یہ سُنتے ہی وہ چونکا، ''ہیں! کیا تیرا کوئی گُورو نہیں؟ تو نِگُورا ہے؟ افسوس! اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تُو نِگُورا ہے تو میں کبھی تیری روٹی نہ کھاتا۔ میرا سارا کرم دھرم نشٹ ہو گیا۔'' یہ کہہ کر وہ بڑے دُکھی دِل سے اُسی وقت اپنا بِستر ا لے کر چل پڑا۔

جب وہ چلا گیا تو امرداس جی کو بہت افسوس ہوا۔ اب دِل میں سوچا کہ باسٹھ سال کی عُمر ہو گئی،

ابھی تک مجھے کوئی گوُروُ نہیں مِلا ہے۔گنگا مائی! تُو گوُروُ مِلا دے! ہے گنگا مائی تُو گوُروُ مِلا دے، اے کالکا! تُو ہی کوئی گوُروُ مِلا دے۔ اِسی فکر میں رات بھر نیند نہ آئی۔ جب صبح ہوئی تو بی بی امرو (گوُرو انگد صاحب کی لڑکی) نے، جو آپ کے بھائی کے بیٹے سے بیاہی ہوئی تھی، گوُر بانی پڑھنی شروع کی۔ وہ روز سویرے اُٹھ کر جپ جی پڑھا کرتی تھی۔ اب جوُں جوُں وہ پڑھتی گئی بانی امر داس جی کے ہردے میں لگتی گئی۔ آپ بڑے پیار سے اندر بیٹھے بیٹھے سُنتے رہے۔

آپ نے اُس سے پُوچھا کہ بیٹی یہ کِس کی بانی ہے؟ اُس نے کہا، ''جی! یہ گوُرو نانک صاحب کی بانی ہے جن کی گدّی پر میرے پِتا جی بیٹھے ہوئے ہیں۔'' دِل میں پیار تھا، تڑپ تھی؛ کہنے لگے مجھے بھی وہاں لے چل۔ اُس نے کہا، ''جب تک میرے پِتا جی مجھے خود نہ بُلائیں، میں وہاں نہیں جا سکتی۔ اُن کا یہی حُکم ہے۔'' امر داس جی نے کہا، ''تُو مجھے ضرُور لے کر چل۔ اِس میں اگر کوئی پاپ لگتا ہے تو مجھے لگے۔ اگر تیرے پِتا جی ناراض ہوں گے تو اُس کا ذمہ مجھ پر۔''

آخر وہ اُنہیں ساتھ لے گئی۔ جب گوُرو انگد صاحب کے دربار کے نزدیک پہنچی تو بولی کہ آپ باہر ٹھہریں، میں اندر جا کر عرض کرتی ہوں۔ جب اندر گئی تو گوُرو انگد صاحب نے کہا، ''بیٹی، جس کو اپنے ساتھ لائی ہو اُس کو اب اندر بھی لے آؤ۔''

جب امر داس گوُرو انگد دیو کی حضوری میں پیش ہوئے تو اُن کے چرنوں میں گِر پڑے اور نام کا بھید پانے کے لیے بینتی کی۔ گوُرو انگد دیو جی کو امر داس کے اندر کے پریم، تڑپ اور اُن کی قابلیت کا بخوبی علم تھا، اِس لیے گوُرو انگد دیو جی نے اُنہیں اپنا مُرید قبوُل کیا اور وقت آنے پر اپنے رنگ میں رنگ کر اپنا سرُوپ بنا لیا اور اپنا جانشین مُقرر کر دیا۔

یہاں غور طلب بات یہ نہیں کہ کِس طرح گوُرو انگد دیو جی نے امر داس جی کو رُوحانی دولت سے مالا مال کر دیا اور اپنا رُوپ بنا لیا، بلکہ یہ ہے کہ جن کو اِنسانی جامہ پا کر پُورا گوُروُ مِل گیا اُن کا جنم سپھل ہو گیا۔ اِس کے برخلاف افسوس ہے اُن پر جن کی عُمر گُزر گئی دُنیا کے دھندے کرتے کرتے لیکن اب تک پُورا گوُروُ نہیں مِلا۔

88۔ سمّن اور مُوسن کی قُربانی

جیو جننی سُت جن پالتی راکھے ندر مجھار،
انتر باہر مُکھ دے گراس کھِن کھِن پوچار۔
تیو ستگُور و گُور سِکھ راکھتا ہر پریت پیار۔ [102]
گُورو رامداس

گُوروارجن صاحب کے وقت میں دو شخص جو آپس میں باپ بیٹا تھے، بڑے اچھے پریمی اور شبد کے ابھیاسی تھے۔ باپ کا نام سمّن اور بیٹے کا نام مُوسن تھا۔ وہ مزدُوری کر کے اپنا گُزارہ کرتے تھے۔ جب گُوروصاحب امرتسر سے لاہور گئے تو کوئی سیوک کہتا کہ میرے گھر کھانا کھاؤ، کوئی کہتا کہ میرے گھر پرشاد کریں۔ یہ دیکھ کر گُوروصاحب نے اُن کو کہا کہ آپ اپنی فہرست بنالو کہ کِس دِن کِس کے گھر پرشاد ہے۔

یہ بات سُن کر سمّن اور مُوسن کو بھی شوق ہوا کہ ہم بھی پرشاد کریں۔ اُنہوں نے سوچا کہ خرچ کو پُورا کرنے کے لیے اور زیادہ مزدُوری کرلیں گے۔ سو اُنہوں نے فہرست میں نام لکھوادیا۔ جب اُن کا پرشاد کروانے کا دِن نزدیک آیا تو وہ دونوں بیمار پڑ گئے۔ جو روپے کمائے ہوئے تھے وہ دوا اور کھانے پینے میں خرچ ہو گئے۔ حتیٰ کہ پرشاد کرانے کا دِن آ گیا۔ رسوئیوں کا کام ہے کہ جو کام سویرے کرنا ہو، وہ رات کو برتن اور ضرُوری سامان تیار کرلیتے ہیں۔ رات کو رسوئیے آئے اور کہا کہ بھائی جی، سویرے آپ کے ہاں پرشاد ہے۔ سو ہمیں سامان دے دو۔ اب اُن کے پاس کوئی چیز تیار نہیں تھی۔ آپس میں صلاح کرتے ہیں کہ کیا کریں۔ آخر تجویز ہوئی کہ کسی بھی

طرح اِس ضرُورت کو پُورا کیا جائے، بعد میں اتنا روپیہ کما کر واپس کر دیں گے۔ستگُورُو کی سیوا ضرور کرنی ہے؛ اگر پرشاد نہ کیا تو گُورُو صاحب کیا کہیں گے؟ یہ سوچ کر اُنھوں نے رسوئیوں کو کہا کہ ابھی تو نہیں لیکن کل سُورج نکلنے سے پہلے ہی سارا سامان دے دیں گے۔رسوئیے چلے گئے۔

اُن کی گلی میں ایک ساہُوکار کی دُکان تھی۔رات کو اُس کی دُکان میں نقب لگائی۔جو کچھ نکالنا تھا سب نکال لیا۔صِرف نمک مرچ مصالحہ وغیرہ باقی رہ گیا۔پہلے تو کہنے لگے کہ یہ مصالحہ وغیرہ رہنے دیں، پھر سوچا کہ نہیں، دوبارہ چل کر لے ہی آئیں۔جب وہ مرچ مصالحہ لینے گئے تو ساہُوکار جاگ گیا۔اُس وقت باپ تو دُکان سے باہر آ چُکا تھا اور بیٹا سوراخ میں سے نکل رہا تھا۔جب سر باہر نکلا تب ساہوکار نے اُٹھ کر نیچے سے ٹانگیں پکڑ لیں تاکہ وہ باہر نہ نکل سکے۔باپ باہر کی طرف کھینچنے لگا اور ساہوکار اندر کی طرف۔اب نہ باپ چھوڑے اور نہ ساہوکار چھوڑے۔بڑی کشمکش ہوئی۔آخر بیٹے نے باپ کو کہا کہ آپ میرا سر کاٹ لیں۔ایسا نہ ہو کہ صبح ہو جائے اور لوگ کہیں کہ گُورُو کے سِکھ چوری کرتے ہیں، سو دیر نہ کرو فوراً سر کاٹ لو۔سر سے پہچان ہوتی ہے، اگر سر نہ ہوا تو دھڑ سے کچھ نہیں پہچانا جائے گا۔اب باپ اپنے ہی بیٹے کا سر کس طرح کاٹے! اُس نے کہا، ''میں سر نہیں کاٹ سکتا۔'' بیٹے نے کہا، ''پِتا جی! گُورُو کا واسطہ میرا سر کاٹ لو، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ گُورُو صاحب کی بدنامی ہو۔اِس طرح بدنامی بھی نہیں ہوگی اور ستگُورُو کی سیوا بھی ہو جائے گی۔

باپ نے تھوڑی دیر غور کیا پھر تلوار ماری اور سر کاٹ لیا۔دھڑ نیچے جا گرا۔سمّن نے بیٹے مُوسن کا سر لا کر گھر میں رکھ دیا۔اب بیٹے کی موت، کلیجہ کیسے تھمے؟ بڑی مُشکل سے ایک گھنٹہ گُزرا۔

اُدھر ساہوکار نے کہا کہ چور کو دیکھیں تو سہی کون ہے؟ جب دیکھا تو اُس کا سر غائب۔وہ فکر میں پڑ گیا۔من میں سوچتا ہے اگر اِس کو ٹھکانے نہ لگایا تو صبح پولیس میرے دروازے پر آ دھمکے گی اور میں پکڑا جاؤں گا۔پولیس کہے گی کہ تُم نے سر کاٹا ہے۔ہو نہ ہو یہ سر کٹی لاش کسی کے گھر رکھ دیں۔اُس نے سمّن کو بُلا کر دھڑ اُٹھوایا اور روپے بھی دیے کہ اِس کو ٹھکانے لگا دو، اور کہا کہ میں تمھیں اور بھی خوش کر دُوں گا۔سمّن نے دھڑ وہاں سے اُٹھا لیا اور اپنے گھر لا کر دھڑ اور سر دونوں کو جوڑ کر رکھ دیا۔اُس کا بہت سارا دُکھ کم ہو گیا۔سوچا کہ میں اب کہوں گا، جی مُوسن بیمار ہے۔

جب صبح ہوئی، رسوئیے آ گئے۔ سمّن نے اُن کو سارا سامان دے دیا۔ رسوئیے لگے پرشاد تیار کرنے۔ جب پرشاد تیار ہو گیا تب گُورو صاحب آئے۔ گُورو صاحب نے کہا، ''سمّن، مُوسن کو بُلا۔'' سمّن نے اُن سے عرض کی، ''مہاراج جی! وہ تو بیمار ہے۔'' گُورو صاحب نے فرمایا، ''بیمار ہے تو کیا ہوا۔ اُسے ضرُور بُلاؤ۔'' سمّن بولا، ''حضور! وہ نہیں آ سکتا۔'' گُورو صاحب کہنے لگے، ''نہیں، اُس کو آنا چاہیئے۔'' سمّن نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی، ''حضور! میرے کہنے سے وہ نہیں آتا۔'' گُورو صاحب بولے، ''اچھا تو پھر میں بُلاؤں؟'' سمّن نے کہا، ''جی ہاں! آپ ضرور بُلائیں۔'' گُورو صاحب نے آواز لگائی، ''مُوسن! اُٹھ کر باہر آ جا، ایسے وقت پر تُو کہاں رہ گیا؟'' گُورو جی کا اتنا کہنا تھا کہ مُوسن اُٹھ کر نو بہ نو باہر آ گیا اور مُوسن اور سمّن دونوں گُورو صاحب کے چرنوں پر گر پڑے۔

جنھوں نے اپنا تن من گُورو کو سونپ دیا، اپنا سب کچھ قُربان کر دیا، وہی گُورو کی خوشیاں حاصل کرتے ہیں۔

89۔ پریم کی مستی

سچے پریمی، ستگورو کے پریم اور محبت میں فنا ہو کر
(اپنی خودی کو مٹا کر) امر جیون کا رس پیتے ہیں
اور اُس کا آنند پراپت کرتے ہیں۔[103]

مہاراج ساون سنگھ

ایک بار جب کرشن جی بِدر کے گھر گئے، اُس وقت وہ گھر پر نہیں تھے۔ اُن کی پتنی نہا رہی تھی۔ دروازے پر کرشن جی نے آواز دی۔ آواز سُنتے ہی وہ پریم میں اتنی مست ہو گئی کہ اُسے اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ کپڑے پہن لوں۔ ننگی اُٹھ بھاگی۔ ایسی حالت میں نہ پاپ ہے نہ پُن۔ کرشن جی نے کہا کہ کپڑے تو پہن۔ تب اُس نے کپڑے پہنے۔

اب گھر میں کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں تھا۔ صِرف کیلے رکھے تھے۔ وہ پریم میں اِتنی مگن ہو گئی کہ کیلے چھیل چھیل کر چھلکا کرشن جی کو دینے لگی اور گُودا پھینکنے لگی۔ اِتنے میں بِدر آ گئے۔ جب اُنہوں نے دیکھا تو کہا، ''اری پگلی! یہ کیا کر رہی ہے؟ یہ سُن کر وہ بولی، ''او ہو! مجھے پتہ نہیں چلا۔'' پھر اُس نے کرشن جی کو کیلے کا گُودا دیا تو کرشن جی نے کہا، ''بِدر! اِس میں وہ سواد نہیں جو چھلکے میں تھا۔''

یہ ہے پریم کی اوستھا۔

90۔ لفظوں کا پھیر

گُورو گوبند سِنگھ جی مہاراج نے 'جاپ صاحب' میں مالک کے ہزار سے زیادہ نام بتائے ہیں۔ لیکن وہ صِرف ناموں کے اصلی معنوں کو پکڑنے کا اُپدیش دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تُم ناموں سے چل کر اُس 'نامی' کو پکڑو جو اِن سب کا اِشٹ ہے۔ [104]

مہاراج ساون سِنگھ

ذِکر ہے کہ چار مختلف مُلکوں کے آدمی اِتفاقاً اِکٹھے ہو گئے۔ اُنہوں نے آپس میں صلاح کی کہ کوئی کام کریں۔ اُنہوں نے کچھ زمین خرید لی۔ اُن میں سے ایک وسط ہند (مدھیہ بھارت) کا باشندہ تھا۔ اُس نے کہا کہ ہم گیہوں بیجیں گے۔ دُوسرا جو پنجابی تھا وہ بولا کہ مجھے تیری بات منظور نہیں، ہم تو کنک بیجیں گے۔ تیسرا جس کی زبان فارسی تھی، کہنے لگا کہ ہمیں گندم بیجنی چاہیئے۔ چوتھا انگریز تھا۔ اُس نے کہا نہیں، ہم تو وہیٹ (wheat) بیجیں گے۔ اُن چاروں کا آپس میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ کوئی سیانا پڑھا لکھا آدمی وہاں آ گیا۔ اُن کی باتوں سے وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ بے کار لفظوں کی غلط فہمی پر جھگڑ رہے ہیں۔ اُس نے کہا آپ اپنا اپنا بیج لے آؤ۔ جب بیج لائے تو سب کا ایک جیسا ہی بیج تھا۔ سارا جھگڑا ختم ہو گیا۔

اِسی طرح اگر ہم اپنی رُوح کو اندر نام کے ساتھ جوڑ دیں تو مذہبوں اور مُلکوں کا آپس میں کوئی جھگڑا ہی نہ رہے، سارے جھگڑے لفظوں کے ہیں۔

91۔ مُخالف حالات میں فقیرِ کامل

سنت ستگوُرو باہر سے خواہ کسی بھی بھیس میں کیوں نہ ہوں، اُن
کی نظر صِرف آتما اور اس کی رُوحانی ترقی کی طرف ہوتی ہے۔ [105]

مہاراج ساون سِنگھ

رابعہ بصری ایک بہت مشہوُر فقیر ہوئی ہے۔ جوانی میں وہ بہت خوبصورت تھی۔ ایک بار چور اُسے اُٹھا کر لے گئے اور ایک بیسوا کے کوٹھے پر لے جا کر بیچ دیا۔ اب اُسے وہی کچھ کرنا تھا جو وہاں کوٹھے کی باقی عورتیں کرتی تھیں۔

اِس نئے گھر میں پہلی رات کو ہی اُس کے پاس ایک آدمی بھیج دیا گیا۔ اُس کے آتے ہی رابعہ نے اُس کے ساتھ یوں بات چیت کرنی شروع کر دی۔ ''آپ جیسے نیک پاک اِنسان کو دیکھ کر میرا دِل بہت خوش ہوا ہے۔'' وہ بولی۔ ''آپ سامنے پڑی کُرسی پر آرام سے بیٹھ جائیں، میں تھوڑی دیر خُدا کی یاد میں بیٹھ لوُں۔ آپ چاہیں تو آپ بھی خُدا کی یاد میں میرے ساتھ شریک ہو جایں۔'' یہ سُن کر اُس نوجوان کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ بھی رابعہ کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد رابعہ اُٹھی اور بولی، ''مجھے یقین ہے کہ اگر میں آپ کو یاد دِلا دُوں کہ ایک دِن ہم سب کو مرنا ہے تو آپ بُرا نہیں مانیں گے۔ آپ یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ جو گُناہ کرنے کی آپ کے دِل میں خواہش ہے وہ آپ کو جہنم کی آگ میں دھکیل دے گا۔ آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ آپ یہ گُناہ کر کے جہنم کی آگ میں کوُدنا چاہتے ہیں یا اِس سے بچنا چاہتے ہیں۔''

یہ سُن کر وہ نوجوان ہکّا بکّا رہ گیا۔ اُس نے ذرا سنبھل کر کہا، ''اے فرشتہ سیرت پاک دامن

بی بی، تُم نے میری آنکھیں کھول دیں، جو آج تک گُناہ کے عذاب کی طرف سے بالکل بند تھیں۔ میں قسم اُٹھاتا ہوں کہ پھر کبھی کِسی کوٹھے کی طرف مُنہ نہ کروں گا۔''

ہر روز نئے آدمی رابعہ کے پاس بھیجے جاتے۔ لیکن جو بھی آتا اُس کی زِندگی کا رُخ پہلے شخص کی طرح پلٹ جاتا۔ اُس کوٹھے کے مالک کو یہ جان کر بڑی حیرانی ہوئی کہ اتنی خوبصورت اور نوجوان عورت ہو اور ایک بار آیا گاہک دوبارہ اُس کے پاس نہ آئے، جب کہ لوگ ایسی خوبصورت لڑکی کے دیوانے ہوکر اُس کے اِرد گِرد ایسے گھومتے ہیں جیسے شمع کے گِرد پروانے، یہ راز جاننے کے لیے اُس نے ایک رات اپنی بیوی کو ایسی جگہ چھپا کر بِٹھا دیا جہاں سے وہ رابعہ کے کمرے کے اندر سب کچھ دیکھ سکتی تھی۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ جب کوئی آدمی رابعہ کے پاس بھیجا جاتا ہے تو وہ اُس کے ساتھ کیسے پیش آتی ہے۔

اُس رات اُس نے دیکھا کہ جیسے گاہک نے اندر قدم رکھا، رابعہ اُٹھ کر کھڑی ہوگئی اور بولی، ''خوش آمدید اے نیک بندے! گُناہ کے اِس گھر میں مجھے یہ بات ہر وقت یاد رہتی ہے کہ وہ مالکِ کُل ہر جگہ حاضر ناظر اور قادرِ مطلق ہے۔ سب کچھ اُس کی نگاہ میں ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ آپ کا اِس بارے میں کیا خیال ہے؟'' یہ سُن کر وہ آدمی دنگ رہ گیا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ آخر کار وہ ہچکچاتے ہوئے بولا، ''ہاں، پنڈت اور مولوی تو اِسی طرح بتاتے ہیں۔'' رابعہ کہنے لگی، ''میں گُناہوں سے گِھرے اِس گھر میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ بات نہیں بھُولتی کہ مالکِ کُل سب گُناہ دیکھتا ہے اور اُن کا پُورا پُورا انصاف کرتا ہے۔ وہ ہر بشر کو اُس کے گُناہوں کی سزا دیتا ہے۔ جو لوگ یہاں آکر گُناہ کرتے ہیں، وہ اپنے کیے کا پھل پاتے ہیں۔ اُن کو لا بیان دُکھ اور عذاب برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اے نیک بندے، ہم کو اِنسانی زندگی ربّ کی عبادت کے ذریعہ ربّ سے وِصال حاصل کرنے اور دُنیا کے دُکھوں سے ہمیشہ کے لیے نجات پانے کے لیے عطا ہوئی ہے نہ کہ حیوانوں سے بھی بدتر حرکتیں کر کے اِس کو فضول برباد کرنے کے لیے۔''

پہلے آئے لوگوں کی طرح اِس آدمی کو بھی رابعہ کی باتوں میں چھپی سچّائی کا احساس ہوگیا۔ اُسے زِندگی میں پہلی بار محسوس ہوا کہ وہ کتنے سنگین گُناہ کرتا رہا ہے اور آج پھر کرنے جا رہا تھا۔ وہ زار و

زار رونے لگا اور رابعہ کے قدموں میں گر کر اُس سے معافی مانگنے لگا۔

رابعہ کے الفاظ اتنے قُدرتی، بے ریا اور دِل میں اُتر جانے والے تھے کہ کوٹھے کے مالک کی بیوی بھی باہر آ کر اپنے گُناہوں سے توبہ کرنے لگی۔ اُس نے کہا، ''اے نیک سیرت پاکدامن لڑکی تُو سچّی فقیر ہے۔ ہم نے کتنے بڑے گُناہوں کا بوجھ تجھ پر ڈالنے کی کوشش کی۔ تُو فوراً اِس گُناہ کی دلدل میں سے باہر نکل جا۔'' اِس واقعہ سے اُس کی اپنی زِندگی میں نیا موڑ آ گیا اور اُس نے اپنے شوہر کو جب پُوری سچائی بتائی تو دونوں نے گُناہ کی روزی ہمیشہ کے لیے ترک کر دی۔

مالکِ کُل کے سچے عبادت گذار جہاں بھی، جِس حالت میں بھی کیوں نہ ہوں ہمیشہ اِنسانی زِندگی کے اصل مقصد کو یاد رکھتے ہیں اور بھُولے بھٹکے اِنسانوں کو نیکی کی راہ پر گامزن ہونے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔

92۔ ماں کی بِھکشا

اپنے اندر سوائے محبوب کے کوئی تمنا نہ رکھو۔ عابد اور معبود کے درمیان کسی دُوسرے کا خیال تک باقی نہ رہے۔[106]

مولانا رُوم

ذِکر ہے کہ جب قدیم بھارت کے راجہ گوپی چند نے دُنیا کی عیش و عشرت سے بیزار ہوکر اپنا راج پاٹ چھوڑ دیا اور گُورو گورکھ ناتھ کے پاس جوگی ہونے کے لیے چلا گیا تو گورکھ ناتھ نے اُسے جوگ کی دِیکھشا دے دی۔ مگر یہ سوچ کر کہ یہ راجہ ہے، اِس کے اندر لوک لاج ہے، جو پرمارتھ میں بڑی بھاری دیوار ہے اور جسے دُور کرنا ضروری ہے، اُس نے حُکم دیا کہ جوگی کے بھیس میں جاؤ اور اپنے راج کی پرجا سے بِھکشا مانگ کر لاؤ۔ اب راجہ کا اپنی پرجا سے بِھکشا مانگنا کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔

گوپی چند اپنے گُورو کے حُکم کی تعمیل کرنے کے لیے جب اپنے شہر میں گیا، تو لوگوں نے دیکھا کہ اُن کا راجہ بِھکشا لینے آیا ہے، جس نے پیسہ دینا تھا، اُس نے روپیہ دیا۔ وہ آگے دُوسرے جوگیوں کو دیتا گیا اور جوگی گُورو کے پاس پہنچاتے گئے۔ شہر میں مانگ کر پھر رانیوں کے پاس آیا۔ اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کا راجہ آیا ہے، جو اچھے اچھے کپڑے، گہنے وغیرہ تھے سب اُتار کر جوگی کو دے دیے کہ اب راجہ کی عدم موجودگی میں یہ سب ہمارے کِس کام کے! گوپی چند سب چیزیں اُن سے لیکر اپنے ساتھی جوگیوں کو دیتا گیا۔ آخر میں گوپی چند نے اپنی ماں کے دروازے پر جا کر الکھ جگائی۔

ماں نے اُسے دیکھ کر کہا، ''جوگی! میں گرہستی عورت ہوں، تُو سنیاسی ہے۔ گرہستی کا دھرم نہیں کہ وہ سنیاسی کو اُپدیش دے لیکن اِس وقت تُو میرے دروازے پر مانگنے آیا ہے، مجھے حق ہے کہ جو میں چاہوں بھِکشا میں دُوں۔ جو کچھ تُو مانگ کر لایا ہے وہ سب تو جوگی لوگ کھا جائیں گے، تیرے پاس تو کچھ نہیں رہے گا۔ اِس لیے میں تجھے ایسی بھِکشا نہیں دیتی، بلکہ تین باتوں کی بھِکشا دیتی ہوں:

1۔ پہلی یہ کہ رات کو مظبوط سے مظبوط قلعے میں رہنا۔

2۔ دُوسری یہ کہ مزیدار سے مزیدار بھوجن کھانا۔

3۔ تیسری یہ کہ نرم سے نرم بستر پر سونا۔

یہ سُن کر جوگی بولا، ''ماں! تیرے اُپدیش سے تو میں جوگی ہوا ہوں، لیکن اب تُو مجھے کیا اُلٹا اُپدیش دے رہی ہے۔ اگر کوئی دُوسری عورت یہ کہتی تو میں اُسے ناسمجھ کہتا۔ ماں! بھلا جنگلوں میں مظبوط قلعے اور مزیدار بھوجن کہاں؟ نرم بستر کہاں؟ وہاں تو سُوکھے ٹکڑے چبانے پڑتے ہیں۔ گھاس پر لیٹنا پڑتا ہے۔'' ماں بولی، ''جوگی! تُو نے میرا مطلب نہیں سمجھا۔''

تب ماں اُس کو سمجھاتے ہوئے بولی، ''میرا مطلب یہ ہے کہ تُو دِن رات جاگنا، ابھیاس کرنا۔ جِس وقت تجھے نیند تنگ کرے، تجھے گرا دے، تو وہیں سو جانا، خواہ نیچے کانٹے ہوں یا کنکر، وہی تیرا نرم سے نرم بستر ہوگا، ایسی نیند آئے گی جیسی تمہیں کبھی پھولوں کی سیج پر بھی نہیں آئی ہوگی۔ دُوسرے، جتنا ہو سکے تھوڑا کھانا اور بھُوکے رہنا۔ جب بھُوک سے پران نکلنے لگیں تو رُوکھا سُوکھا، باسی، جیسا بھی ٹکڑا مِلے، کھا لینا۔ اُس وقت سات دِنوں کا سُوکھا ٹکڑا بھی تجھے حلوے اور پلاؤ سے بڑھ کر لذیذ لگے گا۔ تیسرے، تُو راج چھوڑ کر جوگی ہوا ہے۔ تیرے پاس جوان عورتوں نے بھی آنا ہے، بُوڑھی اور کمسن لڑکیوں نے بھی۔ گُورو کی صحبت سے بڑھ کر کوئی مظبوط قلعہ نہیں ہے۔ اگر گُورو کی صحبت میں رہے گا۔ گُورو کے ماتحت رہے گا، ست سنگ سُنکر عمل کرے گا تو اِن سے بچا رہے گا۔ مہاتما کے بچن سُن کر من کو ٹھوکر لگتی ہے، من سیدھا رہتا ہے۔ بس! میں تجھے اِن تینوں باتوں کی بھِکشا دیتی ہوں اور کچھ نہیں۔''

93۔ پِیر کی جوُتی کا مول

جب ہمارا پریم سب طرف سے ہٹ کر صِرف گوُرو کے ساتھ لگ جاتا ہے، تو ہم دُنیا کے تمام بندھنوں اور غلاظتوں سے مُکت ہو جاتے ہیں اور پرماتما سے جُڑ جاتے ہیں۔[107]

مہاراج ساون سِنگھ

امیر خُسرو، نظامُ الدّین اولیا کا مُرید اور مُلتان کے حاکم کا ملازم تھا۔ بڑا کمائی والا مُرید تھا۔ کسی وجہ سے اُس کی حاکم سے بگڑ گئی اور نوکری چھوڑ دی۔ اُن دِنوں پکی سڑکیں نہیں ہوتی تھیں۔ اُس نے اپنا سامان اُونٹوں پر لدوایا اور مُرشد کی زیارت کے لیے دِلّی کی طرف چل پڑا۔

اُدھر ایک غریب آدمی حضرت نظامُ الدّین اولیا کے پاس گیا اور کہا کہ میری لڑکی کی شادی ہے، میں غریب ہوں، کچھ دے دو۔ اب فقیروں کے پاس کیا ہوتا ہے، اُن کا لنگر ہی مشکل سے چلتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ دو تین دِن ٹھہر جا، جو نیاز آئے، لے جانا۔ مالک کی موج! تینوں دِن کچھ نہ آیا۔ یہ دیکھ کر وہ غریب آدمی بولا، ''حضرت! اب میں جاتا ہوں۔ میرے نصیب میں ہی کچھ نہیں ہے۔'' نظامُ الدّین نے کہا، ''اچھا، یہ جوُتی لے جا۔ میرے پاس اِس وقت یہی کچھ ہے۔ تُم اِسے بیچ کر کم سے کم ایک دِن کے کھانے کا بندوبست کر سکتے ہو۔'' اُس نے شکستہ دِل سے جوُتی لے لی اور گھر کی طرف چل پڑا۔

جب وہ تھکا ہوا دُھول بھرے کچے راستے پر اپنے گھر کو جا رہا تھا تو اُس نے دیکھا کہ سامنے قیمتی سامان سے لدے ہوئے اُونٹوں کا ایک قافلہ آ رہا ہے۔ یہ امیر خُسرو کا قافلہ تھا جو مُلتان کے

حاکم کی ملازمت چھوڑ کر آ رہا تھا۔ امیر خسرو اُونٹ پر سوار قافلے کے آگے آگے آ رہا تھا۔ جب وہ اُس غریب آدمی کے قریب پہنچا تو اُسے محسوس ہوا کہ کہیں سے پیر کی خوشبو آ رہی ہے۔ پتہ نہیں کہاں سے آ رہی ہے۔ جب وہ آدمی سامنے سے آ کر پاس سے گُزر گیا تو خوشبو پیچھے سے آنا شروع ہو گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ اِس آدمی کے پاس کوئی اس کا بھید ہے۔ امیر خسرو نے اُسے بُلا کر پُوچھا، بھئی، تُو کہاں سے آ رہا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ دِلّی گیا تھا نظام الدّین اولیا کے پاس۔ غریب ہوں، لڑکی کی شادی ہے۔ میں نے کہا کچھ دو۔ لیکن فقیر تو خود بھُو کے ننگے ہوتے ہیں۔ جب خُدا نے ہی کچھ نہیں دیا تو فقیر بھلا کیا دیتے۔

امیر خسرو ایک سچا مُرید تھا، اپنے مُرشد کی شان کے خلاف یہ الفاظ برداشت نہ کر سکا۔ اُس نے پُوچھا، ''کچھ تو دیا ہوگا'' وہ آدمی بولا ''ہاں، یہ پُرانی جوُتی دی ہے۔'' امیر خسرو نے پُوچھا، ''اِسے بیچو گے؟'' اُس نے جواب دیا، ''ہاں، لے لو۔ میں نے اگلے گاؤں اِسے بیچنا ہی تھا تاکہ ایک وقت کا کھانا مِل جائے۔'' امیر خسرو نے ایک اُونٹ اپنا اور ایک اپنی بیگم اور بچوں کا چھوڑ کر باقی سارے اُونٹ، مال اسباب سمیت اُس کے حوالے کرتے ہوئے کہا، ''جا، یہ سب لے جا اور اپنی لڑکی کی شادی کر لینا۔''

وہ غریب آدمی امیر خُسرو کا بار بار شُکریہ ادا کرتا ہوا مال سے لدے اُونٹ لے کر چلا گیا۔ اِدھر جب امیر خُسرو اپنے پیر کے دربار میں پہنچا تو جوُتی جھاڑ کر آگے رکھ دی۔ پیر نے پُوچھا، ''اِس کا مول کیا دیا؟'' خُسرو نے باادب عرض کی، ''حضرت! میں جو کچھ دے سکتا تھا، سب دے دیا۔'' نظامُ الدّین نے کہا، ''پھر بھی سستی ہے۔'' اپنی آخری عُمر میں امیر خُسرو کے عشق کو دیکھ کر حضرت نظامُ الدّین نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ خُسرو کو میری قبر پر نہ آنے دینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اُسے ملنے کے لیے میری قبر پھٹ جائے۔ یہ کیفیت عاشقوں کی ہے۔ کبیر صاحب کہتے ہیں

سیس دِیے جو گُورو مِلے تو بھی سستا جان۔[108]

94۔ پرندے کی خُدا سے محبت

پریم اور نمرتا کے ساتھ پربھُو سے دِل لگاؤ...... پربھُو اور صِرف پربھُو کو پانے کی سچّی تڑپ ہی کافی ہے۔[109]

کلاوَڈ آف اَننوینگ

ایک فقیر تھا جو اپنے آپ کو پیغمبر سمجھتا تھا۔ ایک بار اُس کے من میں خیال آیا کہ میں پیغمبر ہوں، خُدا مجھ سے راضی ہے؛ مجھ سے بڑھ کو اُس کا کوئی پیارا نہیں۔ اُس نے عرض کی، ''یا خُدا! جو مجھ سے بھی بڑھ کر تیرا عاشق ہے، جو مجھ سے زیادہ تیری یاد میں رہتا ہے، مجھے بتا۔ میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' خُدا نے کہا، ''اے فقیر! بڑے بڑے عاشق پڑے ہیں۔'' فقیر بولا، ''کوئی ایک بتاؤ۔'' خُدا نے کہا کہ اِنسان تو کیا میں ایک پرندہ بتاتا ہوں۔ وہ فلاں درخت پر بیٹھا ہے۔ اُس کے پاس جا۔ فقیر نے عرض کی کہ میں اُس کی بولی نہیں سمجھتا۔ خُدا نے کہا، ''جا! میں تجھے توفیق دیتا ہوں کہ تُو اُس کی زبان سمجھ لے گا۔''

خیر فقیر وہاں گیا، پرندے کو بیٹھے دیکھا۔ فقیر نے اُس سے کہا، ''کوئی خُدا کی بات سُنا۔'' پرندہ بولا، ''اے فقیر! مجھے فُرصت نہیں۔ میں تجھ سے ہمکلام بھی اِس لیے ہوا ہوں کیونکہ تُو میرے محبوب کے پاس سے آیا ہے۔'' فقیر نے کہا، ''تُو کیا کام کرتا ہے جس سے تجھے فُرصت نہیں ہے؟'' پرندے نے جواب دیا، ''میں دِن رات خُدا کی یاد میں رہتا ہوں، صِرف ایک تکلیف درپیش ہے۔'' فقیر نے پُوچھا کہ وہ کون سی تکلیف ہے؟ اُس نے کہا، ''یہاں سے کچھ دُوری پر

ایک چشمہ ہے، جہاں پانی پینے کے لیے مجھے جانا پڑتا ہے۔'' فقیر نے پُوچھا کہ چشمہ کتنی دُور ہے؟ اُس نے کہا کہ سامنے والے گندم کے کھیت کے آگے ہے۔ فقیر بولا، ''یہ تو کوئی دُور نہیں۔'' اِس پر پرندہ بُولا، ''میں تمہیں کیا بتاؤں؟ مجھے تو اتنا بھی مُحال ہے، کیونکہ اتنی دیر خُدا کی یاد میں کوتاہی ہوتی ہے۔'' فقیر نے کہا میرے لائق کوئی خِدمت ہو تو بتا۔'' اُس نے کہا، ''بس، چشمے کو میرے پاس کر دو۔'' فقیر نے کہا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا۔'' پھر اور کوئی خِدمت نہیں ہے۔'' کہہ کر پرندہ خُدا کی یاد میں مشغول ہو گیا۔

مطلب تو یہ ہے کہ جو خُدا کے عاشق ہیں، وہ ہر پل خُدا کی یاد میں مصرُوف رہتے ہیں۔ خُدا کے علاوہ اُن کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔ جس طرح کوئی کوّا سمندری جہاز پر بیٹھ جائے اور جہاز چل پڑے تو اُس کا اور کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔ نیچے سمندر ہے، اُوپر آسمان ہے۔ اُڑان بھری اور پھر واپس جہاز پر آ بیٹھا۔ دُوسری جگہ تو ہے نہیں۔ ٹھیک اِسی طرح خُدا کے عاشقوں کا بھی اُس کوّے جیسا حال ہے۔

95۔ مالک کی موج

مستک لِلاٹ لِکھیا دُھرٹھاکر میٹنا نہ جائے۔
نانک سے جن پُورن ہوئے جِن ہر بھانا بھائے۔ 110
گوُروامرداس

ایک دفعہ کا ذِکر ہے کہ ایک بھیکھی سادھُو کو گوُرونانک صاحب کے ساتھ رہنے کا اِتفاق ہوا۔ جو باہری بھیکھ کو بہت اہمیت دیتے ہیں، اُن کو صحیح معنوں میں گوُرو اور نام پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ ایک دِن اُس سادھُو نے کہا کہ مجھے کوئی مہاتما بتاؤ تاکہ میں اُس کی صحبت کروں۔ گوُرونانک صاحب نے کہا کہ بڑے بڑے مہاتما پڑے ہیں۔ پھر بھی اگر تُو نے جانا ہے تو تیرے راستہ میں بھائی لالو بڑھئی ہے، اُس کے پاس چلا جا۔ جب وہ وہاں گیا تو لالو اُٹھ کھڑا ہوا اور چارپائی ڈال دی۔ سادھُو بیٹھ گیا۔ بھائی لالو نے کوئی بات نہ کی اور اپنے کام میں مشغول رہا۔ جب تھوڑی دیر بعد سادھُو مایوس ہوکر جانے لگا تو بھائی لالو نے کہا، ''دو گھنٹے صبر کرو، مجھے ایک بہت ضرُوری کام ختم کرنا ہے۔ وہ کام ختم کرلوں پھر آپ کی خِدمت میں بیٹھوں گا۔'' سادھُو نے سوچا کہ یہ تو پکّا سنساری ہے، اِس سے دُنیا کے کام ہی نہیں چھُوٹتے۔ یہ کیسا مہاتما ہے!

اِدھر بھائی لالو نے دو بانس لیے، اُن کو جوڑ کر مُردہ اُٹھانے کی سیڑھی بنائی اور انتم سنسکار کا دُوسرا سامان اِکٹھا کیا۔ سادھُو نے یہ سب دیکھ کر پُوچھا، ''یہ کیا کر رہے ہو؟'' لالو نے جواب دیا، ''میرا بیٹا جو مُکلاوہ لینے گیا تھا، راستے میں اُس کے اُوپر سے گاڑی کا پہیّہ گزر گیا ہے اور وہ مر

گیا ہے۔اُس کی لاش آتی ہی ہوگی۔ یہ سیڑھی اُس کے لیے بنائی ہے۔''

سادھُو کے من میں بھرم پیدا ہوگیا۔ بولا، ''بھائی لالو! اگر تجھے معلوم تھا تو تجھے وہاں جا کر بیٹے کو ساتھ لے آنا تھا۔'' بھائی لالو نے جواب دِیا، ''جو ستگورُو کی موج ہوتی ہے، وہی ہوتا ہے۔'' اِس پر سادھُو نے کہا، ''ضرور اپنے بیٹے کے ساتھ تیری دُشمنی تھی۔ تُو نہیں چاہتا تھا کہ بیٹا زِندہ رہے۔'' یہ کہہ کر وہ ناراض ہو کر جانے لگا تو بھائی لالو نے کہا، ''تُو مجھے کیا کہتا ہے۔ آج سے آٹھویں دِن تُو اِس درخت سے پھانسی پر لٹک کر مرے گا۔ اگر بچ سکتا ہے تو بچ جا۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ جو کچھ ہونا ہوتا ہے، ہو کر ہی رہتا ہے۔''

اب سادھُو کو اپنی فکر پڑ گئی کہ کہیں سچ مُچ میرے ساتھ بھی ایسا نہ ہو۔ سوچا کہ اِس درخت سے بہت دُور چلا جاؤں تو اِس کے ساتھ پھانسی لگنے کا سوال ہی نہیں رہے گا۔ یہ سوچ کر وہ لگاتار چار روز تک جتنا دوڑ سکا، دوڑتا رہا۔ بھُوکا پیاسا تھک کر گر گیا اور بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو اُٹھ کر پھر دوڑنے لگا۔ لیکن بے ہوشی میں رُخ بدل گیا اور اُلٹی طرف دوڑنے لگا اور آخر اُسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے آٹھ دِن پہلے بھاگنا شروع کیا تھا۔ آٹھویں دِن سوچتا ہے اب مجھے کون پھانسی پر لٹکا سکتا ہے؟ میں تو اُس درخت سے کوسوں دُور ہوں۔ بھائی لالو جھوٹا ہے۔ میرا آج کا دِن باقی ہے، یہ سوچتے سوچتے اُسی درخت کے نیچے اُس کو نیند آ گئی۔ اُدھر وہاں سے کچھ دُور ایک شہر میں کچھ چوروں نے چوری کی اور مال چُرا کر بھاگتے ہوئے اُس درخت کے پاس سے نکلے۔ جتنا زیور اور باقی سامان تھا اُنہوں نے آپس میں بانٹ لیا، مگر ایک ہار رہ گیا۔ خیال کیا کہ ہار کو توڑ کر بانٹ لیں۔ پھر سوچا کہ یہ بہت خوبصورت ہے، کیوں نہ اسے سادھُو کے گلے میں ڈال دیں۔ یہ سوچ کر ہار اُس سوئے ہوئے سادھُو کے گلے میں ڈال کر وہ چلے گئے۔

جب دِن نکلا تو سپاہیوں نے، جو چور کی تلاش میں نکلے تھے، اُس سادھُو کو پکڑ لیا اور حاکم کے سامنے جا پیش کیا۔ اُس زمانے میں سزائیں سخت ہوتی تھیں۔ حاکم نے بغیر بیان لیے پھانسی کی سزا سُنا دی اور حُکم دیا کہ اِسے اُسی درخت سے لٹکا کر پھانسی دے دی جائے، کیونکہ قانون یہ تھا کہ جس کے پاس چوری کا مال مِل جائے اُس کو بغیر بیان لیے مُجرم قرار دیا جائے۔ پھر جب اُس کو پھانسی دینی ہوتی تھی تو اُس سے پُوچھ لیتے تھے کہ تجھے کِسی سے ملنا ہو تو بتا، تا کہ مِلا دیں۔

اُس سادھُو سے بھی پُوچھا گیا کہ تجھے کسی سے مِلنا ہو تو بتا۔ سادھُو نے کہا کہ ایک بھائی لالَو بڑھئی ہے، اُس سے مِلنا ہے۔ بھائی لالَو کو بُلایا گیا۔ جب وہ آیا تو سادھُو بولا، ''آپ ٹھیک کہتے تھے۔ میری غلطی تھی کہ میں نہیں مانا۔ اب سامنے وہی درخت ہے، وہی میں ہوں اور پھانسی کا حُکم ہو چُکا ہے۔ مہربانی کر کے جس طرح بھی ہو سکے مجھے بچا لو۔ میں ساری عُمر آپ کا احسان نہیں بھُولوں گا۔ بھائی لالَو نے کہا کہ میں اپنے ستگُورو نانک صاحب سے بینتی کرتا ہوں، اُمید ہے کہ وہ میری بینتی کو منظور کر کے تجھے بچا لیں گے۔ تُو آدھا گھنٹہ صبر کر۔ اِتنے میں خبر آئی کہ اصلی چور پکڑے گئے ہیں۔ چوروں نے بھی سوچا کہ اب ہم اقبالِ جُرم کر لیتے ہیں کہ چوری ہم نے کی ہے، ایسا نہ ہو کہ بے گُناہ سادھُو مارا جائے۔ جب چوروں سے چوری کا سارا مال برآمد ہو گیا تو حاکم نے اُس سادھُو کو چھوڑ دیا۔

سادھُو سیدھا بھائی لالَو کے گھر پہنچا اور پھر گُورو نانک صاحب کی صحبت میں آ کر اُن سے نام دان کی بخشش حاصل کی اور اُن کا پکّا سیوک بن گیا۔

96۔ سنت رویداس کا امرت دان

(دادُو) باہر کا سب دیکھئے، بھیتر لکھیا نہ جائے
باہر دِکھاوا لوک کا، بھیتر رام دِکھائی۔[111]

دادُو دیال

راجہ پیپا ایک دولت مند راجپوت بادشاہ تھا اور چند برس پہلے وہ راج گدّی پر بیٹھا تھا۔ ایک بار اُس کے دِل میں پرمارتھ کا شوق پیدا ہوا کیونکہ اُسے اپنی زِندگی میں خالی پن سا محسوس ہونے لگا تھا۔ اُس نے امیروں وزیروں کو اِکٹھا کر کے پُوچھا کہ کوئی وقت کا مہاتما اگر ہو تو بتاؤ۔ اُنہوں نے کہا کہ کبیر صاحب اور غریب داس جی تو چولہ چھوڑ گئے ہیں، اگر اِس وقت کوئی کمائی والا مہاتما ہے تو وہ سنت رویداس ہے جو جُوتے گانٹھ کر اپنی بسر اوقات کرتا ہے اور وہ آپ کے محلوں کے پاس ہی رہتا ہے۔ اب راجہ من میں سوچنے لگا کہ کیا کروں؟ پرمارتھ بھی ضروری ہے، لیکن اگر کھُلے عام جاتا ہوں تو لوگ برخلاف ہو جائیں گے، بغاوت کریں گے۔ مگر دِل میں پریم تھا، سوچا کہ کہیں سنت رویداس اکیلے مِلیں تو اُن سے نام لے لوُں۔

آخر ایک دِن ایسا اِتفاق ہوا کہ کوئی تہوار تھا اور ساری رعایا گنگا اشنان کے لیے چلی گئی تھی۔ اِدھر راجہ اکیلا تھا، اُدھر سنت رویداس جی کا محلہ سُونا تھا، کوئی بھی گھر پر نہیں تھا۔ راجہ چُھپ کر سنت رویداس کے گھر گیا اور عرض کی، ''گُورو مہاراج! نام دے دو۔'' سنت رویداس جی نے چمڑا بھگونے والے کُنڈ میں سے پانی کا ایک چُلّو بھر کر راجہ کی طرف بڑھایا اور کہا، ''راجہ! لے

یہ پی لے۔'' راجہ نے ہاتھ بڑھا کر لے تو لیا لیکن چمڑے والا پانی، کشتری راجپوت اور پھر راجہ! کیسے پیتا؟ کھُلی آستین کا کُرتا پہنا ہوا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور پانی اپنی باہوں کے بیچ میں گرا دیا۔ من میں سوچا کہ آج تو بڑی مُشکل سے بچا ہُوں۔ سنت رویداس جی نے سب دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔

راجہ چُپ چاپ سر جُھکا کر جھونپڑی سے باہر آ گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ اُسے ڈر تھا کہ اگر کوئی دیکھ لے گا تو سب کو پتہ چل جائے گا کہ راجہ جوُتے گانٹھنے والے کی جھونپڑی میں آتا جاتا ہے۔ لیکن سب لوگ ابھی تک گنگا اشنان سے نہیں لوٹے تھے۔ راجہ جلدی جلدی اپنے محل میں واپس آ گیا۔ اُسی وقت دھوبی کو بُلایا اور حُکم دیا کہ اِسی وقت اِس کُرتے کو کھڑے گھاٹ دھو کر لاؤ۔ دھوبی کُرتے کو گھر لے گیا۔ اُس نے داغ اُتارنے کی بہت کوشش کی لیکن سب کوششیں رائیگاں گئیں۔ پھر اپنی لڑکی سے کہا کہ اِن داغوں کو زبان سے چُوس کر نکال دے تا کہ کُرتا صاف ہو جائے اور راجہ ناراض نہ ہو۔ لڑکی معصوم اور نابالغ تھی۔ وہ داغ چُوس کر باہر تھُوکنے کی بجائے اندر نگلتی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی کا اندر پردہ کھُل گیا۔ اب وہ گیان دھیان کی باتیں کرنے لگی۔

رفتہ رفتہ سارے شہر میں خبر پھیل گئی کہ فلاں دھوبی کی لڑکی مہاتما ہے۔ آخر راجہ تک یہ بات پہنچ گئی۔ دِل میں کشش تو پیدا ہو چُکی تھی۔ سو ایک رات وہ سب کی نظر بچا کر دھوبی کے گھر جا پہنچا۔ لڑکی راجہ کو دیکھ کر ہاتھ جوڑ کر اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ راجہ نے کہا، ''دیکھ بیٹی میں تیرے پاس بھکاری بن کر آیا ہُوں، منگتا بن کر آیا ہوں، راجہ بن کر نہیں آیا۔'' لڑکی نے کہا، ''میں آپ کو راجہ سمجھ کر نہیں اُٹھی، بلکہ مجھے جو کچھ مِلا ہے آپ کی بدولت مِلا ہے۔'' راجہ نے حیران ہو کر پُوچھا کہ میری بدولت؟'' لڑکی نے کہا، ''جی ہاں!'' راجہ نے کہا، ''وہ کیسے؟'' تو لڑکی بولی۔ ''مجھے جو کچھ مِلا ہے آپ کے کُرتے سے مِلا ہے اور جو بھید تھا وہ آپ کے کُرتے میں تھا۔''

اب راجہ پچھتاتا ہے، اپنے آپ کو کوستا ہے کہ لعنت ہے میرے راج پاٹ پر، لعنت ہے میرے کشتری ہونے پر۔ چھُوت چھات تیرا بُرا ہو جس نے مجھے پرمارتھ سے خالی رہنے دیا! جب ٹھوکر لگی تو لوک لاج اور ذات پات کی پروانہ کرتا ہوا سیدھا سنت رویداس جی کے پاس پہنچا

اور دونوں ہاتھ جوڑ کر عرض کی، ''گُورودیو! وہی چرنامرت پھر بخشو۔'' سنت رویداس جی نے کہا، ''اب نہیں۔ جب تُو پہلی بار آیا تھا تو میں نے من میں سوچا کہ کشتری راجہ ہو کر اور خود چل کر میرے گھر آیا ہے، اِسے وہ چیز دُوں جو کبھی ضائع نہ ہو۔ وہ کُنڈ کا پانی نہیں تھا، امرت تھا، سچ کھنڈ سے آیا تھا۔ سو چا تھا، میں تو روز پیتا ہوں، آج راجہ بھی پی لے۔ لیکن تُو نے چمڑے کا پانی سمجھ کر نفرت کی اور کُرتے میں گرا دیا۔''

سنت رویداس جی نے اُسے دِلاسا دیتے ہوئے کہا، ''فکر نہ کرو، میں تجھے نام سمرن دُوں گا، پریم اور وِشواس کے ساتھ ابھیاس کرنا اور اِس دولت کو اپنے اندر پرگٹ کر لینا۔''

راجہ کو سمجھ آ گئی، یقین ہو گیا۔ پرمارتھ کا شوق تھا، کمائی کی اور مہاتما بن گیا۔ راجہ پیپا کے شبد گُورو گرنتھ صاحب میں درج ہیں۔ اب وہ راج بھی کرتا تھا اور نام کی کمائی بھی کرتا تھا۔

97۔ پریم سے پریم، نفرت سے نفرت

خُدا محبت ہے اور جو محبت میں قائم رہتا ہے، وہ خُدا میں قائم رہتا ہے، اور خُدا اُس میں قائم رہتا ہے۔[112]

یُوحنا۔1

کہتے ہیں ایک دفعہ اکبر بادشاہ اور بیربل کہیں جا رہے تھے کچھ فاصلے پر اُنہیں ایک جاٹ آتا نظر آیا۔ اکبر بادشاہ نے بیربل سے کہا کہ اِس شخص کو دیکھ کر اچانک میرا من کہتا ہے کہ اِسے گولی مار دُوں۔ دیکھیں اُس کے دِل میں میرے لیے کیا خیال آتے ہیں۔ جب وہ جاٹ اُن کے نزدیک آیا تو بیربل نے بادشاہ کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے اُس جاٹ سے پُوچھا، کہ ڈرو مت، سچ سچ بتاؤ، جب تیری نظر اِس آدمی پر پڑی تو تیرے من میں کیا خیال آیا تھا؟ اُس جاٹ نے کہا کہ میرا دِل کرتا تھا کہ اِس آدمی کی داڑھی نوچ لُوں۔ اِس خیال کی ترجمانی ہوگئی کہ دِل کو دِل سے راہ ہوتی ہے۔

اِس لیے کہتے ہیں کہ اگر مُرید مُرشد سے محبت کرتا ہے تو مُرشد بھی ضرُور اُس سے محبت کرے گا۔

98۔ پپیہے کا ہَٹ

جیو چاترک جل پریم پیاسا، جیو مِینا جل ماہے اُلاسا،
نانک ہر رس پی ترِپتا سا۔[113]

گُورو نانک

ایک دِن کبیر صاحب دریائے گنگا کے کنارے ٹہل رہے تھے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ ایک پپیہا پیاس سے نڈھال ہوکر دریا میں گِر گیا ہے۔ پپیہا سوانتی بُوند کے سِوا دُوسرا پانی نہیں پیتا۔ آس پاس خواہ دریا، سمندر، کنویں، تالاب بھرے ہوں اور پپیہا خواہ کتنا بھی پیاسا کیوں نہ ہو، وہ مر جائے گا لیکن کِسی دُوسرے پانی سے اپنی پیاس نہیں بُجھائے گا۔

کبیر صاحب نے دیکھا کہ بلا کی گرمی پڑ رہی ہے اور پپیہا پیاس سے تڑپتا ہوا دریا میں گرا پڑا ہے، لیکن دریا کے پانی کے لیے اُس نے اپنی چونچ نہیں کھولی۔ یہ دیکھ کر کبیر صاحب نے اپنے من میں کہا کہ جب میں اِس چھوٹے سے پپیہے کو سوانتی بُوند کے لیے اِس قدر بے تاب و بے قرار دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے مُرشد کے لیے اپنا عشق حقیر لگنے لگا ہے۔

پپیہا کا پَن دیکھ کر، دھیرج رہے نہ رنچ
مرتے دم جل میں پڑا، تو وَ نہ بوری چنچ۔[114]

اگر مُرید کے دِل میں خُدا یا مُرشد کے لیے پپیہے جیسی پُرشدت تڑپ اور پریم ہو تو وہ بہت جلد اُونچے رُوحانی منڈلوں میں پہنچ جائے۔

99۔ ایک کان سے سُنا، دُوسرے سے نکال دیا

اُس مالک نے اپار دیا کر کے آپ کو ایک ایسی انمول دات بخشی ہے جس کے سامنے اِس دُنیا کی تمام دھن دولت حقیر ہے۔ لیکن اِس دات کا فائدہ آپ کو تبھی پہنچے گا جب آپ اُس کا ابھیاس کریں گے۔[115]

مہاراج ساون سنگھ

دِلّی میں ایک مہاجن تھا۔ اُسے سادھوسنتوں کے ست سنگ سُننے کا بہت شوق تھا۔ وہ روز ست سنگ میں جاتا اور اپنے لڑکے کو دُکان پر چھوڑ جاتا۔ ایک دِن اُس کے لڑکے نے کہا، ''پِتا جی! آپ بِنا ناغہ ست سنگ سُننے جاتے ہو، آپ کو اِس سے ضرُور آنند ملتا ہوگا۔ ایک دِن مجھے بھی ست سنگ میں جانے کا موقعہ دینا اور اُس دِن آپ دُکان پر رہنا۔ میرا من بھی کرتا ہے کہ دیکھوں ست سنگ کیسا ہوتا ہے۔''

پِتا نے کہا، ''کیوں نہیں، تُم بھی ضرُور جانا۔ تمہیں بھی خوب آنند آئے گا۔''

جب ایک دِن لڑکا ست سنگ میں گیا تو وہاں مہاتما نے یہ بچن کہے، ''سب کی سیوا کرنی چاہیئے، کبھی کِسی کا دِل نہیں دُکھانا چاہیئے۔'' وہ ست سنگ سُن کر دُکان پر آ گیا۔ بازار میں عموماً گائیں پھرتی رہتی ہیں۔ ایک گائے آ کر آٹا کھانے لگ گئی۔ وہ چُپ چاپ بیٹھا رہا۔ اِتنے میں اُس کا پِتا آ گیا۔ اُس نے دیکھا تو غُصے سے بولا، ''او اندھے! دیکھتا نہیں، گائے آٹا کھا رہی

ہے؟'' بیٹے نے جواب دیا، '' تو کیا ہو گیا، پتا جی! اگر گائے دو چار سیر آٹا کھا جائے گی تو کیا گھٹ جائے گا۔ ہمارے پاس بہت ہے، کتنا کھا جائے گی؟ ہمارے کتنے تو مکان ہیں جن کا ہمیں کرایہ آتا ہے اور جو رقم ہم نے لوگوں کو اُدھار دے رکھی ہے، اُس سے کتنا تو سُود آتا ہے۔ اگر گائے تھوڑا سا آٹا کھا جائے گی تو کیا آفت آ جائے گی؟'' مہاجن باپ نے کہا، '' آج تُو یہ سبق کہاں سے سیکھ کر آیا ہے؟ تُو اچھی طرح سمجھ لے کہ مجھے یہ بالکل پسند نہیں ہے'' لڑکے نے جھٹ سے کہا، '' یہ میں نے ست سنگ میں سُنا تھا کہ سب کی سیوا کرنی چاہیئے اور کِسی کا دِل نہیں دُکھانا چاہیئے۔'' یہ سُن کر باپ آگ بگوُلا ہو کر کہنے لگا، '' خبردار جو دوبارہ ست سنگ میں گیا۔ تیس سال سے میں روزانہ ست سنگ سُنتا آ رہا ہوں لیکن مجھے تو ست سنگ کا ایک بھی شبد یاد نہیں۔ تُو ایک دِن ست سنگ گیا اور سب یاد کر کے لے آیا؟ یاد رکھ! جو کچھ بھی ست سنگ میں سُنو ایک کان سے سُنو اور دُوسرے کان سے نکال دو۔ ست سنگ کی باتیں پلّے باندھ کر گھر نہیں لایا کرتے، بلکہ وہیں پُوری طرح پلّہ جھاڑ کر آیا کرتے ہیں۔''

اِسی طرح ہم بھی ست سنگ سُنتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے۔

100۔ بادشاہ کا خالی ہاتھ

آدمی اگر ساری دُنیا کو حاصل کرے اور اپنی جان کا
نُقصان اُٹھائے تو اُسے کیا فائدہ ہوگا؟[116]
مرقس

محمُود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ۱۷ حملے کیے اور بہت سا دھن دولت، سونا چاندی، ہیرے جواہرات لُوٹ کر غزنی لے گیا۔ وہ تُرک تھا اور اُس کے آباؤ اجداد وسط ایشیا سے آئے تھے۔ آج غزنی افغانستان میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، مگر محمُود غزنوی کے وقت میں شاید یہ ایشیا کا سب سے دولت مند شہر تھا کیونکہ وہ ہندوستان کے بہت سے شہروں اور مندروں سے سونا چاندی وغیرہ لوُٹ کر وہاں لے گیا تھا۔ آخر جب موت کا وقت آیا تو اتنا طاقتور اور ظالم حاکم سوچنے لگا کہ اس مال کا کیا کروں؟ سوچ کر حُکم دیا کہ سارا مال نکال کر باہر سجایا جائے۔ جب مال سجایا گیا تو کئی میلوں میں پھیل گیا۔ کئی گھنٹوں تک وہ سونے کے سِکّوں، ہیروں، منیوں، پنّوں، حیرت انگیز کاریگری کی ہوئی مورتیوں، لطیف نقاشی کی ہوئی چھوٹی چھوٹی تصویروں اور دیگر بیش قیمت اشیا کے انباروں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر بے ساختہ رو پڑا اور سرد آہ بھر کر بولا، ''ہائے! اِس دولت کے لیے میں نے کتنے بچے یتیم کیے، کتنی عورتیں وِدھوا کیں، کتنے بے گناہوں کا قتلِ عام کیا لیکن اب یہ میرے ساتھ نہیں جاتی۔ اپنے اہلکاروں کو حُکم دیا کہ میرے دونوں ہاتھ کفن سے باہر رکھنا تا کہ دُنیا کو پتہ چلے کہ میں اِس جہان سے خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔

آخری وقت دُنیا کی کوئی چیز کسی کے ساتھ نہیں جاتی۔

101۔ بےداغ داڑھی

من ہمارا دُشمن ہے اور اِسے دُشمن سمجھتے ہُوئے اِس کی حرکتوں پر نگرانی رکھنی چاہیئے۔ 117

مہاراج ساون سِنگھ

ایک عورت تھی۔ اُس کے رِشتے داروں میں ایک اچھا کمائی والا مہاتما تھا۔ کچھ رُوحانی کمائی اور کچھ بےفکری اور بے پرواہی تھی جس کی وجہ سے اُس کے چہرے پر ہمیشہ جلال اور مسرّت ٹپکتی تھی۔ اُس نے لمبی داڑھی رکھی تھی جو بڑی عالیشان لگتی تھی۔ ایک دِن وہ عورت مہاتمہ سے بولی، ''بزرگوار! آپ کے مُنہ پر یہ کیا ہے، داڑھی یا جھاڑی؟'' وہ مہاتما چُپ رہا۔ اِسی طرح وہ عورت اکثر اُس کو چڑِاتی رہتی اور وہ خاموش رہتا۔ جب مہاتما کی موت کا وقت آیا تو اُس نے اُس عورت کو بُلایا اور اُس سے کہا، ''بی بی! اب پوچھ، جو تم اکثر پُوچھتی ہو۔'' عورت نے نہایت سنجیدگی سے اپنا مذاق دوہرایا، ''آپ کے مُنہ پر کیا ہے؟ داڑھی یا جھاڑی؟'' مہاتما نے کہا، ''آج میں وثوق کے ساتھ تیری بات کا جواب دے سکتا ہوں کہ میرے مُنہ پر داڑھی ہے، جھاڑی نہیں۔ میں آج اِس داڑھی کو بے داغ اور صاف سُتھری لے کر جا رہا ہوں۔'' عورت کہنے لگی، ''یہ بات پہلے کبھی کیوں نہیں بتائی؟ اِتنے برس خاموش کیوں رہے؟'' مہاتما نے پُر خلوص لہجے میں کہا، ''بی بی، من کا کوئی اعتبار نہیں۔ اِسکا کیا بھروسہ کہ کب گرادے اور داڑھی کو داغ لگادے۔ اِنسان کو زِندگی میں کبھی کسی بات کا غرُور نہیں کرنا چاہیئے۔''

دُنیا میں دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔

102۔ دھرم داس کا بھوج

ابھیاس میں ترقی سے بڑھ کر کوئی دُوسری دولت نہیں ہے۔
یہ وہ سرمایہ ہے جو موت کے بعد بھی ساتھ جاتا ہے۔[118]
مہاراج ساون سِنگھ

دھرم داس ایک دولت مند بیوپاری تھا اور اُسے کبیر صاحب کی قُربت حاصل تھی۔ دراصل پچھلے کئی جنموں سے اُس کا اور کبیر صاحب کا ساتھ چلا آ رہا تھا۔ کبیر صاحب اُسے نجات دِلانا چاہتے تھے۔ ایک دِن جب دھرم داس ٹھاکروں کی پُوجا کر رہا تھا تو کبیر صاحب وہاں آ نکلے اور اُس کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ جب وہ پُوجا کر چُکا تو کبیر صاحب ٹھاکروں کی طرف اِشارہ کر کے بولے، ''یہ جو بڑے بڑے ہیں یہ تو دو دو سیر کے باٹ ہوں گے اور جو چھوٹے چھوٹے ہیں، وہ کیا ہیں .. چھٹانکیں؟'' یہ سُن کر دھرم داس کو بہت غُصہ آیا کہ کبیر صاحب ٹھاکروں کی بے عزتی کر رہے ہیں۔ کبیر صاحب پھر بولے، ''بتاؤ یہ کبھی بولے بھی ہیں؟'' یہ کہہ کر آپ غائب ہو گئے۔ اب دھرم داس نے سوچا کہ واقعی بولے تو کبھی نہیں، بات تو ٹھیک ہے، مجھے تو کافی عرصہ ہو گیا پُوجا کرتے ہُوئے۔

کچھ دِنوں کے بعد کبیر صاحب سادھُو کے بھیس میں دھرم داس کے گھر گئے۔ اُس وقت دھرم داس چوُلہے میں آگ جلا رہا تھا اور اُس کی بیوی آمنہ پاس بیٹھی تھی۔ کبیر صاحب نے کہا، ''دھرم داس! تم بڑے پاپی ہو۔ تم جیو ہتیہ کرتے ہو۔'' اب اِستری اپنے پتی کی نِندا نہیں سُن سکتی۔ اُس نے کہا، ''تُو پاپی ہو گا، میرا پتی نہیں۔ تُو نے اُس کا کون سا پاپ دیکھا ہے؟'' کبیر صاحب بولے،

''دھرم داس! تم جولکڑی جلا رہے ہو اُس کو ذرا پھاڑ کر دیکھو۔'' جب پھاڑ کر دیکھا تو اُس کے اندر سے کچھ زِندہ اور کچھ جلے ہوئے سینکڑوں کیڑے نکلے۔ کبیر صاحب نے کہا، ''دیکھو، تم نے کتنے جیوجلائے ہیں، یہ پاپ نہیں تو اور کیا ہے؟'' اتنا کہہ کر آپ پھر غائب ہو گئے۔

دھرم داس نے سوچا کہ بات تو سچّی کہی ہے۔ ایک دِن پہلے بھی یہ سادھو مِلا تھا۔ اگر میری بیوی اُس پر ناراض نہ ہوتی تو میں اُس سے مالک کے گھر کی خبر پُوچھتا۔ اپنے اُوپر الزام آتے دیکھ کر دھنی دھرم داس کی بیوی نے صلاح دی، ''آپکے پاس کروڑوں روپے ہیں، یگیہ کریں۔ وہ خود ہی یگیہ میں آجائے گا۔ سادھوؤں کی کیا کمی ہے؟ گُڑ پر مکھیاں تو آتی ہی ہیں۔''

دھرم داس نے کاشی میں ایک نہیں کئی یگیہ کیے۔ لیکن کبیر صاحب کہیں نہیں آئے۔ ایک جگہ یگیہ کیے، وہاں نہیں آئے، دُوسری جگہ کیے، وہاں بھی کبیر صاحب نہ آئے۔ گنگا کے پاس یگیہ کیے، لیکن کبیر صاحب کو نہیں آنا تھا، سو نہیں آئے۔ جوں جوں دھرم داس یگیہ کرتا گیا اُس کی کبیر صاحب کو مِلنے کی تمنا زور پکڑتی گئی، لیکن کبیر صاحب نہ مِلے۔

دھرم داس نے اپنی ساری جائداد بیچ کر یگیوں میں لگا دی تھی اور کبیر صاحب پھر بھی نہیں آئے۔ جب سارا سرمایہ خرچ ہو گیا تو بہت مایوس ہوا۔ ہار کر سوچتا ہے، روپیہ بھی گیا، سادھو بھی نہ مِلا، اب گھر جا کر کیا کروں گا۔ کیوں نہ جمنا ندی میں ڈُوب کر مر جاؤں؟ سوچتا ہے اگر یہیں بستی کے نزدیک ڈُوبوں گا تو لوگ بچا لیں گے۔ چلو کہیں دُور جا کر ڈُوب مریں۔ جب بستی سے دُور گیا تو آگے کبیر صاحب بیٹھے تھے۔ چرنوں پر گر پڑا۔ بولا کہ میں نے آپ کے لیے کیا کیا نہ کیا۔ کبیر صاحب نے کہا، ''دیکھ دھرم داس! میں اِس لیے نہیں آیا کہ جب تک تمہارا دھن سے موہ تھا تم نام کی دِیکھشا کے لائق نہیں تھے اور اگر میں پہلے آکر تمہیں مِلتا تو تُو کہتا کہ یہ لالچی ہے۔ تیری بیوی نے بھی تو کہا تھا کہ 'گُڑ پر مکھیاں بہت'۔ اب میں تجھے وہ چیز دُوں گا جو کبھی فنا نہیں ہو گی۔'' آخر کبیر صاحب نے دھنی دھرم داس کو رُوحانی دولت سے مالا مال کر دیا۔ یہی دھرم داس بعد میں کبیر صاحب کی گدّی پر بیٹھا۔

103۔ پھٹا کُرتہ

وہ ہماری تمام اچھائیوں اور بُرائیوں کو جانتا ہے۔اُس سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔وہ جانتا ہے کہ ہمارے روگ کی دوا کیا ہے اور ہم گنہگاروں کی نجات کیسے ہو سکتی ہے۔ عاجز بنو، کیونکہ وہ عاجزوں پر رحمت کرتا ہے۔[119]

پیرِ ہرات

حضرت یُوسفؑ جِس کو بائبل میں جوزف کہا گیا ہے، بہت خوبصورت اور عقلمند تھے۔اُن کے بڑے بھائی اُن سے حسد کرتے تھے۔اُن کے حسد کی وجہ یہ تھی کہ وہ بچپن ہی سے ہر میدان میں اُن سے آگے رہتے تھے۔حاسد بھائیوں نے آپس میں ایک سازش بنائی اور اُنہیں غُلاموں کی تجارت کرنے والے ایک سوداگر کے پاس بیچ دیا۔اُس سوداگر نے ایک بڑی رقم دے کر اُنہیں خرید لیا اور مِصر کے بادشاہ کے پاس بیچ دیا۔

اُس بادشاہ کی بیگم کا نام زُلیخا تھا۔حضرت یُوسفؑ کی خوبصورتی کو دیکھ کر وہ اُن پر فریفتہ ہو گئی۔ایک دِن وہ حضرت یُوسف کو اپنے محل کے اندر لے گئی، باہر سے دروازے بند کر دیے اور اپنا کھوٹا خیال ظاہر کیا۔اب حضرت یُوسفؑ شش و پنج میں پڑ گئے کہ ایک طرف تو میرا ایمان جاتا ہے، درگاہ میں سزا مِلتی ہے، دُوسری طرف یہ بادشاہ کی بیگم ہے، اگر اِس کا کہنا نہیں مانتا تو یہ مجھ پر جھوٹا اِلزام لگا کر صُبح مروا دے گی، اِس لیے میں کروں تو کیا کروں؟ آپ یہی سوچ بچار کر رہے تھے کہ زُلیخا نے وہاں پڑی پتھر کی مُورتی پر کپڑا ڈال کر اُسے ڈھک دیا۔

وہ اُس پتھر کی مُورتی کی پُوجا کیا کرتی تھی۔ حضرت یُوسفؑ نے اُسے ایسا کرتے دیکھا تو پُوچھا، ''یہ کیا ہے؟'' اُس نے کہا، ''یہ میرا دیوتا ہے۔ میں اِس کی پُوجا کرتی ہُوں، اِس لیے پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ دیکھ نہ لے۔''

حضرت یُوسفؑ نے کہا، ''جِس کی تُو پُوجا کرتی ہے اُس کے اُوپر تو کپڑا ڈال دیا، وہ تو اب نہیں دیکھتا، لیکن جو میرا خُدا ہے وہ تو ہر جگہ موجُود ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف بھاگا۔ زُلیخا نے پیچھے سے کُرتہ پکڑا، کُرتہ پھٹ گیا، لیکن وہ دوڑ کر باہر نکل گیا۔

زُلیخا نے اپنے شوہر بادشاہ سے شکایت کر دی کہ یُوسف نے مجھے ہاتھ لگایا ہے۔ یہ بدچلن ہے اِسے پھانسی پر لٹکا دو۔ بادشاہ سوچ میں پڑ گیا کہ بیگم کی بات کا یقین کرے یا اُس خوبصورت غُلام کا۔ لہٰذا اُس نے تحقیقات شروع کر دی۔ حضرت یُوسفؑ سے جب پُوچھا گیا تو آپ نے سچ سچ بتا دیا۔ پھر بادشاہ نے امیروں وزیروں سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے یک رائے یہ فیصلہ سُنایا کہ اگر کُرتہ سامنے سے پھٹا ہے تو یُوسف قصوُروار ہے اور اگر کُرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو یُوسف بھاگا ہے اور زُلیخا نے پیچھے سے کُرتہ پکڑا ہے، جس کی وجہ سے وہ پھٹا ہے۔ جب دیکھا تو سچائی کا پتہ چل گیا۔ اب زُلیخا کی شرمناک حرکت ثابت ہو گئی اور حضرت یُوسفؑ کو چھوڑ دیا گیا۔

اگر ہمارے دِل میں یہ خیال پُختہ ہو جائے کہ واقعی خُدا ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور ہمیں دیکھتا ہے تو دُنیا سے بُرائی کافی حد تک نابُود ہو جائے۔

104۔ مالک سب دیکھتا ہے

میں تیری رُوح سے بچ کر کہاں جاؤں یا تیری حضوری سے
کِدھر بھاگوُں؟ اگرآسمان پر چڑھ جاؤں تو تُو وہاں ہے۔
اگر میں پاتال میں بستر بچھاؤں تو دیکھ! تُو وہاں بھی ہے۔[120]
زُبور

کِسی مہاتما کے پاس دو آدمی نام لینے آئے۔ اُن میں سے ایک قابل تھا، دُوسرا نااہل۔ مہاتما کمائی والے تھے اُنہوں نے دونوں کو ایک ایک بٹیر دے دیا اور کہا کہ جاؤ، اِس کو اُس جگہ جا کر مار لاؤ جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو۔ اُن میں سے ایک تو جھٹ سے درخت کی آڑ میں جا کر بٹیر کو مار کر لے آیا۔ جو دُوسرا تھا وہ چلتا چلتا اُجاڑ میں چلا گیا۔

اب وہ سوچتا ہے کہ جب میں اُسے مارتا ہوں تو یہ خود تو مجھے دیکھتا ہے اور میں بھی اِسے دیکھتا ہوں۔ تب تو ہم دیکھنے والے دو ہو گئے اور تیسرا مالک دیکھتا ہے، لیکن حُکم یہ تھا کہ اِسے وہاں مارو جہاں کوئی نہ دیکھے۔ آخر ہار کر زِندہ بٹیر لے کر مہاتما جی کے پاس آیا اور بولا کہ مہاتما جی! مجھے تو ایسی کوئی جگہ نہیں مِلی جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، کیونکہ مالک تو ہر جگہ موجود ہے۔ مہاتما نے کہا کہ میں تجھے نام دُوں گا اور دُوسرے کو کہا، جاؤ، تمہارا ابھی وقت نہیں آیا۔

اِس لیے اگر مالک کو ہر جگہ حاضر ناظر سمجھیں تو ہم کوئی عیب پاپ یا اور کوئی بُرا کام نہ کریں۔

105۔ سچا تیاگی کون؟

ہر بھئیو کھانڈ ریت میں بکھر یو ہستیں چُنیو نہ جائی ،
کہہ کبیر کُل جات پانت تج چیٹی ہوے چُن کھائی ۔ [121]
کبیر صاحب

رِشی ویدویاس کا بیٹا شُکدیو جسے ماں کے گربھ میں ہی گیان تھا، راجہ جنک کو گُورو دھارن کرنے کے خیال سے اپنے گھر سے تیرہ بار نکلا۔ اُس کے پِتا نے اُسے یہ بتایا تھا کہ اُس وقت کے پُورن گُورو راجہ جنک کے پاس جاؤ اور اُسے گُورو دھارن کرو۔

شُکدیو گھر سے نکلتا تو تھا، مگر راستے ہی سے لوٹ آتا تھا۔ دراصل وہ ایسا گُورو دھارن کرنا چاہتا تھا جو اُس کی طرح تیاگی ہو۔ وہ سمجھتا تھا کہ وہ ایک اُونچے خاندان کا سریشٹ براہمن اور تیاگی ہے جب کہ راجہ جنک ایک کشتری راجہ ہے اور دُنیوی عیش وعشرت کی زِندگی بسر کرتا ہے، شاہی شان وشوکت، دھن دولت اور حکومت کی طاقت میں غلطان ہے۔

آخرکار نارد مُنی نے ایک بُوڑھے آدمی کے بھیس میں آکر یہ بھید کھولا کہ اُس کی چودہ کلاؤں میں سے بارہ کلائیں اِس لیے ضائع ہوگئیں ہیں کیونکہ وہ بارہ مرتبہ راجہ جنک کو گورو دھارن کرنے گیا اور ہر بار راجہ جنک کو مِلے بغیر راستے سے واپس چلا گیا۔ تب اُس نے مجبوراً اپنے پِتا کی ہدایت کے مطابق راجہ جنک کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔

وہ چل تو پڑا لیکن من میں ابھی بھی اہنکار تھا کہ میں ویدویاس کا بیٹا ہوں، شاید راجہ جنک مجھے لینے آئے۔ محل کے نزدیک پہنچ کر اِطلاع کروادی کہ ویدویاس کا بیٹا شُکدیو آیا ہے۔ راجہ نے حُکم

دیا کہ وہ وہیں باہر کھڑا رہے۔ اِتفاق سے وہ جگہ ایک اصطبل کے پاس تھی جہاں سارا کُوڑا کرکٹ، گھوڑوں کی لِید وغیرہ پھینکے جاتے تھے۔ کھڑے کھڑے چار دِن گزر گئے اور وہ کوڑے اور لِید کے انبار میں دب سا گیا۔ تب راجہ نے پُوچھا کہ وید ویاس کا لڑکا آیا تھا وہ کہاں ہے؟ دربان نے کہا کہ حضور وہ باہر کھڑا ہے۔ راجہ نے حُکم دیا کہ اُس کو نہلاؤ دُھلاؤ اور یہاں پیش کرو۔ راجہ جنک نے یہ دیکھ کر کہ اُس کو تیاگ کا اہنکار ہے اور مجھے بھوگی سمجھتا ہے، ایک کوتک رچا۔ جب شُکد یو نہا دھو کر حاضر ہوا تو وہاں وہ کیا دیکھتا ہے کہ راجہ بیٹھا ہے، اُس کے ایک پیر کو عورتیں اپنے نازک ہاتھوں سے داب رہی ہیں، اور دُوسری طرف آگ کا ایک چولہا پڑا ہے جس میں راجہ کا دُوسرا پیر جل رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ سوچتا ہے کہ اوہو! میں بڑی بھُول میں تھا جو اِس کو بھوگی سمجھتا رہا۔ یہ تو کوئی بڑا پہنچا ہوا مہاتما ہے۔ اب راجہ نے اُس کا یقین مزید پختہ کرنے کے خیال سے ایک اور کوتک رچا۔

ایک نوکر نے آکر عرض کی، ''حضور! شہر کو آگ لگ گئی ہے۔'' جنک بولے، ''ہری اِچھا۔'' پھر خبر مِلی کہ شہر کی چھاؤنی جل گئی ہے۔ جنک بولے، ''ہری اِچھا۔'' پھر خبر مِلی کہ تمام کچہریاں جل گئیں ہیں۔ جنک بولے، ''ہری اِچھا۔'' پھر خبر مِلی کہ آپ کے محلوں کو آگ لگ گئی ہے۔ راجہ جنک پھر بولے، ''ہری اِچھا۔'' شُکد یو من میں سوچتا ہے، بڑا بے وقوف ہے، کوئی انتظام نہیں کرتا۔ اتنے میں آگ راجہ کے نزدیک آ گئی۔ یہ دیکھ کر شُکد یو نے اپنا جھولی ڈنڈا اسنبھالا اور بھاگنے کی تیاری کی۔ راجہ جنک نے اُس کا بازُو پکڑ لیا اور کہا، ''دیکھ! میرا سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا، میں نے پروا نہیں کی، لیکن تُو اپنا جھولی ڈنڈا اسنبھالنے کی فکر میں پڑ گیا ہے جو آٹھ آنے کا نہیں تو ایک روپے کا ہوگا۔ اب بتا کہ تیاگی کون ہے؟'' رِشی شُکد یو چُپ چاپ سُنتا رہا۔ آخر سمجھ گیا کہ میں تیاگی نہیں ہوں، بلکہ سچا تیاگی تو راجہ جنک ہے۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ مجھے نام دے دو۔ راجہ جنک بولے کہ تُو ابھی نام کے قابل نہیں ہے۔

راجہ جنک شُکد یو کی باطنی حالت کو جانتے تھے کہ اُسے نام کی اہمیت کو ذہن نشین کرانے کی ابھی اور ضرورت ہے۔ لہٰذا راجہ نے اہلکاروں کو حُکم دیا کہ شُکد یو کی آؤ بھگت کے لیے سارے شہر کو تہوار کے جشن کی مانند سجایا جائے۔ ہر طرح کی تفریح اور رنگا رنگ ناچ گانے کی محفلوں کا

معقول اِنتظام کیا جائے۔

ساری تیاری ہو جانے کے بعد راجہ جنک نے شُکد یو کو بُلایا اور کہا کہ شہر میں جاؤ اور سارے شہر کی رونق اور سجاوٹ کو دیکھ کر آؤ اور جو کچھ دیکھو اُس کی تفصیل مجھے آ کر بتاؤ۔ اتنا کہہ کر راجہ جنک نے ایک دُودھ سے لبالب بھرا پیالہ اُس کی ہتھیلی پر رکھوا کر کہا کہ یہ دُودھ کا پیالہ تمہاری ہتھیلی پر اِسی طرح رہنا چاہیئے، دودھ کی ایک بُوند بھی نیچے نہ گرنے پائے۔ پھر راجہ نے دو سپاہیوں کو اُس کے دائیں بائیں کھڑا کر دیا جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ اُن سپاہیوں کے سردار کو راجہ نے حُکم دیا کہ شُکد یو کو شہر کے ہر بازار میں لے جاؤ اور اُس کی آؤ بھگت کا ہر ساز و سامان جو شہر میں سجایا گیا ہے اُسے دِکھانے لے جاؤ، کوئی چیز باقی نہ رہے۔ لیکن اگر اُس کی ہتھیلی پر رکھے دُودھ کے پیالے میں سے ایک بُوند دُودھ بھی گر جائے تو اُسی وقت اُس کا سر قلم کر دو۔

نہایت خوبصورت پوشاک پہنے سپاہیوں کے بیچ شُکد یو شہر کے ہر ایک بازار میں سے گھُومتا پھرتا ہوا رات ہوتے ہوتے راجہ جنک کے دربار میں صحیح سلامت واپس آ گیا۔

راجہ جنک بولے، ''مجھے اُمید ہے کہ تُم شہر کے ہر بازار کی سجاوٹ کو بخوبی دیکھ کر آئے ہو۔ اب میں جاننا چاہوں گا کہ شہر کے سارے ساز و سامان میں سے کون سی چیز تمہیں زیادہ پسند آئی اور کون سی کمی کہاں رہ گئی؟'' اِس پر شُکد یو نے جواب دیا، ''اے راجن! سچ پُوچھو تو میں نے سارے شہر میں سِوائے دُودھ کے پیالے کے کچھ نہیں دیکھا۔ ہر لمحہ میرا خیال دُودھ سے بھرے پیالے پر لگا رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دُودھ کا کوئی قطرہ گر جائے اور میرا سر قلم کر دیا جائے۔''

راجہ جنک مُسکراتے ہوئے بولے، ''شُکد یو، اِس شاہی شان و شوکت اور دھن دولت کے بیچ میں مَیں بھی ایسے ہی رہتا ہوں۔ مجھے بھی پرماتما کے بغیر کچھ نہیں دِکھتا۔ ہر لمحہ مجھے یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں میری زندگی دُنیا کی مایاوی دِلفریبی میں مبتلا ہو کر بے کار نہ چلی جائے۔''

راجہ جنک بولے، ''اب ذرا قیاس کرو کہ دُودھ کا بھرا وہ پیالہ ہمارا من ہے جس کو برغلانے کے لیے دُنیا کی دُھوم دھام اور مایا کا ساز و سامان ہے۔ میں دُنیا میں بڑی بے داری اور ہوشیاری سے رہتا ہوں تا کہ میرا من دُنیا کی دلفریبی میں گرنے نہ پائے۔ میں ہر پل اپنے من کو پرماتما کی یاد میں لگائے رکھتا ہوں اور پربھو بھگتی کے بغیر گزری اپنی زِندگی کو موت سمجھتا ہوں۔''

راجہ جنک نے دیکھا کہ شُکدیو کا من اُن کے گیان کی باتیں سُن کر عاجز ہو گیا ہے۔ آپ نے خوشی خوشی اُسے اپنا مُرید بنانا قبول کر لیا اور نام کا بھید دے دیا۔

تکبر اور بے اعتمادی گُورو دھارن کرنے اور پرمارتھ کے سچے مارگ پر چلنے کی راہ میں حائل زبردست رُکاوٹیں ہیں۔ بے شک شُکدیو کو راجہ جنک میں اپنا اعتقاد پختہ کرنے اور اپنے تکبر اور شکوک واوہام کو دُور کرنے میں بڑی کڑی آزمائش سے گُزرنا پڑا۔

106۔ فقیروں کے ساتھ گھمنڈ

ہوئے سبھنا کی رینُکا تو آؤ ہمارے پاس۔[122]
گُورو ارجن دیو

شیخ فرید اوائل عمر ہی سے رُوحانیت میں دِلچسپی رکھتے تھے۔ اُنہوں نے خواجہ مُعیّن الدّین چشتی کا نام سُن رکھا تھا، جو راجستھان کے ایک مشہور شہر اجمیر میں مقیم تھے۔ جب آپ اُن سے بیعت ہونے کے لیے اجمیر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب ایک سُوکھے درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہُوئے ہیں۔

فرید کو اِس بات سے بڑی حیرانی ہُوئی کہ ایک کامل فقیر جس درخت کا سہارا لے کر بیٹھا ہو وہ درخت پھر بھی سُوکھا رہ جائے۔ فرید نے اپنی رُوحانی طاقت کا اِستعمال کرتے ہُوئے درخت پر نگاہ ڈالی جس سے وہ یکدم ہرا بھرا ہو گیا۔ خواجہ صاحب نے یہ سب دیکھا اور درخت پر نظر ڈالی اور وہ پہلے کی طرح پھر سُوکھ گیا۔ فرید نہیں چاہتے تھے کہ درخت اِسی طرح سُوکھا رہے۔ اُس نے پھر نگاہ ڈالی اور اُسے پھر ہرا بھرا کر دیا۔ لیکن خواجہ صاحب نے پل بھر میں اُسے پھر سُوکھا کر دیا۔ خواجہ صاحب فرید کی طرف مُڑے اور بولے، ''بچّہ! تو رُوحانی اسرار جاننے اور کُل مالک سے وصال کرنے کے لیے آیا ہے کہ قُدرت کے نظام میں دخل اندازی کرنے کے لیے؟ خُدا کے حُکم سے ہی یہ درخت سُوکھ گیا ہے، تُم قُدرت کے نظام میں مداخلت کر کے اِس کو بار بار ہرا کیوں کرنا چاہتے ہو؟ جاؤ، اب تُم دِلّی میں قُطب الدّین بختیار کاکی کے پاس جاؤ۔ وہ تمہارے دِل کی کیفیت کو دیکھ کر تُم پر بخشش کریں گے۔''

حُکم کے مُطابق فرید دِلّی پہنچ گئے۔ وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ قُطب الدّین جو ابھی نابالغ لڑکے ہی تھے، اپنے ہم عُمر دوستوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ کچھ دیر فرید غیر یقینی کی حالت میں بختیار کاکی کی طرف دیکھتے رہے اور سوچنے لگے کہ یہ نابالغ لڑکا مجھے کیا علم دے گا۔

حضرت قُطب الدّین بظاہر کم عُمر لڑکے تھے، مگر رُوحانی طور پر نہایت بلند رسائی کے مالک تھے۔ وہ کھیلنا بند کر کے پاس ہی ایک حُجرے میں گئے اور ایک لمحہ بعد ہی سفید لمبی داڑھی والے بُزرگ کی صوُرت میں باہر آئے اور فرمانے لگے، ''کیوں، اب تو میں اتنا بُزرگ اور دانشمند دِکھائی دیتا ہوں کہ تُم مجھے اپنا مُرشد بنا سکوں؟'' فرید کو اپنی ناسمجھی اور جھوٹے غرور کا احساس ہوا اور اُن کا سر ندامت کے مارے جُھک گیا۔ آپ نے اُن کے آگے سر بسجدہ ہو کر اپنی خطا قبُول کی اور رحم و کرم کی خیرات مانگی۔ اِس کے بعد شیخ فرید مُرشد کی خدمت وصحبت میں رہ کر اُن کے سچے مُرید بن گئے اور عرصہ پا کر کامل فقیر کے رُتبہ کو پہنچے۔

فقیروں کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کے لیے حلیمی اور اِنکساری ضرُوری ہے۔

107۔ پھر کبھی جلیبیاں نہیں مانگوں گا

ساکت نر پرانی سد بھُو کھے نِت بھُوکھن بھُوکھ کر تیجَ۔[123]

گوُروراماداس

ذِکر ہے، ایک مُسلمان فقیر ایک دِن بازار سے گُزر رہا تھا۔ راستے میں ایک حلوائی کی دُکان آئی۔ اُس نے بڑی عُمدہ جلیبیاں سجا کر رکھی ہُوئی تھیں۔ من نے کہا، جلیبیاں کھانی ہیں۔ پاس پیسہ تھا نہیں، کرے تو کیا کرے! من کو سمجھایا بجھایا، مگر من نہ مانا۔ آخر وہاں سے واپس آ گیا۔

من کی عادت ہے اس کو جِدھر سے موڑو، اُدھر ہی جاتا ہے۔ جب رات کو بھجن میں بیٹھا تو جلیبیاں سامنے۔ من باہر جانے لگا۔ اُٹھ بیٹھا۔ جب پھر بیٹھا، پھر وہی خیال سامنے آنے لگا۔ جب صبح ہُوئی، تو وہ پیسے کمانے کے لیے کام کرنے گیا۔ گرمی بہت تھی اور اُس کا مالک بہت سخت طبیعت کا آدمی تھا۔ جیسے تیسے شام کو تھکا ہارا لڑکھڑاتا ہوا بازار پہنچا۔ من کی جلیبیاں کھانے کی ضِد اب بھی برقرار تھی۔

اُن دِنوں جلیبیاں سستی تھیں۔ روپے کی تین سیر جلیبیاں آ گئیں۔ اُن کو لے کر جنگل میں چلا گیا۔ جتنی کھا سکتا تھا کھائیں، پیٹ بھر گیا۔ من سے کہا کہ اور کھا۔ اور کھائیں، آخر من نے مُنہ پھیر لیا۔ پھر بولا کہ اور کھا۔ زبردستی اور کھائیں تو اُلٹی ہوگئی۔ جب اُلٹی ہوگئی تو من کو حُکم دیا کہ اب اِس اُلٹی کو بھی کھا۔ آخر ہار کر من نے کہا کہ پھر کبھی جلیبیاں نہیں مانگوں گا۔

مطلب یہ کہ من باتوں سے بس میں نہیں آتا۔

108۔ جُھوٹے وعدے کی سزا

بے شُمار لوگ اپنے علم کی نمائش کر کے اپنی تعریف کروانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن مُبارک ہیں وہ جنھوں نے خُدا کی محبت کے لیے اپنے من کو باقی تمام خواہشات سے خالی کر دیا ہے۔[124]

سینٹ فرانسس آف اسِسی

ذِکر ہے، بُلّھے شاہ بڑا عالم فاضل تھا۔ چالیس برس حق کی تلاش کی، بہُتیرا مذہبی کتب کا مُطالعہ کیا، بے شُمار مہاتماؤں اور فقیروں سے مِلے، اُن سے بات چیت کی، لیکن کہیں سے تسلی نہ ہوئی اور کچھ حاصل نہ ہُوا۔ آخر اُس کی کسی دوست سے مُلاقات ہوئی، جو رُوحانیت میں اچھی رسائی رکھتا تھا۔ اُس نے بُلّھے شاہ کی حالت دیکھ کر کہا، ''بھائی صاحب! کتابوں کی ورق گردانی میں کیوں پڑے ہو، یہ سب بے کار ہیں۔ جاؤ، اور شاہ عنایت سے مِلو۔ شاید وہ رُوحانی کھوج میں تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔'' جب اُن کے پاس گیا تو اُنہوں نے حق کا راستہ بتایا اور جب آپ نے اُس پر عمل کیا تو اندر پردہ کُھل گیا۔ یہ قدرتی بات تھی کیونکہ اندر پریم اور لگن تھی۔

جب پردہ کھُلا تو مستی کی حالت میں اُس کے منہ سے کچھ ایسی باتیں نکل جاتیں جن کو رُوحانیت سے بے بہرہ لوگ، مُلّا اور قاضی ناجائز سمجھتے تھے، کیونکہ وہ تو شریعت کو ہی رُوحانیت کا اوّل اور آخر سمجھتے تھے لیکن حقیقت کے باطنی رموز کی نسبت بالکل ناواقف تھے۔ جب شریعت والے لوگوں نے اِن باتوں کو سُنا تو کہا کہ یہ کُفر کہتا ہے۔ اِس پر فتویٰ لگنا چاہیئے۔ سب اِکٹھا ہو کر بُلّھے شاہ کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے فعل و عمل شریعت کے خلاف ہیں۔ کیا آپ کے پاس

اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے لیے ہے؟

بلّھے شاہ نے کہا، ''پہلے آپ میرے ایک مقدمہ کا فیصلہ کردو، پھر جو آپ کی مرضی ہو کرنا۔'' اُنہوں نے پُوچھا، ''آپ کا مُقدمہ کیا ہے؟'' تب بلّھے شاہ نے کہا، ''اگر کوئی مسلمان حاجت مند مسلمان بھائی کو روز کہے کہ میں تمہاری حاجت روا کروں گا، لیکن کبھی کچھ نہ دے۔ کبھی کہے کہ کل دُوں گا۔ کبھی کہے پرسوں دُوں گا۔ کبھی کچھ کہے، کبھی کچھ، لیکن وہ دے کچھ نہ، بلکہ چالیس برس اِسی طرح ٹال مٹول کرتا رہے، تو آپ اُس پر شریعت کے حساب سے کیا فتویٰ لگاؤ گے؟'' وہ کہنے لگے، ''ایسے شخص کو زِندہ جلا دینا چاہیئے۔'' یہ سُن کر بلّھے شاہ نے کہا کہ وہ شخص آپ سب شریعت والے اور آپ کی یہ کتابیں ہیں۔ چالیس برس تک آپ اور آپ کی کتابیں مجھ سے وعدے پہ وعدہ کیے جا رہی تھیں لیکن کبھی دیا کچھ نہیں۔ جاؤ، کرو اپنے فیصلے پر عمل۔ سب لاجواب ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ تب بلّھے شاہ نے کہا:

علموں بس کریں او یار.... اِکو الف تیرے درکار۔ 125

رُوحانیت میں علم کی نہیں، پریم اور عمل کی ضرورت ہے۔

109۔ مجھے صِرف تُو چاہیئے

مُبارک وہ شخص ہے جو آزمائش کی برداشت کرتا ہے کیونکہ جب مقبُول ٹھہرا تو زِندگی کا وہ تاج حاصل کرے گا جِس کا خُداوند نے اپنے محبت کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے۔ [126]
یعقوب

بھائی منجھ بڑا امیر آدمی تھا بلکہ اپنے گاؤں کا سب سے بڑا زمیندار۔ وہ سُلطان سخی سروَر کا اُپاسک تھا۔ ایک دن اتفاق سے گوُروارجن صاحب کے ست سنگ میں چلا گیا۔ اُسے ست سنگ اچھا لگا۔ پچھلے سنسکار جاگ اُٹھے، نام مانگا۔ گوُرو صاحب نے پُوچھا، ''بھائی! تُو کِس کو مانتا ہے؟'' کہنے لگا، ''جی میں سخی سروَر کو مانتا ہوں۔'' تب گوُرو صاحب نے کہا، ''اچھا، تیرے گھر میں جو پِیر خانہ ہے اُس کو گِرا کر آ، پھر میں نام دُوں گا۔''
بھائی منجھ گھر گیا اور پِیر خانے کی اِینٹ اِینٹ اُکھاڑ دی۔ سب نے کہا کہ تُو نے بڑا پاپ کیا ہے، سُلطان تجھ پر مُصیبت لائے گا، ہم تمہارا ساتھ نہیں دیں گے۔ بھائی منجھ نے جواب دیا کہ اب جو ہو سو ہو۔ جب پِیر خانہ گرا کر گیا تو گوُرو صاحب نے ادھیکاری دیکھ کر نام دے دیا، لیکن ساتھ ہی اُس کا امتحان لینا شروع کر دیا۔ ایسا اِتفاق ہوا کہ اُس کے جانور مرنے لگے، کبھی گھوڑے مر گئے، کبھی بیل، کبھی کوئی اور جانور، اور کبھی کوئی دُوسرا نُقصان ہو گیا، یہاں تک کہ چوروں نے بھی اُس کا بہت سا سامان چوری کر لیا۔ لوگوں نے کہا، ''دیکھا سخی سروَر کا پِیر خانہ ڈھانے کا نتیجہ؟ یہ اُسی کی سزا ہے۔ اب پھر پِیر خانہ بنا لو۔''

منجھ بولا، ''کچھ پروانہیں۔'' بالآخر وہ غریب ہوگیا، اور قرضدار بھی۔ قرض دینے والوں نے کہا کہ یا تو قرض چُکا دو یا گاؤں چھوڑ دو۔ لوگوں نے ایک بار پھر اُسے کہا کہ پھر سے سُلطان کا پیر خانہ بنالو، سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ لیکن بھائی منجھ اپنے اِرادے پر صادق رہا اور گاؤں چھوڑ کر باہر کہیں جا کر رہنے لگ گیا۔

اب ایک وہ خود تھا، ایک اُس کی بیوی اور ایک اُن کی لڑکی۔ اب زمینداروں کو اور دُوسرا کوئی کام بھی نہیں آتا۔ بیچارہ باہر سے گھاس لاتا، اُسے بیچ کر جو پیسے ملتے اُس سے اپنا گزارا کرتا۔ جب کچھ کچھ دِن گزر گئے تو گوُرو صاحب نے اپنے ایک سِکھ کو بھائی منجھ کے نام ایک چٹھی دے کر بھیجا اور کہا کہ اِس چٹھی کی بھینٹ بیس روپے ہے۔ اگر منجھ روپے دے دے تو چٹھی دے دینا۔ چٹھی دِکھائی اور گوُرو صاحب کا حُکم سُنایا بھائی منجھ بڑا خوش ہوا، لیکن پاس کچھ نہیں تھا۔ اپنی بیوی کیساتھ صلاح کی۔ عورتوں کے ہاتھ، کان، ناک میں کچھ نہ کچھ زیور ہوتا ہے۔ کچھ لڑکی کی چوڑیاں، کچھ عورت کی چوڑیاں اور کچھ اور زیور وغیرہ اِکٹھا کیے اور سُنار کے پاس لے گیا۔ اُس نے کہا کہ بیس روپے کا مال ہے۔ بھائی منجھ نے کہا کہ بیس روپے دے دے۔ سُنار سے بیس روپے لے کر اُس سِکھ کو دے دیے اور چٹھی لے لی۔ چٹھی کو کبھی ماتھے پر رکھتا، کبھی آنکھوں سے لگاتا، کبھی چوُمتا اور کبھی چھاتی سے لگاتا۔

ایک دو سال اِسی طرح نکل گئے۔ ایک دِن پھر گوُرو صاحب نے ایک سِکھ کو چٹھی دے کر بھیجا اور کہا کہ اِس کی بھینٹ پچیس روپے ہے۔ دیکھو! ہے کِسی سِکھ کا حوصلہ جو ایسی تکلیفیں برداشت کرے؟ اب بھائی منجھ سوچنے لگا کہ پچیس روپے کہاں سے لاؤں، پاس کچھ تھا نہیں۔ کوئی زمانہ تھا کہ بھائی منجھ کے گاؤں کا چودھری لڑکی کا رِشتہ مانگتا تھا مگر بھائی منجھ نے انکار کر دیا تھا کہ یہ رِشتہ میرے مقابلے کا نہیں۔ اب بھائی منجھ نے سوچا کہ اُس سے مِلنا چاہیئے۔ بھائی منجھ کی بیوی چودھرانی کے پاس گئی اور کہا کہ اچھا بہن! یہ رِشتہ ہم لے لیں گے، لیکن ابھی ہمیں پچیس روپے کی ضرورت ہے، وہ دے دو۔ چودھرانی نے روپے دے دیے اور وہ لے کر آ گئی۔ سِکھ کو روپے دیکر چٹھی لے لی اور پہلے کی طرح اُس چٹھی کو بھی سر مستک اور چھاتی سے لگا کر چوُما۔

گوُرو صاحب کو ابھی اور امتحان لینا منظور تھا۔ آپ نے ایک سِکھ کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ بھائی

منجھ دربار میں آجائے اور سیوا کرے۔ بھائی منجھ سب کچھ چھوڑ کر اپنی بیوی کو ساتھ لے کر دربار میں آگیا۔ لنگر کے برتن مانجنا اور لنگر کے لیے لکڑیاں لانا یہاں اُس کا معمول تھا۔ کچھ دِن کے بعد گُورو صاحب نے پُوچھا کہ بھائی منجھ روٹی کہاں کھاتا ہے؟ سِکھوں نے کہا کہ ساری سنگت لنگر میں کھاتی ہے، وہ بھی وہیں سے کھاتا ہے۔ تب گُورو صاحب نے کہا، ''یہ تو مزدوری ہوگئی، سیوا تو نہ ہُوئی۔'' بھائی منجھ کی بیوی نے سُنا اور جا کر شوہر سے کہا کہ آج گُورو صاحب نے یہ بچن کہے ہیں۔ بھائی منجھ نے کہا کہ بات سچ ہے، کل سے کوئی اور انتظام کروں گا۔

اب وہ آدھی رات کو جنگل میں جاتا، لنگر کے لیے اور اپنے لیے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور بازار میں بیچ کر اُس سے اپنا گزارا کرتا۔ باقی وقت وہ اور اُس کی بیوی لنگر میں سیوا کرتے۔ کیسا سخت امتحان ہے!

ایک دِن بھائی منجھ جنگل میں گیا کہ آندھی آگئی۔ لکڑیوں کا گٹھّا اُٹھانے کی کوشش کرتا تو آندھی اُٹھا کر پھینک دیتی۔ آخر بڑی مُشکل سے لکڑیاں اُٹھا کر آ رہا تھا کہ ہوا کا تیز جھونکا آیا اور وہ لکڑیوں سمیت ایک کنوئیں میں جا گِرا۔ اب گُورو بھی تو بے خبر نہیں ہوتا۔ اِدھر یہ گھٹنا ہُوئی، اُدھر گُورو ارجن صاحب ننگے پاؤں دوڑ پڑے اور حُکم دیا کہ رسّی اور تختہ لاؤ۔

ساری سنگت دوڑی آئی کہ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ کنوئیں پر گئے۔ گُورو صاحب نے ایک سِکھ سے کہا کہ بھائی منجھ کو آواز دو کہ لکڑیاں پھینک دے اور آپ تختہ پکڑ لے، ہم اُسے اُوپر کھینچ لیں گے۔ رسّی اور تختہ لٹکا دیے گئے، لیکن بھائی منجھ نے کہا کہ پہلے گُورو لکڑیوں کو باہر نکالو، پھر میں نکلوں گا۔ سِکھ نے کہا کہ دیکھ! تیرے ساتھ کیا گزرا ہے، چھوڑ دے گُورو کو اور باہر نکل آ۔ بھائی منجھ نے کہا، ''گُورو صاحب کو کچھ نہ کہو، اِس سے میرا من دُکھی ہوتا ہے۔ پہلے لکڑیاں باہر نکالو کیونکہ یہ گُورو کے لنگر کے لیے ہیں، اگر بھیگ گئیں تو جلیں گی نہیں۔'' ویسے ہی کیا گیا۔

پہلے لکڑیاں باہر نکالی گئیں اور پھر وہ خود نکلا۔ اِس کا نام ہے شرن! جب وہ باہر نکلا تو گُورو ارجن صاحب نے دیال ہو کر کہا، ''مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں تجھے تین لوک کا راج دے دُوں گا۔'' اُس نے کہا، ''اے ستگُورو! مجھے تو صِرف تُو ہی چاہیئے۔'' یہ سُن کر گُورو صاحب نے بھائی منجھ کو سینے سے لگا لیا اور وَردان دے دیا:

منجھ پیارا گُورو کو گُورو منجھ پیارا،   منجھ گُورو کا بوہتھا جگ لنگھن ہارا۔[127]

کہ جس کو تُو نام دے گا وہ سیدھا سنسار ساگر سے پار ہو جائے گا۔ یہ ہے شرن کا پھل! لیکن شرن لینا بہت مُشکل ہے۔

110۔ من کی تاناشاہی

من جیتے جگ جیت۔[128]
گوُرونانک

راجہ پریکشت نے ویدویاس سے سوال کیا کہ کیا میرے بُزرگ من کے اتنے غُلام تھے کہ اِسے قابُو کرنے میں ناکامیاب رہے؟ ویدویاس نے جواب دیا کہ راجہ! من لذت کا عاشق ہے اور بہت زبردست طاقت ہے۔ اِس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ تمھیں جلد ہی اِس کی سمجھ آ جائے گی۔ راجہ پریکشت نے کہا کہ اِس کا کوئی تو علاج ہوگا؟ ویدویاس نے کہا کہ کوئی نہیں۔ پریکشت کو اِس بات کا یقین نہ آیا۔ پھر ویدویاس نے کہا، ''اچھا، میں تمھیں قبل از وقت آگاہ کر دیتا ہوں کہ آج سے تین مہینے بعد تیرے پاس ایک سوداگر گھوڑا لائے گا، اُس کو نہ خریدنا؛ اگر خرید بھی لیا تو اُس پر سواری نہ کرنا؛ اگر سواری بھی کرو تو پُورب کی جانب مت جانا؛ اگر پُورب کی طرف چلے بھی گئے تو اُدھر تجھے ایک عورت مِلے گی، اُس سے بات نہ کرنا؛ اگر بات بھی کر لو تو اُس کو گھر مت لانا؛ اگر گھر بھی لے آؤ تو اُس سے شادی مت کرنا۔ اگر شادی بھی کر لو تو اُس کے کہنے میں نہ آنا۔ اچھا جا! میں نے تمھیں آج آگاہ کر دیا ہے، اب تُو من کا علاج کر لے۔''

ٹھیک تین مہینے بعد ایک سوداگر گھوڑا لایا، ایسا گھوڑا راجہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ امیروں وزیروں نے تعریف کی اور کہا کہ مہاراج خرید لو، سواری نہ کرنا، باہر کے راجے آ کر دیکھیں گے، طویلے کا شنگار تو ہے۔ راجہ نے وہ گھوڑا خرید لیا۔

کچھ دِن بعد سائیسوں نے تعریف کی کہ یہ گھوڑا بہت اچھا ہے، اِس میں کوئی نقص نہیں ہے،

آپ کی سواری کے لائق ہے۔ راجہ نے من میں کہا، ''اچھا، سوار ہو جاتے ہیں، پُورب کی طرف نہیں جائیں گے۔'' جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا تو گھوڑا مُنہ زور ہو کر پُورب کی جانب جنگل میں لے گیا۔ وہاں ایک جگہ ایک بڑی خوبصورت عورت بیٹھی رو رہی تھی۔ راجہ نے گھوڑے سے اُتر کر رونے کا سبب پُوچھا تو وہ کہنے لگی، ''میرے رِشتے دار مجھ سے بچھڑ گئے ہیں۔ جنگل میں اکیلی ہوں، مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں کہاں جاؤں؟'' راجہ نے کہا، ''میں تمہیں راج محل میں ساری سہولتیں مُہیا کر سکتا ہوں، لیکن میں اِس شش و پنج میں ہوں کہ تمہیں ساتھ لے جاؤں یا نہیں۔'' کہنے لگی، ''یہاں جنگل میں مجھے ریچھ، شیر وغیرہ جنگلی جانور کھا جائیں گے، آپ کو پاپ لگے گا۔'' راجہ نے سوچا کہ گھر لے چلتا ہوں، اِس کے ساتھ شادی نہیں کروں گا۔

جب گھر لایا، کچھ دِنوں کے بعد لوگوں نے تعریف کرنا شروع کر دی کہ بڑی نیک اور سوشیل ہے، آپ کے لائق ہے۔ راجہ نے اُس سے شادی کر لی۔ کچھ دِن گُزر گئے تو کہنے لگی کہ ایک عام آدمی بھی شادی کرتا ہے تو اپنی برادری کو کھانا کھلاتا ہے۔ راجہ نے پُوچھا کہ تُو کیا چاہتی ہے؟ بولی، ''رِشیوں، مُنیوں اور نیک پُرشوں وغیرہ کو بُلا کر ضیافت کرو۔''

جب سب رِشی مُنی آ کر بیٹھ گئے تو عورت نے کہا، ''میں آپ کی اہلیہ ہوں۔ میں آپ کے ساتھ سیوا کروں گی۔'' اب رِشی مُنی اور دیگر مہمان سب نیک پُرش تھے۔ روٹی دیتے دیتے کہنے لگی، یہ سب بدمعاش ہیں اور میری طرف دیکھتے ہیں۔'' راجہ کو غُصہ آیا، تلوار لے کر سب کو قتل کر دیا۔ اُسی وقت وید ویاس وہاں پر گٹ ہُوئے اور بولے، ''بتا راجہ! تُو کیا کہتا تھا؟'' راجہ پریکشت نے شرم کے مارے اپنا سر جُھکا لیا۔

من نے بڑے بڑوں کی مِٹّی پلید کی ہے۔ پراشر، وِشوامِتر ۔ شرنگی رِشی اور دیگر کئی رِشی مُنی وغیرہ کو من نے مار گرایا۔ پُرانوں کو پڑھ کر دیکھو۔ ہماری مذہبی کتابیں کہتی ہیں کہ جو طاقت من کو قابو کر سکتی ہے وہ اِنسان کے اندر ہے۔ جب نَو دروازوں کو خالی کر کے اُوپر رُوحانی منڈلوں میں پہنچ کر اُس نام رُوپی امرت کو پیوٗ گے تو من بس میں آ جائے گا۔

111۔ فقیر اور چیونٹیاں

جس دِل میں تمام مخلوقات کے لیے محبت اور ہمدردی ہوتی ہے،
اُس میں نفسانی خواہشات کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ اے
دوست! کبھی کِسی دِل کو چوٹ نہ پہنچانا۔ کِسی کا دِل دُکھانا
خُدا کو فراموش کرنا ہے۔[129]

پیرِ ہرات

تذکرۃُ الاولیاء مُسلمانوں کی ایک رُوحانی کتاب ہے۔ اُس میں ایک چھوٹی سی کہانی آتی ہے کہ ایک دفعہ ایک فقیر سفر کو نکلا۔ روانہ ہوتے وقت ساتھ روٹیاں باندھ لیں کہ راستہ میں کھائیں گے۔ رات کو ایک مسجد میں سویا، صبح اُٹھ کر دس بیس میل کا سفر کیا۔ پھر خیال آیا کہ روٹی کھا لوں۔ جب روٹی کے کپڑے کی گانٹھ کھولی تو دیکھا کہ روٹیاں چیونٹیوں سے بھری پڑی تھیں۔ فقیر یہ جان کر دُکھی ہو گیا کہ میں اِن کو اِن کے گھر سے کتنی دُور لے آیا ہوں، اِس جگہ اِن کا کوئی گھر بار نہیں ہے۔ کوئی اپنی ماں چھوڑ کر آئی ہے، کوئی اپنا باپ چھوڑ کر آئی ہے، کوئی اپنے بچے چھوڑ کر آئی ہے۔ یہ سوچ کر وہ واپس چل پڑا اور دس بارہ میل کا سفر دوبارہ کر کے واپس اُسی مسجد میں آ گیا۔ روٹیاں جھاڑیں اور چیونٹیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ جاؤ اپنے اپنے گھر کو۔

مذہب قتل و غارت نہیں بلکہ رحم سِکھاتا ہے۔

112۔ مُورکھ سُوَر

اُنھوں نے خُدا کی سچائی کو بدل کر جُھوٹ بنا ڈالا اور مخلوقات کی زیادہ پرستش اور عبادت کی بہ نسبت اُس خالق کے جو اب تک محمُود ہے۔ آمین۔ [130]

رومیوں

ایک دفعہ اُودھو نے بھگوان کرشن کو کہا کہ اِن جیوؤں کو آپ اپنے دھام کیوں نہیں لے چلتے؟ آپ جو چاہے کر سکتے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ سنسار کے جیو طرح طرح کے دُکھوں اور تکلیفوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور مایُوس ہو چکے ہیں۔ آپ اِن دُکھی جیوؤں پر کرپا کر کے اپنے سُکھ دھام میں کیوں نہیں لے جاتے؟ بھگوان کرشن نے کہا کہ میں تو چاہتا ہوں، لیکن کوئی جانے کے لیے تیار بھی تو ہو۔ اُودھو نے کہا کہ میں نہیں مانتا کہ کوئی سُکھ کے دھام کو چلنے کے لیے تیار نہ ہو۔ بھگوان کرشن نے کہا، ''جاؤ جیوؤں کو پُوچھو کہ وہ جانے کے لیے تیار ہیں؟''

اُودھو نے سوچا کہ چل کر جیوؤں سے پُوچھتا ہوں، کم سے کم سچائی کا تو پتہ چلے گا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ راستے میں جو جیو بھی آئے گا اُس سے سُکھ دھام چلنے کی بات کروں گا۔ ہوا ایسا کہ چلتے چلتے سب سے پہلے اُسے ایک سُوَر مِلا۔

سب سے ادنیٰ جوُن سُوَر کی ہے۔ اُودھو نے اُس سے پُوچھا کہ کیا تم مات لوک چھوڑ کر بیکنٹھ جانا چاہتے ہو؟ وہاں بڑی شانتی ہے، بڑا آنند ہے، بڑی روشنی ہے۔ اگر تم چاہو تو ہم ابھی لے چلتے ہیں۔ سُوَر نے اُودھو سے پُوچھا، ''کیا بیکنٹھ جانے والے کے اِتنے بچے ہوتے ہیں؟''

اُودھو نے کہا کہ نہیں۔ سُوَر نے پھر پُوچھا، ''کیا وہاں کھانے کے لیے پاخانہ ملتا ہے؟'' اُودھو نے کہا نہیں۔ سُوَر بولا، ''اگر پیدا کرنے کو بچے اور کھانے کے لیے پاخانہ نہیں ملتا تو مجھے وہاں نہیں جانا ہے۔''

مطلب تو یہ ہے کہ جن کے نصیب ہی ایسے ہیں اُن کو سچی خوشی اور دائمی آنند کا خیال بھی نہیں آ سکتا، اور یہ کہ دُنیا میں نام کی دولت بغیر قسمت کے نہیں ملتی۔ لوگ نفسانی لذّات کی طرف سے مُنہ موڑنے کو تیار ہی نہیں ہیں، اُن کا مقدر اُن کو سچا آنند نہیں لینے دیتا۔

113۔ درویش نے فقیر سے کیا سیکھا؟

اِنسان کو چاہیئے کہ عقلِ محدُود کو اپنا وزیر یا منتری نہ بنائے، اِس کی بجائے عقلِ کُل کو ہی صلاح کار بنائے، کیونکہ محدُود عقل نے عقل کے نام کو بدنام کر رکھا ہے۔[131]

مہاراج ساون سِنگھ

ایک درویش کو یہ غرُور ہو چلا تھا کہ دُنیا میں اُس کے مُقابلے کوئی دُوسرا درویش نہیں۔ اُس نے خُدا سے کہا کہ اگر کوئی مجھ سے بڑا درویش ہے تو مجھے بتاؤ۔ بشارت ہوئی کہ دُنیا میں میرے ایسے بندوں کی کمی نہیں جن کے برابر تُو کچھ بھی نہیں۔ درویش نے اِلتجا کی کہ مجھے ایسے کسی ایک درویش سے فیضیاب ہونے کا شرف بخشا جائے۔ بشارت ہُوئی کہ تیرے گھر کے پاس جو دریا بہتا ہے، اُس کے پار جاؤ۔ وہاں تجھے ایک فقیر مِلے گا، وہ جو کہے گا ویسا ہی کرنا۔ جب درویش اُس کے پاس گیا، تو اُس نے کہا، ''تُو میری تعلیم کے قابل نہیں۔'' یہ حضرت خِضر تھے۔ درویش کو یہ بات ناگوار گزری مگر وہ اپنے غُصے کو پی کر بولا، ''حضرت آپ جو کہیں گے میں انکار نہیں کروں گا''۔ حضرت خِضر نے کہا، ''بہت اچھا! میں جو بھی کروں اسکے خلاف بولنا مت، اعتراض نہ کرنا۔'' یہ کہہ کر وہ دریا کے کنارے کنارے چل پڑے، آگے آگے خِضر پیچھے پیچھے درویش۔

ایک جگہ گھاٹ پر کچھ کشتیاں تھیں۔ حضرت خِضر نے ایک کشتی کی طرف اِشارہ کر کے پُوچھا کہ یہ کشتی کِس کی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ جی، فلاں امیر آدمی کی ہے۔ پھر دُوسری کشتی کی بابت پُوچھا کہ یہ کِس کی کشتی ہے؟ جواب مِلا کہ فلاں یتیم اور غریب بچوں کی ہے، آپ چاہیں تو اِس کو

اِستعمال کر سکتے ہیں۔ حضرت خِضر نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر اُس کشتی کے کچھ تختے توڑ دیے۔ درویش کو حضرت خِضر کے اِس سلوک پر اتنا غُصہ آیا کہ آپے سے باہر ہو گیا اور بولا، ''آپ بے رحم اور پاگل ہیں۔ آپ کسی امیر آدمی کی کشتی توڑ دیتے تو وہ دوبارہ مُرمت کروا لیتا، مگر غریب اور یتیم بچوں کی کشتی توڑنا سراسر بے رحمی ہے۔ آپ کو ایسا کرنا زیب نہیں دیتا۔'' حضرت خِضر نے کہا، ''تمھیں کہا تھا نہ کہ بولنا مت۔'' درویش نے کہا، ''بھُول ہو گئی، معاف کر دو۔''

دونوں دریا کے کنارے کنارے چلتے گئے۔ قریب ایک میل چلنے کے بعد ایک گاؤں آیا جس میں ایک سُنسان اور نیم شکستہ گھر تھا۔ اُس کی ایک دیوار گری ہُوئی تھی۔ حضرت خِضر نے کہا، ''اِس دیوار کو بنانا ہے، میں پانی لے آتا ہوں، اور گارا بنا کر ہم اِس دیوار کی مُرمت کر دیں گے۔'' خیر گارا تیار ہو گیا۔ سارا دِن وہ دیوار بناتے رہے حتّٰی کہ شام تک دیوار بن گئی۔ اب سُونا گھر، پانی تک پُوچھنے کے لیے کوئی نہ آیا۔ بھُوکے پیاسے تھک کر سو گئے۔ درویش سے نہ رہا گیا۔ کہنے لگا، ''آپ کا یہ کام بھی اُلٹا ہے۔ اگر کسی گرہستی کا گھر بناتے تو وہ ہمیں پانی بھی پُوچھتا، روٹی بھی پُوچھتا۔ اِس سُنسان گھر میں جہاں کوئی روٹی پُوچھنے والا نہیں، کوئی پانی پُوچھنے والا نہیں، اور ہم بھُوکے پیاسے سو رہے ہیں۔'' کافی دیر تک وہ حضرت خِضر کو بُرا بھلا کہتا رہا۔ جب اُس نے بولنا بند کیا تو حضرت خِضر نے کہا، ''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اعتراض مت کرنا۔ تم یہیں سے واپس لوٹ جاؤ اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ تم میری صحبت اور تعلیم کے لائق نہیں ہو۔''

درویش واپس لوٹنے کے لیے راضی ہو گیا کیونکہ جو کچھ حضرت خِضر نے ابھی تک کیا تھا اُس میں اُسے نہ تو کوئی واجب مقصد دِکھائی دیا اور نہ ہی ایسا لگتا تھا کہ اُس سے کوئی تعلیم ہی لی جائے۔ اُس نے حضرت خِضر سے کہا، ''حضرت میں آپ کو چھوڑ کر جانے کے لیے مجبور ہو گیا ہوں۔ لیکن جانے سے پہلے کیا آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ آپ نے ایسے اُلٹے کام کیوں کیے؟''

خِضر نے کہا، ''تو سُن! کشتی میں نے اِس لیے توڑی کہ ایک بادشاہ آ رہا ہے، اُس کے ساتھ اس کی فوج ہے، وہ سب کشتیاں اپنے استعمال کے لیے اُس پار لے جائے گا۔ صِرف وہ ٹُوٹی ہوئی کشتی چھوڑ دے گا۔ اُس کشتی کے مالک یتیم اور غریب بچے کشتی کے ٹُوٹے تختوں کی مُرمت کر کے اُسے کام میں لے لیں گے اور پہلے سے زیادہ پیسے کمائیں گے۔ جب ایک ہی

کِشتی لوگوں کو لے جانے کے لیے گھاٹ پر ہوگی تو تم سوچ سکتے ہو کہ اُنہیں کتنا فائدہ ہوسکتا ہے۔

جو دیوار میں نے مُرمت کی ہے، اُس کے اندر خزانہ ہے، جِس کے وارث وہ کم سِن یتیم بچے ہیں، جب وہ بالغ ہوں گے تو یہ خزانہ اُنہیں مِلے گا۔ مجھے خُدا نے حُکم دیا تھا کہ اِس دیوار کو بنا دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دِیوار گِر جائے اور خزانہ ظاہر ہو جائے اور لوگ نکال کر لے جائیں۔ سو یہ میں نے اُس کے حُکم سے بنائی ہے۔

جب حضرت خِضر نے سب باتوں کی وضاحت کر کے سمجھایا تو درویش نے احترام میں اپنا سر جھکاتے ہوئے کہا، ''حضرت! میں اپنی ناسمجھی پر ایک بار پھر آپ سے معافی مانگتا ہوں۔''

فقیروں کی ہر بات میں رمز ہوتی ہے۔

114۔ پربھُو کی اِچھا یا اِنسان کی مرضی

اِنسان اپنی مصیبتوں کو آپ دعوت دیتا ہے اور بعد از اں اپنے
ناگوار مہمانوں کے خلاف گِلہ کرتا ہے۔ وہ یہ بھُول جاتا ہے
کہ اُس نے دعوت نامے کیسے، کب کہاں لکھے اور بھیجے تھے۔
مگر 'زماں' کبھی فراموش نہیں کرتا اور 'زماں' ہر دعوت نامہ عین
وقت پر صحیح پتے پر پہنچا دیتا ہے اور ہر مہمان کی میزبان کے گھر
تک رہنمائی کرتا ہے۔[132]

کتابِ میرداد

جلھن نوشہرہ میں ایک اچھا کمائی والا مہاتما ہُوا ہے۔ اُس کی ایک لڑکی تھی۔ جب وہ جوان ہُوئی تو جلھن کی بیوی نے کہا کہ کِسی پنڈت کے پاس جاؤ اور لڑکی کے لیے کوئی اچھا سا ہا سِدھاؤ۔ جلھن تو کمائی والا مہاتما تھا، یہ کام اُس کی فطرت کے خلاف تھا کیونکہ اُس کے خیالات بالکل الگ طرح کے تھے۔ وہ اپنے سارے کام مالک کی رضا پر چھوڑنے اور ہمیشہ اُس کی رضا میں راضی رہنے کا عادی تھا۔ اپنی زِندگی کے لمبے تجربے سے اُس نے یہ بات بخوبی جان لی تھی کہ آخر میں تو وہی ہوتا ہے جو منظورِ خُدا ہوتا ہے۔ لیکن بیوی نے جب مجبور کیا تو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ایک نامور پنڈت کے گھر چلا گیا۔ آگے اُس پنڈت کے دروازے پر ایک جوان لڑکی دیکھی۔ معلوُم ہوا کہ وہ پنڈت کی لڑکی ہے اور شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی وہ بیوہ ہو کر ماں باپ کے پاس چلی آئی ہے۔ وہ سوچنے لگا، سب لوگ پنڈت سے اپنی لڑکیوں کے لیے مہوُرت نکلواتے

ہیں لیکن یہاں پنڈت کی اپنی لڑکی بیوہ ہو چکی ہے۔ کیا اُس نے اپنی بیٹی کی شادی کا مہورت نہیں نکالا تھا؟ اُس نے پنڈت کے پاس جانے کا خیال چھوڑ دیا اور چلتے چلتے آگے نکل گیا۔ آگے محلے کے ایک حکیم کے گھر سے رونے پیٹنے کا شور وغل سُنائی دیا۔ جلھنؔ نے حکیم کے نوکر سے پُوچھا کہ کیا اِس گھر میں کوئی خطرناک حادثہ واقعہ ہوا ہے جو اتنا کہرام مچا ہوا ہے؟ نوکر نے جواب دیا کہ ہاں، حکیم صاحب کا اکلوتا بیٹا مر گیا ہے۔ جلھنؔ پھر سوچنے لگا کہ دُنیا میں یہ قدرت کا کیا انوکھا کھیل چل رہا ہے! یہاں اِس گھر میں ایک ماہر حکیم اپنے اکلوتے بیٹے کی جان بچانے کے لیے زمین آسمان ایک کر کے بھی اُسے نہیں بچا پاتا۔ جس کو پوچھو کہ ایسا کیوں ہوا، سبھی کہتے ہیں کہ پربھُو کی اِچھا کو کون ٹال سکتا ہے؟ جلھنؔ اُس دُھول بھری گلی میں سے گزرتا ہوا دُنیا کی تلخ حقیقت پر غور و فکر کرنے لگا۔ اچانک اُس کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے:

گھر وَیداں دے پٹنا، گھر براہمن دے رنڈ
چل جلھنؔ گھر آپنے، ساہا دیکھ نہ سنگ [133]

115۔ گڈریئے کا نذرانہ

مُبارک ہیں وہ جو پاک دِل ہیں کیونکہ وہ
خُدا کو دیکھیں گے۔ 134

متی

اِنسان کی فطرت میں دو خُدائی وصف ہیں۔ایک بھے یعنی ڈر اور دُوسرا بھاو یعنی محبت۔ جو خُدا سے ڈرتا ہے، وہ خُدا سے محبت بھی کرتا ہے۔ جو خُدا سے محبت کرتا ہے، وہ خُدا سے ڈرتا بھی ہے۔

ذِکر ہے، ایک دِن ایک بکریاں چرانے والا گڈریا مالک کے پیار میں آ کر کہنے لگا، ''اے ربّ! اگر تُو مجھے مِل جائے تو میں تجھے دُودھ پِلاؤں، مکھن کھلاؤں، لیلوں (بھیڑوں کے بچے) کی اُون کا کمبل اُوڑھاؤں۔'' اِس طرح اور بھی بہت کچھ کہتا جا رہا تھا۔ اِتفاق سے وہاں سے ایک فقیر گُزر رہا تھا جو یہ سب سُن رہا تھا۔ اُس کو گڈریئے کی یہ باتیں ناگوار گُزریں۔ اُس نے گڈریئے کو کہا، ''کیا بکواس کر رہے ہو؟ یہ سب بے وقوفوں والی باتیں ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ ایسا کہنا کتنا بڑا گُناہ ہے۔'' گڈریا یہ سُن کر بڑی حیرانی سے پُوچھنے لگا، ''کیوں حضرت! میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی جو خُدا کو بُری لگے۔ مہربانی کر کے بتائیں کہ مجھ سے خُدا کی شان میں کیا گستاخی ہو گئی جس کو آپ گُناہ کہہ رہے ہیں؟''

فقیر نے کہا، ''ذرہ سوچ، تُو خُدا سے کیا کہہ رہا تھا؟ خُدا بھی کبھی دُودھ پیتا ہے، مکھن کھاتا ہے یا کمبل اوڑھتا ہے؟'' گڈریا بولا، ''تو کیا میں نے سچ مُچ گُناہ کیا ہے؟'' فقیر نے کہا، ''ہاں۔''

فقیر تو اتنا کہہ کر چلا گیا، مگر گڈریا پچھتاوے میں آ کر زار زار رویا اور کہنے لگا، ''اے خُدا!

میں نے گُناہ کیا ہے، تُو مجھے بخش دے، مجھے بخش دے۔'' روتے روتے اُس کا پردہ کھُل گیا۔ خُدا کا دیدار ہوگیا۔ وہ کہیں دُور تو تھا نہیں اُس کے اندر ہی تھا۔ خُدا نے کہا، ''تُو گھبرا مت۔ میں تیرا دُودھ بھی پیئوں گا، مکھن بھی کھاؤں گا اور کمبل بھی اوڑھوں گا۔'' اُدھر فقیر پر عتابِ اِلٰہی نازل ہُوا، اُسے بشارت ہُوئی، ''تُو نے میرے ایک عزیز کا دِل دُکھایا ہے، جا، جا کر اُس سے معافی مانگ۔'' فقیر گڈریئے کے پاس آیا اور کہنے لگا، ''مجھے معافی دے دو، مجھ سے بھُول ہوئی ہے۔ تیرا دِل صاف ہے اور خُدا صاف دِل اِنسان کو پسند کرتا ہے'' گڈریا بولا، ''اے درویش! میں تو اتنا جانتا ہوں کہ جو خُدا تیرے پاس آیا تھا، وہ اب میرے پاس آ کر گیا ہے۔''

سو جو بشر خُدا کا ڈر اور خُدا کی محبت رکھتا ہے اُسے ہی خُدا کی قُربت حاصل ہے۔

116۔ من خُدا ئم من خُدا

جا کو راکھے سائیاں، مار نہ سکیے کوئے
بال نہ بنکا کر سکے، جو جگ بیری ہوئے۔[135]
کبیر صاحب

کبیر صاحب کہتے ہیں کہ مالک کے نام کا سمرن کرتے وقت ایسی یکسوئی ہونی چاہیئے جیسے بھرنگی کی آواز کو سُن کر کیڑا اُس میں اتنا لین ہو جاتا ہے کہ بھرنگی کا ہی رُوپ دھارن کر لیتا ہے۔ اِسی طرح اگر آپ مالک کے نام کا سمرن کرو گے تو مالک میں سما جاؤ گے، مالک کا رُوپ ہو جاؤ گے۔ جو خُدا کے نُور میں مِل کر نُور ہو گیا، وہ اِنسان نہیں رہا بلکہ نُور بن گیا۔ جِس کا دھیان کرو گے اُسی کا رُوپ ہو جاؤ گے۔

حضرت بایزید بسطامی بھی ایک مرتبہ خُدا کی یاد میں اسقدر محو و مجذوب ہو گئے کہ اُن کو اپنے باطن میں سِوائے خُدا کے کچھ نہ نظر آیا۔ آپ مستی کے عالم میں پُکار اُٹھے، 'من خُدا ئم، من خُدا ئم، من خُدا' کہ میں خُدا ہُوں، میں خُدا ہُوں، میں خُدا ہُوں۔

جو مُرید پاس بیٹھے ہوئے تھے، یہ کلام سُن کر حیران ہو گئے کہ آج پیر صاحب یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جب آپ وجد سے باہر آئے تو اُنہوں نے پُوچھا، ''حضرت، آپ فرمایا کرتے تھے کہ خُدا جسم میں نہیں آتا، مگر اب آپ کہہ رہے تھے کہ میں ہی خُدا ہوں، کیا آپ جسم نہیں ہیں؟''
حضرت بایزید بسطامی نے کہا کہ یہ گُستاخی میں کیسے کر سکتا ہوں، یہ کلام کِسی اور نے کہا ہوگا۔ اگر میں کبھی ایسا کہوں تو آپ شریعت کا فتویٰ لگا دینا۔ مُریدوں نے کہا، ''جی بہت اچھا۔'' تین

چار دِن کے بعد پیر جی نے پھر وہی کھیل رچایا اور وجد کی حالت میں پھر کہنے لگے، ''من خُدا ئم، من خُدا ئم، من خُدا۔''

جب مُریدوں نے سُنا تو اُٹھ دوڑے اور تلوار، چھُری وغیرہ ہتھیاروں سے اُن کو قتل کرنا چاہا۔ مولانا رُوم نے مثنوی میں لکھا ہے کہ جِن مُریدوں نے سر پر وار کیا اُن کے اپنے سر کٹ گئے، جنہوں نے ہاتھوں پر وار کیا اُن کے اپنے ہاتھ کٹ گئے: الغرض جس کسی نے پیر کا جو انگ کاٹنا چاہا اُس کا اپنا وہ انگ کٹ گیا اور پیر جی مستی کے عالم میں جُھومتے ہوئے کہتے رہے، ''من خُدا ئم، من خُدا ئم، من خُدا۔''

جب پیر جی وجد کی حالت سے باہر آئے تو وہاں موجود دیگر مُریدوں نے سارا قِصہ کہہ سُنایا اور دریافت کیا، ''حضرت! قتل کرنے والے آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے، لیکن آپ قتل ہونے سے کیسے بچ گئے؟'' حضرت بایزید بسطامی نے مُسکراتے ہوئے کہا، ''جو خُدا کے ذِکر اور محبت میں پُوری طرح رنگ جاتے ہیں وہ خُدا کا ہی رُوپ ہو جاتے ہیں، اُن کو تلوار یا کوئی اور ہتھیار قتل نہیں کر سکتا۔''

117۔ ہیرے کا مول

آٹھ گانٹھ کوپین کے، سادھو نہ مانے شنک
نام اَمل ماتا رہے، گِنے اِندر کو رنک۔[136]
کبیر صاحب

میواڑ کی رانی میرابائی پندرھویں صدی کے مشہوُر سنت گوُرو رویداس جی کی مُرید تھی۔اُس کی سکھی سہیلیاں گوُرو رویداس جی پر ناک بھوں چڑھاتی تھیں۔ وہ میرابائی کو طعنے دیتی تھیں کہ خود تو شاہی محلوں میں رہتی ہے، لیکن تیرا گوُرو جوُتے گانٹھ کر بڑی مشکل سے گزارا کرتا ہے۔

میرابائی کو یہ بات سُن کر بہت دُکھ ہوا۔ اُس کے دِل میں اپنے ستگوُرو کے لیے سچی محبت اور بے پناہ عزت تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کرے تو کیا کرے۔ آخر اُس نے ایک دِن ہیروں کے ڈبّے میں سے ایک قیمتی ہیرا نکال کر گوُرو رویداس جی کو دینے کے لیے اپنے پاس رکھ لیا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ اُسے فروخت کر کے نقدی حاصل کر لیں گے۔ اُس ہیرے کو لے کر وہ گوُرو رویداس جی کے پاس چلی گئی۔ اُس نے ماتھا ٹیک کر دست بستہ عرض کی، ''گوُردیو جی، لوگ آپ کو اِتنی غریبی کی حالت میں دیکھ کر مجھے طعنے دیتے ہیں۔ آپ یہ ہیرا قبول کرلیں اور اِسے بیچ کر ایک خوبصورت سا گھر بنالیں تا کہ آپ آرام کی زِندگی بسر کر سکیں۔''

گوُرو رویداس جی حسبِ معمول جوُتے گانٹھتے ہوئے بولے، ''بیٹی، مجھے جو کچھ مِلا ہے، اِسی کنُڈ کے پانی اور جوُتے گانٹھنے سے مِلا ہے۔ اگر تجھے لوک لاج کا ڈر ہے تو تُو گھر میں بیٹھ کر ہی بھجن سمرن کرلیا کر، میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہیرا میرے کِسی کام کا نہیں۔ مجھے

اپنی موجودہ حالت سے کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ ہی مجھے دُنیا کی کسی شے کی چاہ ہے۔''

میرا بائی ہر بہانے گُورورویداس جی کو ہیرا دینا چاہتی تھی۔ جب کافی منّت سماجت کے باوجود وہ نہ مانے تو آخرکار میرا بائی اُس ہیرے کو گُوردیو کی کُٹیا کی چھت میں رکھتے ہوئے بولی کہ ضرورت پڑنے پر آپ اِس جگہ سے ہیرا نکال کر اِستعمال کر لیں۔

گورورویداس نے نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا کہ وہ ہیرا کہاں رکھ گئی ہے۔ اِس بات کو کئی مہینے گُزر گئے۔ جب وہ پھر اپنے گُورو کے دیدار کے لیے گئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ ابھی بھی اُسی کُٹیا میں اُسی حالت میں حسب معمول جُوتے گانٹھ رہے ہیں۔ اُس نے بڑے ادب سے ماتھا ٹیک کر کہا، ''گُورودیو! میں بڑے پیار اور شردھا سے کُٹیا کی چھت میں ہیرا رکھ گئی تھی آپ نے اُس کو فروخت کر کے فائدہ کیوں نہیں اُٹھایا؟''

گُورورویداس جی بولے، ''بیٹی، میں نے ہیرے کا کیا کرنا ہے؟ مجھے پرماتما نے نام کی وہ بیش بہا دولت بخشی ہے کہ جس کا تُم اندازہ بھی نہیں لگا سکتی۔ اب تُو واپس جاتے وقت وہ ہیرا اپنے ساتھ لیتی جانا۔''

میرا بائی نے چھت ٹٹولی تو ہیرا وہیں پڑا تھا، جہاں وہ رکھ گئی تھی۔ گُورورویداس جی نے ہیرے کی طرف کوئی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ یہ دیکھ کر میرا بائی کو اپنے گُورو کی سچی عظمت کا عِلم ہو گیا اور اُسے احساس ہو گیا کہ اُس کے ستگُورو کِس لامحدُود رُوحانی دولت سے مالا مال ہیں۔ وہ پیار، شردھا اور عاجزی کے ساتھ اپنے گُوردیو کے چرنوں میں گر پڑی۔

118۔ درویش نے پران کیوں تیاگے؟

جو جسمانی لذّات میں مبتلا ہے، سمجھو کہ وہ خود اپنا
خون کر رہا ہے۔ [137]

مہاراج ساون سنگھ

فریدالدّین عطّار، جو بعد میں ایران کا عظیم صوفی فقیر ہوئے ہیں اور جس کا فارسی صوفی کلام دُنیا بھر میں مشہور ہے، پہلے عطر فروش کی دُکان کیا کرتے تھے۔ اُس کی زندگی میں اچانک اِنقلاب آیا اور وہ دُنیادار سے دیندار اور ربّ کا سچا خِدمتگار بن گیا۔ اِس انقلاب کی کہانی اِس طرح ہے:

ایک دِن عطّار دُکان کے گاہکوں کے ساتھ مصرُوف تھا کہ ایک درویش نے آ کر اُس سے خیرات مانگی۔ عطّار نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور ایسی بے رُخی دِکھائی جیسے اُس نے درویش کو دیکھا ہی نہیں۔ درویش بار بار صدا لگاتا رہا لیکن عطّار ہر بار اَن سُنی کرتا رہا۔

آخر میں درویش نے بگڑ کر کہا، ''عطّار، تجھے دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا ہے۔ تُو دُنیاوی کاروبار میں اِس قدر مشغول ہے کہ تجھے اتنا بھی ہوش نہیں کہ تیرا اصل کام کیا ہے؟ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تیری جان کیسے نکلے گی؟'' عطّار نے جوابی چوٹ کی، ''اے دوست، جس طرح تیری جان نکلے گی، میری بھی ویسے ہی نکل جائے گی'' درویش نے کہا، ''تُو سوچ لے کہ جو کچھ تُو کہہ رہا ہے وہ سوچ سمجھ کر اور سچے دِل سے کہہ رہا ہے۔''

عطّار نے کہا، ''ہاں، میں نے جو کچھ کہا ہے سوچ سمجھ کر کہا ہے اور سچے دِل سے کہا ہے۔'' یہ سُن کر درویش اُس کی دُکان کے سامنے زمین پر لیٹ گیا اور 'اِلّا اللہ' کا نعرہ بُلند کیا۔

عطّار کے دیکھتے ہی دیکھتے درویش دُنیا سے کوُچ کر گیا۔ موت کو اِس طرح اتنا قریب سے دیکھ کر عطّار سمجھ گیا کہ درویش اُسے زِندگی اور موت کا بھید سمجھانے کے لیے آیا تھا۔ اِس واقعہ نے اُس کو پُوری طرح جھنجوڑ دیا۔ درویش کے الفاظ کی سچائی اُس پر ظاہر ہوگئی کہ مالک نے مجھے دُنیا میں بھیجا تھا کِس کام کے لیے اور میں کر کیا رہا ہوں۔ کیا میں دُنیا میں محض عطر بیچنے کے لیے آیا ہوں یا خُدا کی تلاش کرنے لیے آیا ہوں؟

عطّار نے اپنی دُکان ہمیشہ کے لیے بند کر دی اور درویشانہ لباس پہن لیا۔ وہ خُدا کی تلاش میں گھر سے نکل پڑا۔ اُس کی تلاش رنگ لائی اور وہ کامل درویش بن گیا۔

119۔ بچے نے آگ میں کیا دیکھا؟

اُٹھ جاگ گھراڑے مارنہیں، ایہہ سَون تیرے درکار نہیں
اِک روز جہانوں جانا اے، جا قبرے وِچ سمانا اے
تیرا گوشت کیڑیاں کھانا اے، کر چیتا مرگ وِسار نہیں[138]
سائیں بلّھے شاہ

گوُرونانک کے وقت سنگت کا دستوُر تھا کہ وہ صبح سویرے گوُروصاحب کی حضوُری میں شبد پڑھتی تھی جو بھگتی بھاؤ سے بھرپُور ہوتے تھے۔ گوُروصاحب نے دیکھا کہ جب سنگت شبد پڑھ رہی ہوتی تو ایک چھوٹا سا لڑکا ہر روز آ کر چُپ چاپ اُن کے پیچھے کھڑا ہو جاتا۔

ایک دِن گوُروصاحب نے لڑکے کی طرف مُسکرا کر دیکھا اور کہا، ''بیٹا، تُو روز سویرے یہاں کیوں آ جاتا ہے؟ یہ تو تیرا سونے کا وقت ہوتا ہے۔ تجھے بانی کے پاٹھ سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ تیرا دھیان، ہمجولیوں کے ساتھ کھیلنے کی طرف ہونا چاہیئے، لیکن تُو یہاں آ جاتا ہے؟'' گوُروصاحب کی بات سُن کر لڑکے نے بڑے ادب سے جواب دیا، ''ایک بار میری ماں نے مجھے چُولہے میں لکڑیاں جلانے کے لیے کہا۔ میں نے دیکھا کہ آگ پہلے پتلی پتلی اور چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کو لگتی ہے اور موٹی موٹی لکڑیوں کو دیر سے آگ لگتی ہے۔ اُس وقت سے مجھے یہ خدشہ لگا ہوا ہے کہ کہیں بڑی عُمر والوں سے پہلے مجھے موت کی آگ نہ لگ جائے۔ اِس لیے میں ہمیشہ آپ کی سنگت میں رہنا چاہتا ہوں۔''

گوُروصاحب اُس کی سمجھداری دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے، ''بھائی! تُو عُمر میں بچہ

ہے لیکن عقل میں بُوڑھا ہے۔''

اُس دِن سے ہی اِس بچے کا نام 'بھائی بُڈّھا' پڑ گیا۔ وہ چھٹی پاتشاہی شری گُورو ہرگوبند جی کے وقت تک زِندہ رہے۔ اُن کی گُورو گھر میں بہت عزت تھی اور گُورو انگد صاحب، گُورو امر داس، گُورو رامداس، گُورو ارجن دیو اور گُورو ہرگوبند جی کو گُورو گدّی کا تِلک اُنہوں نے ہی لگایا تھا۔

120۔ نایاب دستی کتب

پڑھیے جیتے برس برس، پڑھیے جیتے ماس۔
پڑھیے جیتی آرجا، پڑھیے جیتے ساس۔
نانک لیکھے اِک گل، ہور ہووے جھکھنا جھاکھ۔[139]
گورونانک

ایک دفعہ کا ذِکر ہے کہ اعظیم صوفی درویش شمس تبریز نے اُداسی اور تنہائی کی حالت میں بارگاہِ الٰہی میں دُعا مانگی، ''یا الٰہی! مجھے کسی رفیق و ہمراز کی صحبت عطا کرتا کہ تیرے ہجر و فراق کے غم اور تیری قُربت و وِصال کی داستانوں پر گفت و شنید کر سکوں۔''

بارگاہِ الٰہی سے بشارت ہوئی کہ فوراً روم چلے جاؤ۔ وہاں ایک سوختہ دِل ہے اُسے اپنی صحبت سے فیضیاب کر آؤ۔

چناچہ آپ اُسی وقت روانہ ہو گئے اور قونیہ آ پہنچے جہاں اُس وقت کے مشہور عالم مولانا رُوم قیام کرتے تھے اور حاکمِ وقت بھی آپ کی بہت عزت کرتا تھا۔

ایک روز جب شمس تبریز آپ کے پاس پہنچے تو اُس وقت آپ ایک حوض کے نزدیک بیٹھے، سنجیدگی سے حوض کی مینڈ پر رکھی دستی کتب کا مطالع کر رہے تھے۔ شمس تبریز آپ کو ورق گردانی کرتے دیکھ کر کہنے لگے، ''مولانا! بڑے مصرُوف دِکھائی دیتے ہو۔ کیا ہے اِن کتابوں میں جسے اتنے غور سے پڑھ رہے ہو؟'' مولانا رُوم نے اپنے سامنے کھڑے درویشانہ لباس پہنے شمس تبریز کو کہا، ''جناب، یہ قیل قال کی باتیں ہیں۔ (یعنی جو کچھ اِن کتابوں میں لکھا ہے اُس پر بڑے

بڑے عالم آپس میں گھنٹوں بحث کرتے ہیں تب کچھ سمجھ پاتے ہیں، میں اِن کے بارے آپ کو کیا بتاؤں؟) ۔آپ دیکھ رہے ہیں، میں اِن کتابوں میں لکھے اِلٰہی بھیدوں کا مطالع کر رہا ہُوں۔'' مولانا رُوم شمس تبریز کی سادگی سے اُن کی بلند خیالی اور باطنی رسائی کا اندازہ نہ لگا سکے، اس لیے آپ نے کہا، ''اے بھلے آدمی! یہ قیل قال کی باتیں ہیں اِنہیں تُم کیا جانو؟۔''

شمس تبریز مُسکراتے ہوئے حوض کے پاس گئے اور آناً فاناً کتابوں کو ہاتھ سے حوض میں دھکیل دیا۔

اپنی ساری عُمر کی محنت ضائع ہوئی دیکھ کر مولانا رُوم کو بڑا دھکّا لگا۔ یہ سوچ کر اُس کا دِل بیٹھ گیا کہ میری اتنی نایاب کتابیں تباہ ہو گئیں۔ بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابُو رکھتے ہوئے وہ بولے، ''بھلے آدمی! تُو نے یہ کیا کر دیا؟ تجھے اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ میری نایاب کتابیں برباد کر کے تُو نے میرا کتنا بھاری نُقصان کر دیا ہے۔''

یہ سُن کر شمس تبریز مُسکرائے اور کہنے لگے، ''اچھا؟ کیا ہم نے آپ کا سچ مچ اِتنا بھاری نُقصان کر دیا؟ لو! ہم آپ کے نقصان کی تلافی بھی کئے دیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر شمس تبریز نے تالاب میں ہاتھ ڈالا اور یکے بعد دیگرے تمام کتابیں نکال کر باہر رکھ دیں، جو بالکل سُوکھی تھیں۔

یہ دیکھ کر مولانا روم کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا، ''ایں چیست''، یعنی یہ کیا ہے؟

شمس تبریز نے جواب دیا، میاں، یہ زمانہ حال کی باتیں ہیں، اِنہیں تُم کیا جانو؟

مولانا رُوم نے جب دیکھا کہ پانی میں پھینکی گئیں قلمی کتب کا ایک بھی ورق پانی سے نہیں بھیگا ہے۔ آپ سمجھدار تھے، فوراً تاڑ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کامل درویش کو اُسے حقیقی علم کا راستہ دِکھانے کے لیے اُس کے پاس بھیجا ہے۔ وہ یکدم شمس تبریز کے قدموں پر گِر پڑے اور اپنی پناہ میں لینے کے لیے اِلتجا کی۔ چنانچہ شمس تبریز نے اُسے بیعت کر دیا یعنی نام کا بھید بخش دیا۔ مولانا رُوم نے مُرشد سے بیعت ہوئے اور تاعمر کلمہ کی تن دہی سے ریاضت کی اور اُونچے رُوحانی بھیدوں سے واقف ہوئے۔ اب مولانا رُوم کی مثنوی کو فارسی زبان کے قُرآن کا درجہ دیا جاتا ہے۔ مولانا روم اپنے مرشد کی شان میں علانیہ فرماتے ہیں:

مَولوی ہرگز نہ شُد مولائے رُوم ۔۔ گر غلامے شمس تبریزی نہ شُد

مطلب یہ کہ مولوی رُوم مولانا رُوم نہ بن سکتا اگر اُسے شمس تبریز کا خادم (مُرید) بننے کا شرف نصیب نہ ہوتا۔ یعنی گوُرو کی کرپا کے بغیر کبھی کوئی عالم عارف یا سنت نہیں بن سکتا۔

121۔ معبُود عابد کے دِل کی جانتا ہے

تُم اپنا سب کچھ بھینٹ کر دو تو ہم تمہیں وہ سب دے دیں گے
جو ہمارے پاس ہے۔[140]

عنایت خان

ایک بار ربّ کے سچے محبُوب بایزید بسطامی کو بشارت ہوئی اور اُس نے غیبی آواز کو یہ کہتے ہُوئے سُنا، ''تُو جو مانگنا چاہتا ہے، مانگ لے، تیری خواہش پُوری کی جائے گی۔'' بایزید ربّ کا سچا عاشق تھا اور سِوائے اپنے محبُوب کے دیدار کے اور کچھ نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے عاجزی سے سربسجدہ ہو کر کہا، ''جو کچھ مالک خود اپنی خوشی سے عطا فرماویں میں نعمت سمجھ کر قبُول کرُوں گا اور اُس داتا کا شُکر گزار رہوں گا۔

غیبی آواز کہنے لگی، ''ہم تجھ پر خوش ہیں اور تجھے دونوں جہان دیتے ہیں۔ ہم تجھے آسمان، تحت الثّریٰ (پاتال) اور اِن کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب تجھے بخشتے ہیں۔'' چونکہ بایزید بسطامی دُنیا کی داتیں نہیں، خود داتا کو چاہتا تھا، وہ کہنے لگا، ''سب کا داتا میرا مالک، میرے دِل کی مُراد بخوبی جانتا ہے۔'' غیبی آواز فوراً بولی ''بایزید تُو نے ہم سے ہم کو مانگا ہے، اگر ہم تجھ سے تجھ کو مانگ لیں تو؟''

یہ سُن کر بایزید پہچان گیا کہ یہ میرے محبُوب کی آواز ہے۔ وہ خوشی سے چیخ اُٹھا، ''میرے مالک! میں سچے دِل سے کہتا ہوں کہ اگر تُو قیامت کے دِن مجھے دوزخ کی آگ میں کُودنے کا حُکم دے گا تو میں فوراً اُس آگ میں کُود پڑوں گا۔ میری ایک ہی سرد آہ دوزخ کی ساری آگ کو ٹھنڈا

کر دے گی کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ تیرے عشق کی آگ کے سامنے دوزخ کی آگ بجھے ہوُئے کوئلوں سے زیادہ کچھ نہیں۔''

بایزید نے اپنی بات ابھی پُوری بھی نہیں کی تھی کہ غیبی آواز پھر سُنائی دی، ''ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ تُو ہماری تلاش کر، تجھے ہمارا دیدار ضرور ہوگا۔''

122۔ دوزخ اور بہشت جلا دو

سُرگ مُکتی بیکنٹھ سبھ بانچھہ نِت آسا آس کریجَ
ہر درسن کے جَن مُکتی نہ مانگہہ مِل درسن ترِپت من دِھیجے۔ [141]
گُورُو رامداس

حکایت مشہور ہے کہ ایک روز بصرہ کی صوُفی درویش رابعہ بصری کو لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہاتھ میں آگ اور دُوسرے میں پانی لیے تیز رفتار دوڑی چلی جارہی ہیں۔ لوگوں نے پُوچھا کہ آپ کہاں جارہی ہیں اور یہ سب کیا ہے؟ رابعہ نے جواب دیا، ''میں بہشت کو آگ دِکھانے اور دوزخ پر پانی ڈالنے جارہی ہوں تاکہ جولوگ خُدا کی عبادت کریں وہ بہشت کے لالچ میں یا دوزخ کے ڈر سے عبادت نہ کریں بلکہ صِرف خُدا کی خاطر عبادت کریں۔''

اِسی طرح ایک دُوسری حکایت ہے کہ ایک دفعہ شیخ شِبلی مکّہ گئے ہوئے تھے۔ آپ روز دیکھتے تھے کہ لوگ کعبہ کی زیارت کرتے اور وہاں رکھے سنگِ اسود (ایک کالا پتھر جسے مسلمان بڑے ادب سے بوسہ دیتے ہیں) کو بوسے دیتے تھے۔ ایک روز آپ ہاتھ میں جلتی ہوئی آگ لے کر کعبہ کی طرف بے تحاشہ بھاگنے لگے۔ شیخ شِبلی کو ہاتھ میں جلتی ہوئی آگ لے کر اِس طرح بھاگتے ہوئے دیکھ کر لوگوں نے پُوچھا، ''حضرت! آپ آگ لیے کِدھر بھاگے جارہے ہیں اور یہ ہاتھ میں کیا ہے؟'' شیخ شِبلی نے جواب دیا، ''میں اِس آگ سے کعبہ کو جلانے جارہا ہوں تاکہ لوگ کعبے کی بجائے کعبے والے کی طرف رجوُع کریں۔''

اگلے روز لوگوں نے شِبلی کو پھر مکّے کی گلیوں میں سے کعبے کی طرف جاتے دیکھا۔ اُس کی

آنکھیں نُور سے چمک رہیں تھیں اور دونوں ہاتھوں میں سُلگتے ہوئے کوئلے تھے۔لوگوں نے پُوچھا،''حضرت! آج کِدھر جا رہے ہیں، آج کِس کو پھُو نکنے کا اِرادہ ہے؟''
شِبلی کہنے لگا،'' آج میں دوزخ اور بہشت دونوں کو آگ لگانے جا رہا ہوں، تا کہ لوگ بہشت کے لالچ اور دوزخ کے ڈر کی بجائے خُدا کی بندگی خُدا کی محبت کی خاطر کریں۔''

123۔ کل جُگی مُرید

جاگو اور دُعا کرو تا کہ آزمائش میں نہ پڑو،
رُوح تو مُستعد ہے مگر جِسم کمزور ہے۔[142]
متی

ایک چیلا اپنے گُورو کے ساتھ کِسی جنگل میں رہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ سردیوں کی اندھیری رات میں بہت زور کی بارش ہونے لگی اور جھونپڑی کی چھت سے پانی ٹپکنے لگا۔ گُورو نے مُرید سے کہا، ''بیٹا! چھت پر چڑھ کر دیکھ آؤ کہ پانی کہاں سے ٹپک رہا ہے اور جیسے بھی بن پڑے اُسے ٹھیک کرنے کی کوشش کر۔''

چیلا گُورو کا کہنا ماننا تو چاہتا تھا مگر دِل میں سوچتا ہے کہ باہر اندھیرا ہے اور بارش ہو رہی ہے۔ کہیں میں بھیگ نہ جاؤں، کہیں پیر پھِسل کر گِر گیا تو ٹانگ بھی ٹُوٹ سکتی ہے۔ اُس نے بہانہ بنا کر اپنے گُورو سے کہا، ''گُورودیو! اگر میں اُوپر چھت پر گیا تو میرے پاؤں چھت پر ہوں گے اور آپ چھت کے نیچے۔ میں ایسی بے ادبی کیسے کر سکتا ہوں؟'' گُورو نے کوئی جواب نہ دیا اور چُپ چاپ خود چھت پر چڑھ کر چھت کو ٹھیک کر لیا۔

جب گُورو جی چھت سے نیچے آئے، اُنہوں نے دیکھا کہ جلانے کے لیے لکڑیاں ختم ہو گئی ہیں۔ اِس لیے اُنہوں نے مُرید سے کہا، ''بیٹا، باہر جنگل میں جا کر جلانے کے لیے کچھ لکڑیاں لے آؤ۔'' مُرید گُورو کا کہنا تو ماننا چاہتا تھا لیکن جب اُسے جنگل کا خیال آیا تو وہ ڈر گیا۔ سوچتا ہے کہ باہر اندھیرا ہے، جنگل میں خطرناک جنگلی جانور ہیں۔ مجھے وہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ہو سکتا

ہے وہ مجھے زِندہ ہی کھا جائیں۔ اُس نے فوراً بہانہ ڈُھونڈ لیا اور بولا، ''گورودیو! اگر میں جنگل کی طرف گیا تو جاتے وقت میری پیٹھ آپ کی طرف ہو جائے گی۔ میں بھلا آپ کی بےادبی کرنے کی گستاخی کیسے کر سکتا ہوں؟''

اِس دفعہ بھی گورو جی نے کچھ نہیں کہا اور چُپ چاپ خود ہی جنگل میں جا کر جلانے کے لیے لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آئے۔

جنگل سے واپس آ کر گورو جی نے کھانا تیار کیا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو اُنہوں نے مُرید سے کہا، ''بیٹا، کھانا تیار ہے۔ آ کر کھا لو۔'' یہ سُن کر مُرید سرپٹ دوڑتا ہوا آیا اور گورو جی کے قدموں پر گر پڑا۔ وہ نہایت محبت بھرے لہجے میں کہنے لگا، ''گورو جی! مجھے معاف کر دیں جو میں نے دو بار آپ کی حُکم عُدولی کی۔ لیکن اِس بار میں آپ کا حُکم ضرُور مانوں گا۔''

124۔ گُورو سمان دُوسر نہیں کوئے

خُدا جو حق کی صورت ہے اس کا قیاس بھی ممکن نہیں ہے۔
اُس محبُوبِ حقیقی کا بیان کوئی کیسے کرسکتا ہے جِس کا کوئی
ثانی نہیں۔[143]

مولانا رُوم

جب شُکد یو نے راجہ جنک کو گُورو دھارن کرلیا اور پُوری طرح مطمئن ہو کر اپنے پِتا ویدویاس جی کے پاس واپس لوٹا تو اُس نے پُوچھا، ''بتاؤ گُورو کیسا ہے؟'' شُکد یو چُپ رہے، کچھ بول نہ پائے۔ آخر باپ نے پُوچھا، ''کیا سُورج جیسا ہے؟'' شُکد یو بولا، ''سُورج جیسا تیج تو اُس میں ہے، لیکن سُورج میں تپش ہے، میرے گُورو میں تپش نہیں ہے۔'' پھر اُنھوں نے پُوچھا کہ کِس جیسا ہے؟ کوئی جواب نہیں مِلا۔ پھر پُوچھا، ''کیا چندرماں جیسا ہے؟'' بولا، ''شیتل تو چندرماں جیسا ہے، لیکن چندرماں میں داغ ہے، میرے گُورو میں کوئی داغ نہیں ہے۔'' رِشی نے پُوچھا، ''پھر کِس جیسا ہے؟'' شُکد یو نے جواب دیا، ''گُورو جیسا گُورو ہی ہے۔ اُس جیسا اور کوئی نہیں ہے'' شُکد یو نے بڑے ادب سے اپنے پِتا کو کہا، ''پِتا جی! آپ کا بہت بہت شُکریہ۔ حالانکہ مجھے آپ کی ہدایت پر عمل کرنے میں کافی دیر ہوگئی۔'' ویدویاس نے کہا، ''اب خواہ روز دس مرتبہ وِشنوُ پُوری میں جاؤ، کوئی نہیں روک سکتا۔''

شُکد یو کو وِشنوُ پُوری سے اِس لیے نکال دیا گیا تھا کیونکہ اُس کا کوئی گُورو نہیں تھا، وہ نِگُورا تھا۔ رِشی ویدویاس نے اُسے کئی بار راجہ جنک کے پاس بھیجا تھا لیکن وہ اپنے تیاگی ہونے کے غرُور کی

وجہ سے واپس آجاتا تھا کیونکہ راجہ جنک اُس کی طرح تیاگی نہیں تھا۔

ویدویاس نے بیٹے شُکدیو سے کہا، ''ذرا ایک پل کے لیے سوچو کہ وِشنوپُوری جیسے منڈل میں داخل ہونے کے لیے بھی اگر گوُرو کی ضرُورت پڑتی ہے تو اِس سے کہیں اُونچے رُوحانی منڈلوں میں داخل ہونے کے لیے راجہ جنک جیسے پُورن گوُرو کی کتنی ضرُورت ہے؟''

سبھی سنتوں مہاتماؤں نے ستگوُرو کے سچے بھگت کو بہت اُونچا رُتبہ دیا ہے کیونکہ پُورن گوُرو کے بغیر مُکتی نہیں ہے۔

حِصہ 2

بڑے مہاراج جی اور اُن سے پیشتر ہوئے

ستگوُروؤں سے متعلقہ ساکھیاں

125۔ باباجی مہاراج سے ملاپ

جب مُریدتیار رہوتا ہے تو اُس کا مُرشد سے ملاپ ہوجاتا ہے۔
سچ پُوچھو تو مُرشد ایسے مُرید کی آپ ہی تلاش کر لیتا ہے۔[144]
مہاراج ساون سِنگھ

حضور مہاراج ساون سِنگھ جی کو سنگت پریم سے بڑے مہاراج جی کہتی ہے۔اُن کے پِتا جی صوُبیدار میجر تھے، اُنہیں سادھوُوں سے ملنے کا شوق تھا۔وہ جس سادُھو کے پاس جاتے، آپ کو ساتھ لے جاتے۔آپ جتنا عرصہ اُن کے ساتھ رہے، سادُھوؤں سے ملتے رہے۔اِس طرح آہستہ آہستہ آپ کو بھی سادُھوؤں سے ملنے کا شوق ہوگیا۔جب آپ بڑے ہوئے تو یہ شوق اور بڑھ گیا۔رُوحانیت بے شک ایک عملی گیان ہے۔ایک وقت تھا جب آپ خود کہتے تھے کہ گوُرو کی کیاضرُورت ہے! آپ اپنی ادائل زِندگی میں مختلف اِداروں کے پریذیڈنٹ، سیکرٹری وغیرہ بھی رہے۔لیکن جب آپ کی دھارمک سمجھ پختہ ہوئی اور آپ گرنتھوں کو صحیح معنوں میں سمجھنے لگے تو آپ گوُرو کی تلاش کرنے لگے۔

جب آپ گوُرو گرنتھ صاحب پڑھتے تھے تو اُس میں بار بار ذِکر آتا تھا کہ ہر سچے کھوجی کو گوُرو کی تلاش کرنی چاہیئے۔اِس لیے جہاں کہیں بھی پتہ چلا آپ وہاں گوُرو کی تلاش میں گئے۔باغ میں پھوُل بھی ہوتے ہیں کانٹے بھی۔کئی مہاتما ملے، بات چیت ہوئی لیکن وہ کچھ دے نہیں سکے۔پھر بھی آپ کہیں سے بُرائی کا خیال لے کر نہیں آئے۔

آخر آپ کا تبادلہ پشاوَر میں ہوگیا۔وہاں آپ نے ایک فقیر کو دیکھا۔اُس نے لنگوٹی باندھی

ہوئی تھی اور مست بیٹھا تھا۔ لگا تار کئی مہینے آپ نے اُس کی صحبت کی، اور وہ بھی کئی بار آ کر آپ کے پاس مہینہ مہینہ رہا، لیکن اُس نے دیا کچھ بھی نہیں۔ ہار کر ایک روز رات کو آپ نے اُسے گھیر لیا اور کہا کہ آج تو مجھے سچ سچ بتا دو۔ وہ کہنے لگا، ''اگر سچ پُوچھتے ہو تو بات یہ ہے کہ ابھی تمہارا وقت نہیں آیا۔'' آپ نے پُوچھا کہ کیا اِس جنم میں وقت آئے گا؟'' وہ بولا، ''ہاں آئے گا۔'' آپ نے کہا، ''بتاؤ وہ کون سا مہاتما ہے؟'' اُس نے کہا کہ وہ خود ہی تمہارے پاس آ جائے گا۔

جب آپ کا تبادلہ پشاور سے کوہ مَری پہاڑ پر ہُوا تو ایک دِن بابا جیمل سِنگھ جی مہاراج وہاں آ پہنچے۔ اُن کے ساتھ بی بی رُکو بھی تھی۔ بابا جی مہاراج بی بی رُکو سے بولے، ''ہم اِس سِکھ کے لیے یہاں آئے ہیں۔'' بی بی رُکو نے کہا کہ اُس نے تو آپ کو 'فتح' بھی نہیں بُلائی۔ اِس پر بابا جی نے کہا کہ ابھی اِس بیچارے کو کیا خبر، پرسوں یہ ہمارے پاس آئے گا۔

اُن دِنوں بابا جی بابُو سُکھ دیال کے چوبارے میں ٹھہرے ہوئے تھے اور شری گُورو گرنتھ صاحب سے ست سنگ کیا کرتے تھے۔ دو دِن بعد بڑے مہاراج جی کے ایک دوست نے اُن سے کہا کہ آپ سنتوں مہاتماؤں سے ملنے کے شوقین ہو، آؤ آج آپ کو ایک مہاتما کے درشن کرائیں۔ وہ آپ کو اُس دِن بابا جی مہاراج کے پاس لے گیا۔ آپ کئی دِن اُن کی صحبت میں رہے۔ آپ سوال کرتے گئے، بابا جی جواب دیتے گئے۔ جو آپ کے بیس سال کے شکوک تھے، وہ چند دِنوں میں ہی ختم ہو گئے۔ آپ نے نام دان کے لیے عرض کی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ رادھا سوامی نام کو آپ سُننا نہیں چاہتے، یہ نیا لفظ آپ کے دِل میں نہ ڈالا جائے۔ تب بابا جی مہاراج نے کہا، ''کیا کوئی بانی تمہارے نِت نیم میں ہے؟'' آپ نے جواب دیا، ''جی! 'جپ جی صاحب' اور 'جاپ صاحب' ہمیشہ سے میرے نِت نیم میں ہے۔'' بابا جی کہنے لگے کہ 'جاپ صاحب' میں گُورو گوبند سِنگھ جی نے مالک کے کتنے نئے نام رکھے ہیں؟ آپ نے کہا، ''جی، گنے تو نہیں لیکن خیال ہے کوئی بارہ چودہ سو ہوں گے۔'' تب بابا جی مہاراج کہنے لگے، ''اگر ایک مہاتما نے واہگُورو کا ایک اور نام 'رادھا سوامی' رکھ دیا تو کیا ظلم ہو گیا؟'' وہاں سوامی جی مہاراج کی پوتھی 'رادھا سوامی سار بچن نظم' پڑی ہوئی تھی۔ بابا جی مہاراج نے اُس میں سے یہ سطریں پڑھ کر سُنائیں:

رادھا آد سُرت کا نام، سوامی آد شبد نج دھام

سُرت شبد اور رادھا سوامی، دونوں نام ایک کر جانی145

بابا جی مہاراج نے کہا کہ سُرت شبد کا یہی مارگ گورو گرنتھ صاحب کا ہے اور یہی سوامی جی مہاراج کہہ رہے ہیں۔ ایک 'رادھا' کا لفظ زیادہ رکھا ہے۔ 'رادھا' کا مطلب ہے آتما یا رُوح اور 'سوامی' کا مطلب ہے 'مالک' یعنی پرماتما۔ آپ کی تسلّی ہو گئی۔ پھر جو دات بابا جی نے بخشنی تھی آپ کو بخش دی۔ آپ دس دِن کی چھُٹی لے کر اُن کے پاس رہے۔ آپ کے جو اور بھی شکوک تھے، اُن کو بابا جی نے اِس عرصہ کے دوران رفع کر دیا۔

سو گورو کے بغیر بانی کی بھی سمجھ نہیں آتی۔

126۔ ست گُوروانگ سنگ

بُلّھا شوہ اساں تھیں وَکھ نہیں، بِن شوہ تھیں دُوجا لکھ نہیں
پر ویکھن والی اَکّھ نہیں، تائیں جان پئی دُکھ سہندی اے۔[146]
بُلّھے شاہ

بہت عرصہ پہلے کا ذِکر ہے۔ ایک مرتبہ بڑے مہاراج جی شملہ گئے۔ دوست سنگی، بھائی کاہن سنگھ اور بھائی مکھر سنگھ آپ کے ساتھ تھے۔ کچھ لوگ آئے اور ست سنگ میں بیٹھ گئے۔ سری گُورو گرنتھ صاحب کے شبدوں پر ست سنگ ہو رہا تھا۔ بڑے مہاراج جی نے اُن سے کہا کہ اگر کچھ کہنا ہو تو بانی کا ارتھ بند کر دیں۔ وہ بولے، ''نہیں۔'' جب شبد پُورا ہو گیا تو کہنے لگے کہ ہمیں آپ کے ساتھ بات چیت کرنی ہے۔ آپ نے کہا، بہت اچھا۔ پہلے ایک بھائی نے حضور سے بات چیت کی پھر دُوسرے بھائی نے۔ پہلے نے کہا کہ اندر باجے تو نہیں بجتے۔ آپ نے کہا کہ بجتے ہیں۔ اُس نے پُوچھا، ثبوت؟ آپ نے کہا، ''گُورو گرنتھ صاحب کو مانتے ہو؟'' بولا، ''کیوں نہیں؟'' آپ نے کہا، سُنو گرنتھ صاحب کیا کہتا ہے:

گھر مہہ گھر دیکھائے دے سو ستگورو پُرکھ سُجان
پنچ سبد دُھنکار دُھن تہہ باجے سبد نیسان۔[147]

جب بانی میں سے بتا دیا تو کہنے لگا کہ جی، میں تو مانتا ہوں، لیکن یہ ساتھ والے نہیں مانتے۔ آپ نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔

دُنیا میں سب قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ست سنگ میں کچھ لوگ تماشہ دیکھنے کے لیے آتے

ہیں اور کچھ بحث کرنے کا کھوٹا خیال لے کر آتے ہیں۔ یہ لوگ تو چلے گئے۔ لیکن سنگت میں کچھ ایسے لوگ بیٹھے تھے جن میں کئی ابھیاسی بھی تھے جیسے سردار جگجیت سنگھ اور اُن کی دھرم پتنی اور بھائی کیہر سنگھ کی پتنی وغیرہ وغیرہ۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو سردار جگجیت سنگھ بولے کہ حضور! جب آپ باتیں کر رہے تھے تو آپ کے پاس ستگوُرو (بابا جیمل سنگھ) کھڑے تھے۔ اُن کی پتنی نے بھی یہی بات کہی۔ اِسی طرح بھائی کیہر سنگھ کی پتنی، جو رُوحانی سوسائیٹی کی پردھان تھیں، بولی کہ جب آپ بات چیت کر رہے تھے تو ایک بُوڑھا بابا آپ کو مدد دے رہا تھا۔

سو ستگوُرو تو ہر وقت انگ سنگ ہوتے ہیں۔

127۔ حُکم سِنگھ کو نام دان

ہم جیسے اپرادھی اوَر کوئی راکھے جیسے ہم ستگوُرو راکھ لیے چھڑائی۔[148]

گوُرو رامداس

ایک دفعہ کا ذِکر ہے کہ باباجی مہاراج انبالہ شہر تشریف لے گئے۔ وہاں موتی رام ٹیلر ماسٹر بڑے پریمی ست سنگی تھے۔ اُنہوں نے باباجی کی خِدمت میں ست سنگ کے لیے عرض کی۔ بابا مہاراج نے سری گوُروگرنتھ صاحب کا شبد ست سنگ میں لیا۔ چونکہ اُپدیش بڑا اعلیٰ ہے اِس لیے جب شبد کی تشریح کی تو لوگ بہت متاثر ہوئے۔ وہاں حُکم سِنگھ نام کا ایک اکاؤنٹنٹ رہتا تھا۔ اُس نے موتی رام کے آگے نام لینے کی خواہش ظاہر کی۔ موتی رام نے سوچا کہ یہ بڑا صاحبِ حیثیت اور مُعزّز آدمی ہے۔ اگر اِس طرف لگ جائے تو ست سنگ کی رونق بڑھ جائے گی۔ موتی رام نے باباجی کی خِدمت میں عرض کی اور اُس آدمی کو پیش کیا۔ باباجی نے فرمایا، ''موتی رام! اِس آدمی کو نام نہ دِلواؤ۔ اِس کے بڑے زبردست کرم ہیں۔'' موتی رام نے کہا، ''باباجی! اگر آپ کے پاس آکر بھی کرم باقی رہ گئے تو پھر دُنیا میں اور کونسی جگہ ہے؟'' باباجی کا خیال ایک مہینہ وہاں ست سنگ کرنے کا تھا۔ باباجی نے موتی رام کو کہا، ''اچھا نام تو دے دیتا ہوں لیکن پھر اِس جگہ نہیں ٹھہروں گا۔ نام دیتے ہی بیاس چلا جاؤں گا۔''

موتی رام نے ہٹ دھرمی کی۔ کہنے لگا، ''اچھا مہاراج جی! میں بیاس آکر ست سنگ سُن لوُں گا، لیکن اِس کو نام ضرُور بخش دیجیئے۔'' باباجی نے تانگہ منگوالیا اور بستر باندھ کر اُس میں رکھ دیا۔

اِدھر نام دیا اور اُدھر تانگے پر سوار ہو کر سٹیشن پہنچے اور بیاس کو چل پڑے۔ اِتفاقاً راستے میں لُدھیانہ سٹیشن پر بڑے مہاراج جی بابا جی کو مِلے۔ اُنہوں نے عرض کی، ''حضور! میرا گاؤں مہما سنگھ والا نزدیک ہی ہے، درشن دیتے جائیں۔'' فرمایا کہ اِس وقت نہیں اُتروں گا اور تم بھی اِس اتوار ڈیرے نہ آنا۔

بڑے مہاراج جی کا قاعدہ تھا کہ جب آپ چھُٹی آتے، ہر اِتوار کو ست سنگ کے لیے ڈیرے آ جاتے۔ بابا جی عام طور پر تاکید کیا کرتے تھے کہ آپ گھر کا کام کاج نہیں کرتے، ڈیرے دوڑ آتے ہو۔ سو آپ نے سوچا کہ شاید اِسی لیے یہ حُکم دیا ہے۔

جب بابا جی مہاراج ڈیرے پہنچے تو اِس قدر زور کا بُخار ہو گیا کہ نیچے کا سانس نیچے اور اُوپر کا سانس اُوپر۔ بہت سخت تکلیف میں مبتلا رہے۔ بی بی رُکو جو ہمیشہ بابا جی کی سیوا میں رہی، اور دیگر بہت سے ست سنگیوں نے دوا کھانے کے لیے عرض کی۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی بارہ دِن میں کوئی دوا نہیں کھاؤں گا۔

بی بی رُکو رونے لگی۔ آپ نے فرمایا، ''بی بی! میں ابھی نہیں جا رہا، تُو فکر نہ کر۔ بارہ دِن کے بعد بُخار کچھ کم ہو گیا۔

جب بڑے مہاراج جی اگلے اتوار، یعنی پندرہ دِن بعد، ڈیرے پہنچے اور حالات کا پتہ لگا، تو عرض کی کہ مہاراج جی، آپ نے مجھے آنے سے روک دیا تھا، اگر میں حسبِ معمول آ جاتا تو آپ کی کچھ سیوا کرتا۔

بابا جی نے فرمایا کہ آپ سے برداشت نہیں ہونا تھا، اور ممکن ہے کہ من ڈول جاتا۔ اِس لیے میں نے ٹال دیا۔

اُنہوں نے کہا، ''بابا جی! آپ کی تکلیف کا اصلی سبب کیا تھا؟ فرمانے لگے، ''تم سے ہضم نہیں ہوگا۔'' اُنہوں نے اِقرار کیا کہ آپ کی زِندگی میں کِسی کو نہیں بتاؤں گا۔'' اِس پر بابا جی نے فرمایا کہ پکّا اِقرار کرو۔ اُنہوں نے جواب دیا، ''جی ہاں۔ میرا پکّا اِقرار ہے۔''

دیکھو، سنتوں کو اپنے سِکھوں کی خاطر کتنا دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے۔ نام دے کر سارے پچھلے کرموں کا بوجھ اپنے اُوپر لے لیتے ہیں، لیکن ذرّہ بھر بھی ظاہر نہیں کرتے۔

128۔ ہزاروں بجلیاں ٹوٹ پڑیں

گُورو کے لیے آتما کو اُوپر لے جانا مشکل نہیں، لیکن مناسب ابھیاس کے بغیر اُوپر لے جانے سے اُس آتما کا نُقصان ہوتا ہے۔ ایک ریشمی کپڑے کو، جو کانٹے دار جھاڑیوں پر پھیلایا ہوا ہے، اگر یکا یک کھینچا جائے تو وہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اُسی طرح آتما کو، جو کرموں کے کانٹوں میں پھنسی ہوئی ہے اور شریر کے روم روم میں پھیلی ہوئی ہے، گُورو کے پریم کے ذریعہ آہستہ آہستہ پاک صاف کرنا چاہیئے۔[149]

مہاراج ساون سنگھ

ایک دفعہ بابا جیمل سنگھ جی کے پاس کچھ پنڈت آئے۔ اُن میں شاستروں کی تشریح کو لے کر آپس میں کوئی جھگڑا تھا۔ کچھ پنڈت کہتے تھے کہ اِن کا ارتھ یوں ٹھیک ہے اور کچھ کہتے تھے کہ نہیں، یوں ٹھیک ہے۔ اُنہوں نے سوچا کہ باباجی کی رُوحانی منڈلوں میں رسائی ہے، اِس لیے صحیح وضاحت کے لیے اُن کے پاس چلیں۔ جب وہ آئے اور اپنا سارا معاملہ پیش کیا تو مہاراج جی نے کہا کہ ہم سنسکرت نہیں جانتے۔ آخر اُنہیں طریقے سے سمجھا دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں نام دیجیئے۔ مہاراج جی نے کہا کہ عالموں کے لیے نام کی کمائی کرنا مشکل ہے۔ ایک کو چھوڑ سارے پنڈت چلے گئے۔ وہ کہنے لگا، ''مجھے نام دیجیئے۔'' مہاراج جی نے اُسے نام دے دیا۔

چھ مہینے کے بعد وہ آیا اور کہنے لگا کہ سُرت شبد یوگ کا طریقہ اچھا نہیں، پرانایام اچھا

ہے۔قریب نو مہینے بعد پھر وہ آیا اور بولا کہ پرانا یام بھی اچھا نہیں، آپ مجھے دِکھاؤ کہ اندر کیا ہے؟ تب مہاراج جی نے کہا کہ نام کی کمائی کرو۔ پھر وہ واپس چلا گیا۔

ایک بار بابا جی مہاراج سٹھیالے پنشن لینے جا رہے تھے، راستے میں وہی پنڈت مل گیا اور کہنے لگا کہ یہاں کوئی نہیں ہے، مجھے ذرا سا دِکھا دو کہ اندر کیا ہے! مہاراج جی نے کہا کہ تیرا نقصان ہو جائے گا۔ وہ بولا کہ ذرا سی توجہ دے دو۔ جب مہاراج جی نے ذرا سی توجہ دی تو وہ گر پڑا اور چِلّایا کہ سنبھال لو۔ مہاراج جی نے کہا کہ اندر سے خیال ہٹا لو۔ جب خیال ہٹایا اور باہر آیا تو اُس نے بتایا کہ اندر ہزاروں بجلیاں ٹُوٹ پڑیں تھیں۔تب مہاراج جی نے کہا کہ تیری عُمر تین سال باقی ہے، خواہ تُو بھجن کر لے، خواہ دُنیا کا کام کر لے۔ پھر وہ چلا گیا۔

سنتوں کے ساتھ ضِد نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ اُن کی رضا یا موج میں رہنا چاہیئے۔

129۔ مچھرؔ اور رام دِتّہؔ

آپ کی چِنتا اور پریشانی گُورو کی چِنتا اور پریشانی ہے۔ اِن سب چِنتاؤں کو گُورو کے حوالے کر دیجیے اور بے فِکر ہو کر گُورو کے لیے پریم بڑھائیے، جو آپ کا فرض ہے۔[150]

مہاراج ساون سِنگھ

ایک دِن جب بڑے مہاراج جی بابا جی مہاراج کے پاس آئے، تو وہ منڈالی گاؤں کے دو جاٹ ست سنگیوں ... مچھرؔ اور رام دِتّہؔ ... سے مِلے۔ وہ بڑے اچھے پریمی تھے۔ جب تک صبح اُن کو اندر گُورو کے درشن نہ ہوتے، وہ کام کو ہاتھ نہ لگاتے۔ جو پریمی ہوتا ہے، گُورو بھی اُس کی دیکھ بھال کرتا ہے، کبھی کبھی آزمائش بھی کرتا ہے۔ اُنہوں نے اپنے کھیتوں میں مکئی بوئی ہوئی تھی۔ اُس دِن کنویں سے کھیتوں کو پانی دینے کی اُن کی باری تھی۔ رام دِتّہؔ نے کہا، ''مچھرؔ، آج مہاراج جی (بابا جی مہاراج) کے درشن نہیں ہوئے۔'' مچھرؔ نے جواب دیا، ''مجھے بھی نہیں ہوئے، لیکن آج اگر پانی نہ دیا تو مکئی سُوکھ جائے گی۔'' رام دِتّہؔ بولا، ''سُوکھ جائے گی تو گُورو کی سُوکھ جائے گی۔'' اور دونوں پھر بھجن پر بیٹھ گئے۔ ایک گھنٹے کے بعد مہاراج جی کے درشن ہو گئے۔ تب اُٹھ کر رہٹ چلائی اور پانی دیا۔ مکئی پہلے سے ڈھائی گُنا ہوئی۔

ست گُورو ست سنگی کے انگ سنگ ہوتے ہیں اور ہر طرح سے مدد کرتے ہیں۔

130۔ مُجھے ماتھا ٹیک لینے دیں

دھن چھوٹا پن سُکھ مہا، دھرگ بڑائی خوار
سہجو ننھا ہُو جیئے، گُورو کے بچن سمہار۔[151]
سہجو بائی

مہاراج بابا جیمل سِنگھ جی کے زمانہ کا ذِکر ہے کہ ڈیرے میں حُکم سِنگھ نام کا ایک ست سنگی رہتا تھا۔ وہ ایک منٹ بھی بیکار نہیں بیٹھتا تھا۔ رات کو بھجن کرتا اور دِن میں سیوا کرتا۔ ستگُورو کے ساتھ اُس کا اتنا پیار تھا کہ وہ ڈیرے میں ہی رہنے لگ گیا۔ جب محنت کی، اُس کا اندر پردہ کُھل گیا۔ لیکن جس طرح غریب کی جھونپڑی میں ہاتھی نہیں سماتا، وہ کمائی ہضم نہ کر سکا۔ بابا جی مہاراج نے کہا کہ حُکم سِنگھ ہضم کرو۔ تو کہنے لگا کہ اِس وقت اگر چاروں ویدوں کا گیا تا بھی سامنے آ جائے تو میرے ساتھ بات نہیں کر سکتا۔ بابا جی مہاراج نے دیا مہر کا ہاتھ کھینچ لیا اور اُسے شبد سُنائی دینا بند ہو گیا۔ اُس نے بہت کوشش کی، لیکن پھر بھی پردہ نہ کُھلا۔ آخر کہنے لگا، ''میں آپ کے خلاف چاچا جی (سوامی جی مہاراج کے چھوٹے بھائی سیٹھ پرتاپ سِنگھ جی) کو چِٹھی لِکھوں گا۔'' خیر! چِٹھی لِکھی یا نہیں، مگر وہ ناراض ہو کر اپنے گاؤں چلا گیا۔ جب بابا جی چولہ چھوڑ گئے تو اُن کے بعد پھر ڈیرے آ گیا اور وہیں رہنے لگا۔ ڈیرے میں بی بی رُکو سے اُس کی نہیں بنتی تھی۔ اُس کے ساتھ جھگڑتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ بی بی کو 'کالیکی' گاؤں ایک سادھو بھیجنے کی ضرورت پڑی۔ ابھی وہ تلاش میں ہی تھی کہ بڑے مہاراج جی نے کہا، ''حُکم سِنگھ کو 'کالے' بھیج دو۔'' بی بی رُکو راضی ہو گئی اور اُس کو 'کالے' بھیج دیا۔ وہاں اگر اُس کے پاس کوئی سیوا نہ ہوتی تو وہ

رسیّاں بٹنے لگ جاتا۔ اُس کے پاس ہر روز تین ہی کام تھے؛ حُکم کے مطابق بِلا ناغہ بھجن سمرن کرنا، پوتھی پڑھنا اور سیوا کرنا۔

خواہ اندر اُس کا پردہ بند تھا لیکن پھر بھی اُس نے بھجن سمرن نہیں چھوڑا۔ آخر جب وہ بیمار ہو گیا تو بڑے مہاراج جی نے اُسے ڈیرے بُلوا لیا۔ اُس کی موت سے کچھ دِن پہلے بڑے مہاراج جی کو آگرہ جانا تھا۔ اُنہیں دِنوں بی بی رکھّی کی سُرت شبد میں لگی ہوئی تھی اور آپ روز اُس کی طرف بھی جاتے تھے۔ لہٰذا آپ نے سوچا کہ بی بی رکھّی کی طرف سے ہو کر حُکم سِنگھ کی طرف خبر لینے جاؤں گا۔ آپ بی بی رکھّی کو دیکھ کر اُدھر جانے والے ہی تھے کہ حُکم سِنگھ وہاں آ گیا۔ بڑے مہاراج جی نے کہا، ''میں تمہاری طرف ہی آ رہا تھا۔'' وہ بولا، ''میں ایک مانگ مانگنے آیا ہوں۔'' بڑے مہاراج جی نے کہا کہ کہو؟ اُس نے کہا کہ مجھے اپنے چرنوں پر ماتھا ٹیک لینے دو۔ بڑے مہاراج جی نے کہا کہ وہ ماتھا ٹیکوانا پسند نہیں کرتے۔ اِس پر اُس نے کہا، ''اگر یہ آپ کا جسم بابا جیمل سنگھ جی کا ہے تو ماتھا ٹیک لینے دو، ورنہ میں نہیں ٹیکتا۔ اب کوئی پریمی سِکھ کیا یہ کہہ سکتا ہے کہ اُس کا جسم ستگُورو کا نہیں ہے؟ بڑے مہاراج جی نے مجبوراً بابا جی کا دھیان کر کے کہا، ''اچھا، ٹیک لو۔'' جب اُس نے چرنوں پر ماتھا ٹیکا تو اُسی وقت کہنے لگا، ''جو میری سولہ سال کی کمائی بند تھی وہ یکدم کُھل گئی ہے، مجھے واپس مِل گئی ہے اور میری سنبھال ہو گئی ہے۔ ستگُورو آ گئے ہیں۔''

سو مطلب تو یہ ہے کہ کمائی کا غرُور کر کے آدمی گِر جاتا ہے اور اندر کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ یہی سِکھ کی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔ اُس کو بھجن سمرن بند نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی شک کرنا چاہیئے۔ اِس طرح اُس کی کمائی رائیگاں نہیں جاتی۔ جسم چھوڑتے وقت پُوری پُوری سنبھال ہوتی ہے۔

131۔ جنگل میں سے راستہ

آپ فکر نہ کریں۔ ہر قدم پر آپ کی مدد، رہنمائی اور حفاظت
کے لیے ستگوُرو ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ اُن کے تئیں باخبر
ہو جائیں اور اُن کی مُسلسل موجودگی کو محسُوس کریں۔ بھروسے،
محبت اور عاجزی کے ساتھ برابر بھجن سمرن کرتے رہیں۔[152]

مہاراج ساون سِنگھ

لکّھا سِنگھ امرتسر میں ایک پریمی ست سنگی تھا۔ ایک دفعہ وہ دکن میں ناندیڑ شہر گیا۔ وہاں اُس کو ایک بُوڑھا آدمی مِل گیا۔ دونوں کو ایک گوُردوارے جانا تھا۔ چلتے چلتے راستے میں ایک جنگل آ گیا جس میں شیر، بھیڑیئے اور دیگر خونخوار جانور تھے۔ اِدھر شام ہو گئی، اُدھر وہ راستہ بھُول گئے۔ جِس طرف جاتے، جنگل ہی جنگل نظر آتا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ کہاں جائیں؟

بُوڑھا آدمی رونے لگ گیا کہ اب کیا کریں؟ آج کوئی جنگلی جانور ہمیں ضرُور کھا جائے گا۔ لیکن لکّھا سِنگھ کی حالت اور ہی تھی۔ وہ چُپ چاپ بھجن میں بیٹھ گیا، تب بابا جی مہاراج نے پرگٹ ہو کر کہا کہ یہاں سے ڈیڑھ میل دائیں کی طرف جاؤ، وہاں ایک پگڈنڈی مِلے گی، اُس پر چلتے جانا۔ تھوڑی دُور پر ایک چھوٹا سا گاؤں آئے گا۔ وہاں سے راستہ مِل جائے گا۔

جب دونوں وہاں سے ڈیڑھ میل دائیں ہاتھ گئے تو پگڈنڈی مِل گئی اور وہ گاؤں پہنچ گئے۔ وہاں رات ٹھہرے، دُوسرے دِن صبح گوُردوارے کی طرف چل پڑے اور وہاں پہنچ گئے۔

ستگوُرو تو ہمیشہ انگ سنگ ہے صِرف ہمارے اندر پُوری کشش اور یقین کی کمی ہے۔

132۔ ببوُل سے اِنسانی جامہ

سادھرتی بھئی ہریاوَلی جتھےَ میراستگوُروبیٹھا آئے
سے جنت بھئے ہریاوَلےجِنی میراستگوُرودیکھیا جائے[153]
گوُرورامداس

ایک مرتبہ ایک پریمی ست سنگی نے بڑے مہاراج جی سے پُوچھا، ''کیا آتما یقیناً اچھے کرموں کے سبب ہی اِنسانی جامہ حاصل کرسکتی ہے؟''

بڑے مہاراج جی نے جواب دیا، ''اصُول تو یہی ہے کہ سارا چوراسی لاکھ جوُن کا چکّر پُورا کر کے جیوآتما کو اِنسانی جامہ مِلتا ہے لیکن ستگوُرو کے پاس نام کی اتنی بڑی طاقت ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی درخت کا پھل کھالیں یا اُس کے سایے میں بیٹھ جائیں، یا کسی جانور، جیسے گھوڑے وغیرہ، کی سواری کرلیں، تو اُسے ایک دم اِنسانی جامہ مِل سکتا ہے۔

بڑے مہاراج جی نے پھر بتایا کہ چالیس سال پہلے، ایک باپ بیٹا سوامی جی مہاراج کے ست سنگی تھے۔ اُن دِنوں پلیگ کی بیماری پھیلی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے بیٹے کی موت ہوگئی۔ جب بیٹا قریب المرگ تھا تو باپ رونے لگ گیا۔

بیٹے نے پُوچھا، ''پتاجی! آپ روتے کیوں ہیں؟''

باپ نے جواب دیا، ''تُم میرے اِکلوتے بیٹے ہو اور موت کے قریب ہو، اِس واسطے روتا ہوں۔'' بیٹے نے شانتی سے جواب دیا، ''پتاجی! میں مرنے نہیں لگا بلکہ میں تو جینے لگا ہوں۔ میرا اندر کا پردہ کھُل گیا ہے اور مجھے اپنے پچھلے جنم کی خبر ہوگئی ہے۔ میں اُس وقت ببوُل کا درخت

تھا۔ کِسی ست سنگی نے میری ٹہنی کی داتن لاکر سوامی جی مہاراج کی سیوا میں لگا دی۔ اُس کا پھل یہ مِلا کہ مجھے اِنسانی جنم مِلا لیکن میری بُدّھی جڑ رہی۔ اب میرا کِسی اچھے پریوار میں جنم ہوگا اور میں پرمارتھ کی کمائی کروں گا۔

بڑے مہاراج جی نے بتایا کہ یہ سچا واقعہ ہے لیکن ایسے واقعات شاذو نادر ہی ہوتے ہیں۔

اُسی پریمی ست سنگی نے پھر پُوچھا، ''اچھا! پہلے رُوح درخت میں آتی ہے، پھر کیڑے مکوڑے میں اور پھر؟

بڑے مہارج جی نے جواب دیا، ''پھر پرندوں میں، اس کے بعد چوپائے جانوروں میں، اور سب سے آخر اِنسان کا جنم ملتا ہے۔ اصوُل تو یہی ہے کہ سارا چوراسی چکّر بھوگ کر کروڑوں سالوں کے بعد اِنسان کے جامے میں آئے۔'' اُنہوں نے مزید بتایا کہ وہ اُن خوش نصیب لوگوں کی بات کر رہے ہیں جن کا سنتوں کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے جیو کِسی بھی جوُن میں ہوں، اُن کو یکدم اِنسانی جامہ مِل سکتا ہے۔ خواہ اُن کے کرموں کا چکّر ابھی بھاری کیوں نہ ہو مگر آسانی تو ہو ہی جاتی ہے۔

مُکتی نام میں ہے۔ بغیر نام کے جیو اُوپر سچ کھنڈ میں نہیں جا سکتا۔ نام کی کمائی صِرف اِنسانی جامے میں ہی ہوسکتی ہے۔ اگر آپ کہیں کہ درختوں، جانوروں کو لے جائیں تو یہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ بغیر اِنسانی جامے کے نام کی کمائی نہیں ہوسکتی اور بغیر نام کی کمائی کیے اندرُونی گیان نہیں ہوسکتا اور بغیر اندرُونی گیان یا مُشاہدے کے مُکتی نہیں۔

133۔ پریم کی خوشبو

یہ بہادر عاشقوں کا خیال ہے۔ جس کو پریم کی لگن لگ جائے،
وہ گورا کالا نہیں دیکھتا، اندھا کانا نہیں دیکھتا۔ [154]

مہاراج ساون سنگھ

سوامی جی مہاراج کو تُلسی صاحب سے پرمارتھ کی روشنی مِلی تھی۔ تُلسی صاحب سوامی جی مہاراج کے گھر آیا کرتے تھے۔ ایک بار جب وہ اُن کے گھر آئے تو کچھ پریمی ست سنگی بیبیوں کو بھی پتہ چل گیا۔ وہ بہت پریم سے، جس حالت میں تھیں، جلدی جلدی چلی آئیں۔ اُس زمانہ میں آج جیسی ململ نہیں تھی، اُن کے کھدّر کے کپڑے پسینہ سے بھیگے ہوئے تھے۔

اُن بیبیوں نے آ کر جب ماتھا ٹیکا تو تُلسی صاحب کے ایک سیوک گِردھاری لعل نے اُن سے کہا، ''بیبیو، پیچھے ہٹ کر بیٹھو، تمہارے کپڑوں سے بدبُو آتی ہے۔''

تُلسی صاحب نے کہا، ''گِردھاری! تجھے اِن کے پریم کی خوشبو کی خبر نہیں۔ یہ کیا خیال لے کر آئی ہیں، تُو نہیں جانتا۔ اِن سے تجھے بدبُو آتی ہے لیکن مجھے نہیں آتی۔''

جِن کی ایسی پریت ہوتی ہے، گُورو اُن پر خوش ہوتا ہے۔ اُن کو اپنا نِج سیوک خیال کرتا ہے۔

134۔ بے پردگی پر پردہ

پریم دیوانے جو بھئے، پریتم کے رنگ ماہیں
سہجو سُدھ بُدھ سب گئی، تن کی سودھی ناہیں۔ [155]
سہجو بائی

حضوُر سوامی جی مہاراج کے وقت دو چار پریمی بیبیاں تھیں۔ اُن میں ایک بی بی شِبو تھی۔ ایک بار وہ اشنان کرنے لگی تو ایک جوگی اُس کے گھر کے پاس سے گزرا۔ جب جوگی نے گوُرو پریم کا شبد پڑھا تو شِبو کا اپنے گوُرو سوامی جی مہاراج کی طرف دھیان لگ گیا۔ وہ اِتنی دھیان مگن ہوگئی کہ کپڑے پہننا بھی بھوُل گئی اور اپنے گوُرو کے پریم میں مگن وہ برہنہ تن ہی گھر سے نکل پڑی۔ گلیوں میں سے ہوتی ہوئی سوامی جی مہاراج کے پاس جا پہنچی اور اُن کے قدموں پر گر کر رونے لگی۔ سوامی جی نے فرمایا، ''اری پگلی، تُو تو ننگی ہے، جا کپڑے پہن کر آ۔'' جب وہ دُوسری طرف کپڑے پہننے چلی گئی تو سوامی جی نے ہنس کر کہا، ''شُکر ہے! کوئی پریمی تو مِلا۔''
ستگوُرو کی دیا مہر کی خاص بات یہ تھی کہ بی بی شِبو گلیوں میں سے گزرتی ہوئی اُن کے پاس آئی لیکن راستے میں کسی نے اُس کو نہیں دیکھا۔

135۔ سنت کی خوشبو

اے خُدا! مجھے وہ آنکھ دے جو تیرا دیدار کر سکے اور میرے دِل میں عشق کا جنون بھر دے۔[156]

بُوعلی شاہ قلندر

جب بڑے مہاراج جی ایس۔ڈی۔او۔ تھے تو ایک دفعہ آپ پہاڑی علاقے میں سے گُزر رہے تھے کہ یکا یک آپ کے دِل میں خوشی چھا گئی۔ آپ سمجھ نہ سکے کہ وہ خوشی کِس بات کی تھی۔ کبھی کبھی آدمی اپنی اولاد کو یاد کر کے خوش ہوتا ہے، کبھی کبھی اپنے عُہدے کو یاد کر کے خوش ہوتا ہے۔ آپ کے دِل میں خیال آیا کہ اپریل کے مہینے کا آغاز ہے، شاید پیڑوں کی خوشبو کے سبب خوشی کا احساس ہو رہا ہے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ آپ کو پہاڑوں میں رہتے اٹھارہ سال ہو گئے ہیں، آج ہی ایسی خوشی کیوں ہے؟

جوُں جوُں آپ آگے چلتے گئے، خوشی بڑھتی گئی۔ تھوڑا اور آگے گئے تو دیکھا کہ سڑک کے کنارے ایک مست فقیر مالک کی یاد میں بیٹھا تھا، یہ خوشی اُسی کے سبب تھی۔ بڑے مہاراج جی اُس کو دیکھ کر اُس کے ادب کے لیے گھوڑے سے اُتر کر اُس کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ بولا، ''خوشبو لینے والی ناک بھی کوئی کوئی ہوتی ہے۔''

136۔ جو بویا سو کاٹا

فریب نہ کھاؤ خُدا ٹھٹھوں میں نہیں اُڑایا جاتا کیونکہ آدمی
جو کچھ بوتا ہے وہی کاٹے گا۔ [157]

گلتیوں

بڑے مہاراج جی نے ایک بار بتایا کہ لڑائی کے دوران اُن کے ساتھ ایک فوجی افسر تھا، جس نے جانوروں کے راشن میں سے قریب ایک لاکھ روپیہ چُرا لیا تھا۔ جب اُس کی موت آئی تو چلّانے لگا کہ یہ گائے سینگ مارتی ہے، وہ بیل سینگ مارتا ہے۔

اِسی طرح ایک اور آدمی کا ذِکر ہے۔ وہ پُولیس میں انسپکٹر تھا۔ جب موت آئی تو اپنی بیوی سے بولا، ''دیکھ، جمدُوت میرے ہاتھ جلا رہے ہیں۔''

ہم جو جو کرم کرتے ہیں، ہمیں خود ہی بھُگتنے پڑتے ہیں، اِن سے کوئی بچاؤ نہیں۔

137۔ کال کا حِساب چُکایا

جب ہی نام ہردے دھرا، بھیا پاپ کا ناس
مانو چِنگی آگ کی، پری پُرانی گھاس۔[159]

کبیر صاحب

ڈیرے میں ٹھاکر سِنگھ نام کا ایک ست سنگی رہتا تھا۔ اُس کو لوگوں کے گھر میں کھانے کی عادت تھی۔ زِندگی کے آخری ایام میں اُسے پلیگ کی بیماری ہوگئی۔ بڑے مہاراج جی نے پُوچھا کہ کیا حال ہے؟ وہ بولا، جی کال حِساب مانگتا ہے۔ موت سے چار دِن پہلے بالکل چُپ ہوگیا۔ آخر اُس نے کہا کہ سارا حِساب دے دیا ہے، اب شبد پڑھو۔

منّا سِنگھ نے شبد پڑھا۔ شبد پڑھنا تھا کہ اُس کی رُوح فوراً اندر چلی گئی۔ چہرے پر غمی کی جگہ خوشی آ گئی۔ اِس سے زیادہ ست سنگی سِکھ کو موت کے وقت کیا چاہیئے!

نام کی مہما لا بیان ہے۔ جِس طرح آگ کی ایک چنگاری کروڑوں من لکڑیوں کو جلا دیتی ہے، اُسی طرح نام کی کمائی سے کرموں کا حِساب ختم ہو جاتا ہے۔

138۔ سب سے بڑا کون؟

گُورو اور مالک میں کوئی فرق نہیں، دونوں اصل میں ایک ہی ہیں۔[159]

مہاراج ساون سنگھ

ایک پادری ہمیشہ بڑے مہاراج جی کے ساتھ بحث کرتا رہتا تھا۔ایک دفعہ جب آپ بیاس سٹیشن پر اُترے،تو وہ بولا کہ ایک سوال کا جواب دو۔آپ نے کہا،''بڑی خوشی سے، جو پُوچھنا ہے، پُوچھو۔'' اُس نے کہا کہ مجھے بتاؤ کہ گُورو نانک صاحب بڑے ہیں کہ کبیر صاحب بڑے ہیں یا بابا جیمل سنگھ جی؟ بڑے مہاراج جی نے کہا،''بھائی! تُو سب کو میرے سامنے کھڑا کر دے، میں بتا دُوں گا کہ کون بڑا ہے۔'' وہ کہنے لگا،''یہ تو میں نہیں کر سکتا۔'' تب آپ نے کہا، ''بھائی! میں نے تو بابا جیمل سنگھ جی کو دیکھا ہے، میں تو اُن کے متعلق ہی کچھ کہہ سکتا ہوں۔لیکن جن کے میں نے کبھی درشن نہیں کیے، اُن کا آپس میں مقابلہ کرنا میرے واسطے نامناسب ہے۔''

سب سنت ستگُورو ایک ہی دھام سے آتے ہیں۔اُن کے آپسی مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

139۔ دو خُدا

کھنڈ پتال دیپ سبھ لوآ، کالےَ وس آپ پربھ کیا
نہچل ایک آپ ابیناسی، سو نہچل جو تِسہہ دِھیائدا۔ [160]
گُورو ارجن دیو

جب بڑے مہاراج جی فوج میں انجینئر تھے تو ایک بار اُن کا تبادلہ راولپنڈی ہو گیا۔ وہاں ایک ایس۔ڈی۔او۔ تھا جو انچارج تھا۔ آپ دونوں کا یہ معمول تھا کہ شام کو اکٹھے کام بند کر کے جاتے تھے۔ ایک دِن کی بات ہے، دفتر کا وقت ہو چُکا تھا کہ آپ کا ایک کلرک کاغذ پر دستخط کرانے آ گیا۔ ایس۔ڈی۔او۔ کہنے لگا، ''چلو بھائی، کل کر لیں گے۔'' آپ نے کہا، ''مجھے دستخط کر لینے دو۔'' وہ بولا، ''چھوڑو بھی، خُدا آپ ہی کرے گا۔'' آپ نے پُوچھا، ''کون سا خُدا؟'' اُس نے کہا، ''کیا خُدا دو ہیں؟'' آپ نے کہا کہ ہاں۔ اُس کی سمجھ میں تو نہ آیا لیکن چُپ ہو گیا۔

گھر آتے ہوئے وہ سارے راستے سوچتا رہا۔ رات کو ایک فقیر مِلا، جس نے اچھی طرح سمجھا دیا کہ دُنیا کا خُدا اور ہے، کامل فقیروں کا خُدا اور ہے۔ جب سویرے دفتر آیا تو بولا کہ آپ کی کل کی بات میں راز ہے۔ آپ نے پُوچھا کہ کیا راز کھول دُوں؟ اُس نے کہا، ''نہیں، میری تسلّی ہو گئی ہے۔''

سو جو دُنیا کا خُدا ہے، وہ کال ہے اور جو گُورمُکھوں (کامل فقیروں) کا خُدا ہے وہ ترلوکی (استھُول، سُوکشم اور کارن منڈل) سے آگے ہے، وہ دیال ہے۔

140۔ گُورو کی خُوشی

جو ستگُورو کی سیوا میں لگا ہے وہ بڑا خوش قسمت ہے۔
ستگُورو میں مالک سمایا ہوا ہے۔[161]
مہاراج ساون سِنگھ

جب بڑے مہاراج جی ڈیرے میں بابا جیمل سِنگھ جی کے پاس آئے تو وہاں کوئی مکان نہیں تھا، صِرف ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی، جِس کے اِرد۔گرد باڑ لگی ہوئی تھی۔ پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ پانی دریا سے یا وڑائچ گاؤں کے کنویں سے لانا پڑتا تھا۔

جس وقت یہاں تعمیری کام شروع ہوا، بڑے مہاراج جی نے ایک کنُواں کھُدوایا اور مکان بھی بنوائے۔ اُس وقت ندی میں طغیانی آنے کے سبب وڑائچ گاؤں دریا بُرد ہو رہا تھا۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ یہاں مکان بنوا رہے ہو، کنواں لگوا رہے ہو، یہ آپ کی نا سمجھی ہے۔ اگر دریا سب کچھ بہا کر لے گیا تو؟ بڑے مہاراج جی نے، جو اُس وقت فوج میں ایک انجینئر کے طور پر کام کرتے تھے، اُن کو جواب دیا کہ اگر مکان بن جائیں اور میرے ستگُورو ایک بار بھی آ کر اِن میں بیٹھ جائیں تو آپ اپنی محنت کو سپھل سمجھیں گے، پھر چاہے دریا بہا لے جائے پروا نہیں۔

سو یہ ستگُورو کی سیوا ہے۔ مطلب یہ کہ جو دھن سادھ سنگت کی سیوا میں لگ جائے وہ سپھل ہے، اُس کی رکھوالی بھی ستگُورو آپ ہی کرتے ہیں۔

141۔ اب میں پرماتما کو مانتا ہوں

جب کوئی اِنسان کسی پُورے ستگُورو کے پاس خُود حاضر ہو کر یا لِکھ کر یا اُن کے نمایندے کے ذریعے (خود اُن سے یا اُن کے حُکم سے اُن کے نمایندے کے ذریعہ) نام دان حاصل کرنے کے لیے رابطہ قائم کر لیتا ہے، تو چاہے نام دان حاصل کرنے سے پہلے ہی اُس کی موت کیوں نہ ہو جائے، اُس اِنسان کی پُوری جوابداری ستگُورو لے لیتے ہیں۔ زِندہ ستگُورو (جس کے ساتھ اُس نے مندرجہ بالا رابطہ قائم کیا ہے) سے نام دان کے لیے اپنی خواہش ظاہر کرنے کے وقت سے ہی اُس اِنسان کو ستگُورو کی سنبھال اور رہنمائی دستیاب ہونے لگتی ہے۔[162]

مہاراج چرن سِنگھ

بڑے مہاراج جی نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا۔ تب آپ کوہ مَری پہاڑ پر بطور سب ڈویژنل افسر کام کرتے تھے۔ اُن دِنوں بابُو گجّا سنگھ جی بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ایک بار وہاں ایک لیڈر آیا جو پرماتما کو نہیں مانتا تھا۔ اِس لیے وہاں اُسکو نہ مسلمان رہنے دیتے تھے، نہ ہندو۔ وہ بہت دُکھی ہوا۔ جب بابُو گجّا سنگھ جی کو پتہ چلا تو بڑے مہاراج جی کے پاس گئے اور اُس سجن کا سارا حال بتایا۔ آپ نے کہا کہ اُس کو بُلاؤ۔

وہاں ایک اسسٹنٹ میڈیکل آفیسر تھا جو مسمریزم (Mesmerism) کے ذریعے علاج کرتا تھا اور وہ اُسی کے پاس علاج کروانے کے لیے آیا تھا۔ جب وہ لیڈر بڑے مہاراج جی کے پاس آیا تو آپ نے اُس سے پُوچھا کہ علاج کروانے کے لیے تمہیں کیا چاہیئے؟ وہ بولا کہ جی، ایک کُرسی،

ایک میز اور برآمدہ۔ آپ نے پُوچھا کہ کچھ اور بھی چاہیے تو بتاؤ۔ اُس نے کہا، ''جی نہیں۔'' اُس کو یہ چیزیں دے دی گئیں۔ بات چیت سے پتہ چلا کہ وہ کاٹھیاواڑ کا ایک بہت بڑا پنڈت تھا۔ پرماتھی خیال رکھتا تھا اور پرماتما کی تلاش میں نکلا تھا، لیکن پرماتما تو نہ مِلا، وہ کسی ایسے سماج میں پھنس گیا جس نے ثابت کر دیا کہ پرماتما ہے ہی نہیں۔

بڑے مہاراج جی اُن دِنوں اکثر دَورے پر جاتے رہتے تھے۔ اُن کے پیچھے بابو گجا سنگھ جی ست سنگ کرتے تھے اور وہ سجن ست سنگ میں آیا کرتا تھا۔ کافی عرصہ وہ ست سنگ سُنتا رہا، آخر ایک دِن بڑے مہاراج جی سے کہنے لگا، ''مجھے نام دے دو۔'' آپ نے اِس بات کا کوئی جواب نہ دیا، بلکہ کئی دِن اِسی طرح خاموشی میں گُزار دیے۔ اُس نے ایک دِن خود ہی کہا، ''جی! آپ مزدُوروں کو روزانہ کیا مزدُوری دیتے ہیں؟'' آپ نے کہا کہ چار آنے۔ اُس نے کہا، ''میں تین آنے لے لوُں گا، مجھے مزدُوروں میں شامل کر لیں۔'' اِسی عرصہ میں وہ بیمار ہو گیا۔ آپ نے اُس جیسے پڑھے لکھے اور بڑے آدمی کو مزدُوروں میں تو کیا شامل کرنا تھا، کہہ دیا جب تُو تندرست ہو جائے گا تو نام دے دُوں گا۔ آخر وہ بغیر نام لیے ہی وہاں سے سولن چلا گیا۔

کچھ عرصہ بعد آپ کو سولن سے اُس کی چِٹھی آئی، لکھا تھا کہ مجھے اُمید نہیں کہ میری چِٹھی پہنچے۔ خیر! اب میں پرماتما کو مانتا ہوں۔ معلوُم نہیں کہ موت کے وقت وہ میری سنبھال کرے گا کہ نہیں۔ بڑے مہاراج جی نے جواب میں لِکھا، ''وہ سب کے اندر ہے، تیرے اندر بھی ہے اور تیری سنبھال بھی کرے گا۔''

142۔ دھیان مگن

تُم کم سے کم دِل سے تو ضرُور ہمیشہ اِس کام میں لگے رہو، ڈیوٹی کے وقت بھی اور خالی وقت میں بھی۔ یہ کام تن اور من سے، دھیرج رکھ کر اور لگن سے کیے جانے کی مانگ کرتا ہے۔ [163]

کلاوُڈ آف اَننوینگ

لُدھیانہ کا ایک سکوُل ماسٹر تھا۔ اُسے نام کی کمائی کا بڑا شوق تھا۔ ایک دِن وہ اپنی دُھن میں دیوانِ حافظ پڑھتا پڑھتا باہر سیر کو چلا گیا اور اپنے مُرشد کے عشق میں اتنا مست ہو گیا کہ تیرہ میل دُور ایک گاؤں میں پہنچ گیا۔ جب دیکھا کہ وہ بہت دُور آ گیا ہے تو لوگوں سے پُوچھا کہ یہاں سے لُدھیانہ کتنی دُور ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ تیرہ میل ہے۔ بولا، ''اوہو! میں سیر کرنے نکلا تھا، تیرہ میل شہر سے باہر آ گیا ہوں۔ اب کیا کروں؟'' اُنہوں نے کہا کہ کوئی تانگہ کر لو۔ وہ بولا، ''مجھے تانگے کی ضرُورت نہیں ہے۔ میں جِس طرح آیا ہوں، اُسی طرح واپس چلا جاؤں گا۔''

سو جب اِنسان کو نام کی لذّت آ جاتی ہے تو پھر اُسے اپنے آپ کی بھی ہوش نہیں رہتی۔

143۔ فوجی افسر کے کرم

جب تک تُو اپنے مُدّعی کے ساتھ راہ میں ہے اُس سے جلد
صُلح کر لے؛ ۔ ۔ میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک تُو کوڑی
کوڑی ادا نہ کر دے گا، وہاں سے ہرگز نہ چُھوٹے گا۔[164]
متی

جب بڑے مہاراج جی راولپنڈی میں تھے تو وہاں اُن کے ایک دوست نے یہ واقعہ سُنایا:

ایک فوجی افسر رسالہ میں نوکر تھا۔ کابُل کی طرف پٹھانوں نے کچھ فساد کیا جسے روکنے کے لیے ایک دستے کو حُکم دیا گیا جس میں وہ فوجی افسر تھا۔ جب وہ وہاں گیا تو دونوں طرف سے گولی چل رہی تھی۔ اُس فوجی افسر کی گھوڑی مُنہ زور ہوگئی۔ اُس نے بہت روکا، لیکن گھوڑی زبردستی اُس کو دُشمن کی فوج میں لے گئی۔ پٹھانوں نے پانچ چھ گولیاں گھوڑی کو ماردیں، پانچ چھ گولیاں فوجی افسر کو ماردیں۔ دونوں مر گئے۔

فوج میں یہ قاعدہ تھا کہ فوجی دستوں کے راشن کا ٹھیکہ بنئیے کے پاس ہوتا تھا۔ اُس افسر کا بال بچّہ کوئی نہیں تھا۔ اُس کی جو نقدی تھی اُس نے بنئیے کے پاس امانت رکھی ہوئی تھی۔ جس وقت اُس کی موت ہوئی سرکار نے اُس کے وارثوں کو اِطلاع دے دی۔ اُنہوں نے آکر تنخواہ اور سامان وغیرہ لے لیا۔ اُس کا سارا حِساب ختم کر کے لے گئے۔ لیکن جو دو ہزار روپیہ بنئیے کے پاس جمع تھا، وارثوں کو اُس کا علم نہیں تھا۔ بنئیے نے اُس کو اپنے حِساب میں شامل کرلیا۔

کچھ خاص میعاد کے بعد بنیوں کے ٹھیکے تبدیل ہوجاتے تھے۔ جب اُس بنئیے کا ٹھیکہ ختم ہوگیا

تو وہ گھر آ گیا اور دُکان کھول لی۔ تقریباً بیس سال بعد بڑے مہاراج جی کا وہ دوست ہردوار گیا۔ اُس کے ساتھ کچھ اور دوست بھی تھے۔ واپسی پر سہارنپور میں اُس سے مُلاقات ہو گئی۔

بنئیے نے اُسے پہچان لیا۔ چونکہ راولپنڈی میں اُس سے مال خریدنے سے اُن کے آپس میں کافی تعلقات ہو گئے تھے، اُس نے اُن کو رات بھر ٹھہرنے کے لیے مجبور کیا کہ ایک تو اُن کی رات آرام سے گُزر جائے گی، دُوسرے اُن کو سہارنپور کی سیر کرا دے گا۔ وہ وہاں ٹھہر گئے۔

رات کو بنئیے نے بڑے تکلف کا کھانا بنایا اور پروس کر سامنے رکھ دیا۔ جب وہ کھانے لگے تو نزدیک ہی ایک عورت کی رونے چیخنے کی آواز سُنائی دی۔ اُنہوں نے بنئیے سے پُوچھا کہ کون عورت رو رہا ہے؟ بنئیے نے کہا، ''آپ کھانا تو کھائیں۔ یہ سب میں بعد میں بتا دُوں گا'' اُنہوں نے کہا، ''پہلے ہمیں بات بتاؤ، کھانا پھر کھائیں گے۔'' مجبُوراً بنئیے کو بتانا پڑا۔ اُس نے بتایا، ''یہ میری بیوہ بہوُ ہے۔ چند دِن ہوئے میرا لڑکا مر گیا، اُس کو یاد کر کے روتی ہے۔'' اُنہوں نے کہا، ''اوہو! تیرے لڑکے کی موت ہوئی ہے اور تُو اِتنے تکلف سے کھانا کِھلا رہا ہے؟''

کچھ بات چیت کے بعد بنئیے نے کہا، ''سُنو! آپ کو میں سارا واقعہ تفصیل سے بتاتا ہوں۔ بیس سال ہوئے جب میں راولپنڈی سے ٹھیکہ چھوڑ کر آیا تو آ کر شادی کی۔ دو سال بعد میرے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ اُسے پالا پوسا، پڑھایا لِکھایا۔ اُس کی شادی کی۔ شادی کے بعد وہ بیمار ہو گیا۔ بڑے بڑے لائق حکیم اور ڈاکٹر اُس کے علاج کے لیے بُلائے گئے، لیکن آئے دِن اُس کی حالت گِرتی گئی۔ آخر کار ڈاکٹری اور ویدک علاج سے پُوری مایُوسی ہو گئی تو ایک مُلّا کو دَم کرنے (جادُو ٹونا کرنے) کے لیے لایا گیا۔ اُس نے دَم کیا۔ اُس وقت میری جیب میں ڈھائی روپے تھے، وہ دے دیے اور کہا کہ باقی پھر دے دُوں گا۔ اتنے میں لڑکا ہنس پڑا۔ مُلّا نے کہا، میں اِس کو بالکل ٹھیک کر دُوں گا؛ میرے ایک بار دَم کرنے سے ہی اِس کی حالت بہتر ہو گئی ہے۔ جب مُلّا چلا گیا، تو میں نے لڑکے سے پُوچھا، ''بیٹا! اب تجھے آرام ہو گیا ہے؟'' لڑکے نے جواب دیا، ''ہاں! مجھے پکّا آرام ہو گیا ہے۔'' تب میں نے پُوچھا، ''پکّا آرام کیسا؟'' کہنے لگا، ''بیس سال ہوئے میں تیرے پاس دو ہزار روپے چھوڑ کر مر گیا تھا۔ اب میں نے آپ سے سب روپے وصُول کر لیے ہیں۔ صِرف ڈھائی روپے باقی تھے، جو تم نے ابھی دے دیے ہیں۔ یہ جو

میری عورت ہے، یہ وہ گھوڑی ہے جو مُنہ زور ہو کر مجھے دُشمن کی فوج میں لے گئی تھی۔ اِس نے جو مجھے مروایا تھا۔ اُس کے بدلے میں اِس کو ساری عُمر کے لیے بیوہ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔''

یہ آپ بیتی سُنا کر بنئیے نے کہا، ''اب مر گیا فوجی اور روتی ہے گھوڑی۔ میں کِس کو روؤں؟ گھوڑی کو یا فوجی کو؟ میں کیوں روؤں؟ آپ اپنا کھانا کھائیں۔''

سو یہ کٹمب، پریوار، رِشتے دار کرموں کے مطابق اکٹھے ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے کرموں کا حِساب ختم ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے تعلقات ٹوٹتے جاتے ہیں اور ہم سب بچھڑتے جاتے ہیں۔

144۔ بنگالی بابُو کی من پر جیت

اے خُداوند! تُو نے پانچ توڑے مجھے سپرُد کیے تھے۔ دیکھ میں نے پانچ توڑے اور کمائے۔ اُس کے مالک نے اُس سے کہا اے اچھے اور دیانتدار نوکر شاباش! تُو تھوڑے میں دیانتدار رہا۔ میں تجھے بہت چیزوں کا مختار بناؤں گا۔ اپنے مالک کی خوشی میں شریک ہو۔ [165]

متی

راولپنڈی کا ذِکر ہے۔ایک بنگالی بابُو دفتر میں نوکر تھا۔ بڑا پریمی اور ابھیاسی تھا۔ایک بار جب بڑے مہاراج جی نے اُس سے پُوچھا کہ من بس میں آیا؟ من اندر شبد کے ساتھ جُڑ تا ہے؟

تو اُس نے کہا کہ ہاں آیا، لیکن بڑی مشکل سے آیا۔ آپ نے پُوچھا، ''کِس طرح؟'' اُس نے کہا، ''جب میں گھر لوٹتا ہوں، نہا دھو کر بھجن میں بیٹھ جاتا ہوں۔ جب تک اندر لذّت نہیں آتی روٹی نہیں کھاتا۔ نوکر سے کہہ دیتا ہوں کہ تُو روٹی پکا کر اپنی کھا لینا اور میرے لیے رکھ کر سو جانا۔ میرا انتظار نہ کرنا۔ بعض اوقات رات کے بیٹھے صبح کے تین بج جاتے ہیں، تب کہیں جا کر بِگڑا ہوا من ٹھہرتا ہے۔ جب من ٹھہرتا ہے، اندر لذّت آتی ہے، تب اُٹھ کر روٹی کھا لیتا ہوں ورنہ نہیں۔''

اگر من کے کہے پر چلیں تو یہ بھگتی نہیں کرنے دیتا۔ سب مہاتما یہی کہتے آئے ہیں کہ اگر من کے کہے لگو گے تو یہ سیدھا نرکوں کا ادھیکاری بنا دے گا۔

145۔ انجانے میں کیا کرم

آخری وقت ستگورو سے چتائے گئے جیو کو لینے جم کال نہیں آتا گورو خود آکر آتما کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔[166]

مہاراج ساون سنگھ

بابو برج لال پوٹھوہار کے رہنے والے ایک ست سنگی تھے۔ لمبی رخصت پر گئے ہوئے تھے۔ بڑے مہاراج جی کو نمبر آٹھ مئونٹین بیٹری پر ملے۔ وہ کلرک تھے۔ وہاں بیمار ہو گئے، گھر والے پاس تھے۔ جب موت آئی تو اُس نے گھر والوں سے کہہ دیا کہ اب سب باہر چلے جاؤ تا کہ ستگورو آ جائیں۔ جب سب باہر چلے گئے تو ستگورو آ گئے۔

اتنے میں ایک ڈاکٹر آیا۔ گھر والوں کو باہر دیکھ کر بولا کہ اندر چلو، برج لال کو دیکھیں۔ اب وہ تو اپنے دھیان میں مگن تھا۔ بغیر بتائے ڈاکٹر نے شراب اور انڈے سے بنی ہوئی دوائی اُس کے مُنہ میں ڈال دی۔ اُس نے پُوچھا کہ یہ کیا پلایا ہے؟ ڈاکٹر نے جواب دیا کہ دوائی ہے۔ اُس نے کہا کہ تُم نے بہت بڑا پاپ کیا ہے۔ ستگورو آئے ہوئے تھے، لیکن اب یہ کہہ کر چلے گئے ہیں کہ چار دِن اور تڑپ لے، پھر تجھے لے جائیں گے، کیونکہ تیرے مُنہ میں شراب اور انڈے ڈالے گئے ہیں۔

وہ چار دِن تڑپتا رہا۔ آخر اپنی بیوی سے بولا کہ تُو میری اردھنگنی ہے۔ میری آخری سیوا کر لے، پھر موقعہ نہیں مِلے گا۔ اُس نے پُوچھا، ''کیا؟'' برج لال نے کہا کہ دروازے پر بیٹھ جا، جب تک میری جان نہ نکل جائے، اُٹھنا نہیں، اور کِسی کو اندر نہیں آنے دینا۔ بیوی نے ایسا ہی

کیا۔سوکرموں کا حِساب چُکائے بغیر چھٹکارا نہیں ہوتا۔اگر بھُول سے زہر کھالیا جائے تو بھی اُس کے اثر سے نہیں بچا جا سکتا۔

ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ آخری وقت میں ابھیاسی پُورے ہوش وحواس میں چولا چھوڑتے ہیں۔

146۔ بابا کلّھا کی سمادھی

کوئی بھی انسان جو اپنی رُوحانی طاقت کا استعمال اِس دُنیا کی حالت سُدھارنے کے لیے کرتا ہے، وہ اپنی طاقت کو برباد کرتا ہے۔ اُس کی رُوحانی طاقت کم ہو جاتی ہے اور وہ زیادہ اُونچی رُوحانی طاقتوں کو حاصل کرنے کا اپنا موقع کھو دیتا ہے۔ آگے کی ترقی کے لیے رُوحانی طاقت کو سنبھال کر رکھنا ضرُوری ہے۔[167]

مہاراج ساون سِنگھ

جب بڑے مہاراج جی کوہ مَری میں تھے، وہ ایک گاؤں میں گئے۔ وہاں تھانہ نیا نیا بنا تھا۔ آپ وہاں کے بِل چیک کرنے کے واسطے گئے تھے۔ ٹھہرنے کے لیے آپ کو ایک چوبارے والا کمرہ دیا گیا۔ اُس کمرے سے تھوڑا نیچے ایک سمادھی بنی ہوئی تھی۔ کمرہ بڑا ہوادار تھا۔ جب رات کو آپ سوئے تو پُوچھا کہ یہ سمادھی کِس کی ہے؟ تو کہنے لگے کہ یہ بابا کلّھا کی سمادھی ہے۔

بابا کلّھا ایک کمائی والا سادُھو تھا۔ اچھا ابھیاسی اور رِدّھیوں سِدّھیوں والا تھا۔ وہ ایک پہاڑی علاقے میں رہتا تھا۔ عورتیں اور آدمی اُس کی جھونپڑی کے آس پاس مویشی چراتے تھے۔ کئی بار لوگ اپنے مویشیوں کو اُونچی پہاڑی پر لے جاتے تھے تو بعض اوقات وہ نیچے گِر پڑتے اور مر جاتے تھے۔ چنانچہ ایک عورت کی بھینس جب چرتے چرتے پہاڑی سے گِر کر مرنے لگی تو اُس نے شور مچایا، ''بچانا، بابا کلّھا! میری بھینس کو بچانا۔'' بھینس بچ گئی۔

جب بھینس بچ گئی تو وہ عورت چُپ چاپ اُس کو لے کر اپنے گھر کو چل دی۔ جب بابا کلّھا کی

کُٹیا کے پاس سے نکلی، تو بابا نے اُسے کہا، ''جِس نے بھینس بچائی ہے اب اُس کی بات بھی نہیں پُوچھتی؟'' رفتہ رفتہ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ فلاں عورت کی بھینس بابا کلّھا نے بچائی ہے۔

بابا کلّھا نے کچھ گائیں رکھی ہوئی تھیں۔ اُس پہاڑی پر چھوٹے موٹے شیر اور دیگر خونخوار جانور بھی گھُومتے رہتے تھے۔ ایک شیر نے اُس کی گائیوں پر حملہ کیا اور دو گائیں مر گئیں۔ لوگوں نے کہا، ''بابا تیری گائیوں کو شیر نے مار دیا ہے۔ اِس پر وہ بولا، ''میری گائیں رات کو آپ ہی آ جائیں گی۔ جب شام ہوئی تو وہیں سے توجہ دے کر پُکارا، ''دُوڑو! دُوڑو!'' اُسی وقت گائیں آ گئیں اور شیر مر گیا۔ اِس واقعہ کو سُن کر اُس کی بڑی چرچا ہوئی۔

لیکن جب اُس کی موت آئی تو اُسے بہت تکلیف ہوئی، کیونکہ جو کمائی تھی وہ اُس نے کراماتوں میں خرچ کر دی تھی، پاس میں کچھ نہیں بچا تھا۔ اُس کا ایک گُورو بھائی تھا جو ہمیشہ چُپ رہتا تھا۔ کمائی والے لوگ مالک کی رضا میں رہتے ہیں۔

جب وہ بابا کلّھا کے پاس آیا تو بولا، ''تجھے کون کہتا تھا کہ گائے بھینسوں کو زِندہ کر۔ تُم نے اپنی کمائی خرچ کر دی، اب بھُگت۔''

اِس لیے من کو قابُو میں رکھو، کمائی کو رِدّھی سِدھی میں خرچ نہ کرو، اُسی میں فائدہ ہے۔ جو کمائی والے مہاتما ہوتے ہیں، وہ مالک کی رضا میں راضی رہتے ہیں، اور کہتے ہیں، جو اُس کی موج!

147۔ موت کی خوشی

اگر کوئی آدمی اِس دُنیا میں خوشی خوشی مرتا ہے تو صِرف شبد
کا ابھیاسی ہی۔ باقی کُل دُنیا، بادشاہ سے لے کر غریب
تک، روتے ہُوئے جاتے ہیں۔[168]

مہاراج ساون سِنگھ

ڈِھلواں گاؤں کا ذِکر ہے۔ایک بی بی شریر چھوڑنے لگی تو اپنے گھر والوں کو بُلا کر کہا، ''ستگُورو آ گئے ہیں، اب میری تیاری ہے۔اُمید ہے کہ آپ میرے جانے کے بعد روؤ گے نہیں، کیونکہ میں اپنے سچے دھام کو جا رہی ہوں۔اِس سے زیادہ اور خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ ستگُورو خود ساتھ لے جا رہے ہیں۔''اُس کے بیٹے کہنے لگے کہ ہمارا کیا ہوگا؟ تو وہ شانتی سے بولی، ''آپ اپنا آپ خود سنبھالو۔''

جب موت کے وقت گُورو سامنے آ جائیں تو اور کیا چاہیئے؟ اگر آپ ٹاٹ کا کوٹ اُتار کر مخمل کا کوٹ پہن لیں تو آپ کو کیا گھاٹا ہے؟ اگر آپ اِس گندے دیش سے نکل کر کُل مالک کے دیش میں چلے جائیں تو آپ کو اور کیا چاہیئے؟

148۔ بکرا اور بندر

من لذّت کا عاشق ہے، جب اِس کو پہلے سے کوئی اچھی چیز مِل جائے
تو یہ پہلی کو چھوڑ دے گا، دُوسری کے پیچھے دوڑے گا۔ اِسے دُنیا کی
کروڑوں لذّتیں دیں، من قابُو میں نہیں آتا۔[169]

مہاراج ساون سنگھ

ایک بار ست سنگ کے دَوران ایک آدمی نے کھڑے ہوکر بڑے مہاراج جی سے بینتی کرتے ہوئے اپنی کسی بھُول کی معافی مانگی۔ اپنی اِنکساری کا اِظہار کرتے ہوئے اُس نے اپنے گلے میں جُوتوں کا ہار ڈال رکھا تھا۔ بڑے مہاراج جی نے اُس سے پُوچھا کہ جسم کو سزا دینے سے کیا فائدہ اگر اصلی مُجرم من، آزاد گھُومتا پھِرے؟ اپنی بات کی صفائی میں آپ نے یہ کہانی سُنائی:

ایک عورت نے ایک بکرا اور ایک بندر پال رکھا تھا اور وہ دونوں گھر میں پاس پاس بندھے رہتے تھے۔ ایک دِن اُس نے بڑے پریم کے ساتھ کھانا بنایا اور دہی لینے کے لیے بازار چلی گئی۔ بندر نے اپنے ہاتھوں سے اپنی رسّی کھول کر، روٹیاں کھا کر بکرے کی رسّی کھول دی اور اپنے گلے میں اُسی طرح اپنی رسّی واپس ڈال لی۔ جب وہ عورت گھر واپس آئی تو دیکھا کہ کھانا نہیں ہے اور بکرا کھُلا پھر رہا ہے۔ لگی بکرے کو مارنے۔ کوئی بھلا آدمی یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اُس نے عورت سے کہا کہ یہ بکرا تو بے قصُور ہے، سارا قصُور اُس بندر کا ہے۔

سو اپنی خواہشات کو پُورا کرنے کے واسطے من رُوپی بندر سب کچھ کر رہا ہے۔ اصلی قصُور تو من کا ہوتا ہے، لیکن سزا بے چارے جسم کو بھُگتنی پڑتی ہے۔

149۔ رابعہ بصری.....خُدا کی سچی عابد

جب تے سادھ سنگت موہہ پائی
ناکو بیَری نہیں بِگانا، سگل سنگ ہم کو بن آئی
جو پربھ کینو سو بھل مانیو، ایہہ سُمت سادھو تے پائی
سبھ مہہ رَور ہیا پربھ اَیکےَ پیکھ پیکھ نانک بِگسائی [170]
گوُرو ارجن دیو

عورتوں اور مردوں، دونوں میں بُلند پایہ کے فقیر ہو گزُرے ہیں۔ رابعہ بصری بھی مُسلمانوں میں ایک اعلیٰ درجہ کی فقیر ہوئی ہیں۔ ایک دفعہ اُن کے پاس دو فقیر آئے۔ رابعہ نے کہا کہ خُدا کی کوئی بات بتاؤ۔ ایک فقیر نے کہا، ''خُدا کی طرف سے جو دُکھ آئے، اُس کو جو پیار سے برداشت کر لے وہ سچا طالب ہے۔'' رابعہ کہنے لگی کہ اِس میں غرُور کی بُو ہے، کوئی اِس سے اُونچی بات کہو۔

دُوسرا فقیر بولا کہ خُدا کی طرف سے جو تکلیف، بیماری، تنگی، دُکھ آئے اُس کو سُکھ سمجھ کر بھوگ لے۔ رابعہ نے کہا، یہ بھی ٹھیک نہیں۔ کوئی اِس سے بھی بڑھیا بات سُناؤ۔ اُنہوں نے کہا کہ پھر آپ ہی بتاؤ۔ رابعہ بولی، ''میں اُس کو فقیر سمجھتی ہوں، جس کو سُکھ اور دُکھ کا کوئی احساس نہ ہو۔'' یہی گوُرو تیغ بہادر صاحب کہتے ہیں:

سُکھ دُکھ دونوں سم کر جانےَ اور مان اپمانا۔ [171]

ایک بار بڑے مہاراج جی نے یہ کہانی سُنائی تو ایک ست سنگی نے کہا، ''حضُور! اور تو سارے دُکھ سہے جاتے ہیں، اپنی نِندا بھی سُنی جا سکتی ہے، لیکن گوُرو کی نِندا نہیں سہی جاتی۔'' بڑے

مہاراج جی نے جواب دیا، ''اگر کوئی گورو کی نِندا کرے تو آپ وہاں سے چُپ چاپ اُٹھ کر چلے جاؤ۔ رہی اپنی تعریف اور مذمّت، تو آپ نہ نِندا میں ناراض ہوں اور نہ تعریف میں خوش ہوں۔ ایک ہاتھی چلا جا رہا ہے۔ کُتّے بھونکتے ہیں۔ وہ چُپ چاپ چلا جاتا ہے۔ اُن کے بھونکنے کی پروانہیں کرتا۔ اِسی طرح جو مالک کے پیار میں رنگا ہوا ہے، دُنیا اُس کو جو مرضی ہے کہے، وہ پروانہیں کرتا۔''

فہرست اِمدادی کُتب

1۔آدگرنتھ،ص134
2۔دِیوانِ حافظ،ص407
3۔آدگرنتھ،ص 1156
4۔کبیر ساکھی سنگرہ،حِصہ 2،ص 88
5۔بائبل،یُوحنا، 36- 8:35
6۔سنت مت پرکاش،حِصہ 1،ص 261
7۔دِیوانِ حافظ،ص 181
8۔آدگرنتھ،ص 468
9۔سنت مت پرکاش،حِصہ 1،ص 262
10۔خواجہ عبدُاللہ انصاری(89-1006)
11۔داؤ وجنم لیلا پرسنگ، 3:21
12۔پرمارتھی پتر،حِصہ 2، پتر 39
13۔آدگرنتھ،ص651
14۔پلٹو صاحب کی بانی،حِصہ 1،ص 71
15۔آدگرنتھ،ص 28-1427
16۔تُلسی صاحب کی شبداولی،حِصہ 2،ص 42
17۔بائبل،متی6: 25
18۔کبیر ساکھی سنگرہ،حِصہ 2،ص 103
19۔نامعلوم
20۔آدگرنتھ،ص 1100
21۔پربھات کا پرکاش،ص 58
22۔دِیوانِ حافظ،ص 29
23۔بائبل،جیمز 8-4:7
24۔آدگرنتھ،ص 61-1160
25۔داؤ دیال کی بانی،حِصہ 2،ص 59
26۔آدگرنتھ،ص 1179
27۔آدگرنتھ،ص 256
28۔میراں سُدھا سندھو،ص 748
29۔معلوم نہیں
30۔آدگرنتھ،ص 176
31۔آدگرنتھ،ص 168
32۔بائبل،متی 27:6
33۔آدگرنتھ،ص 864
34۔بائبل،زبُور 57:1
35۔گُورمت سِدھانت،حِصہ 2،ص 53
36۔بائبل یُوحنا 24-14:23
37۔کلاوُڈ آف اَننوینگ،ص 95
38۔سنت مت پرکاش،حِصہ 2،ص 167
39۔بائبل،اِمثال 6-3:5
40۔آدگرنتھ،ص 1349
41۔بائبل،عبرانی 6-13:5

42۔سنت مت پرکاش،حِصہ 5،ص 16-315
43۔آدگرنتھ،ص 164
44۔آدگرنتھ،ص 1346
45۔جنم ساکھی (بھائی بالے والی)،ص 15-214
46۔معلوم نہیں
47۔آدگرنتھ،ص 795
48۔گُورمت سِدھانت،حِصہ 1،ص 90
49۔کبیر ساکھی سَنگرہ،حِصہ 1،ص 54
50۔داوُودیال کی بانی،حِصہ 1،ص 96
51۔بائبل،متی 5:18
52۔خواجہ عبدُاللہ انصاری
53۔پرمارتھی پتر،حِصہ 2،پتر 177
54۔آدگرنتھ،ص 1366
55۔بائبل،متی6: 34-33
56۔داوُودیال کی بانی،حِصہ 1،ص 192
57۔پلٹوصاحب کی بانی،حِصہ 1،ص 91
58۔بائبل،زبُور 27:1
59۔آدگرنتھ،ص 486
60۔آدگرنتھ،ص757
61۔مثنوی مولانا رُوم،دفتر1،ص 101
62۔پرمارتھی پتر،حِصہ 2،پتر 54
63۔بائبل1،یُوحنا 15:16
64۔دِیوان حافظ،ص 274
65۔دِیوان حافظ،ص 232
66۔آدگرنتھ،ص 1046
67۔دھمپد، VIII:4:103
68۔مثنوی مولانا رُوم،دفتر 1،ص 100
69۔آدگرنتھ،ص 1046
70۔آدگرنتھ،ص1010
71۔آدگرنتھ،ص 1382
72۔بائبل 2،کُرنتھیاں6: 16
73۔آتم گیان،ص 84
74۔بائبل،لُوقا 17:6
75۔سنت مت پرکاش،حِصہ 5،ص 50-349
76۔آدگرنتھ،ص 394
77۔کبیر ساکھی سَنگرہ،حِصہ 1،ص 73
78۔سنت مت پرکاش،حِصہ 5،ص 370
79۔گُورمت سار،ص 36
80۔گُورمت سِدھانت،حِصہ 2،ص 134
81۔سار بچن سَنگرہ، 15:5:7
82۔معلوم نہیں
83۔بائبل، یسعیاہ، 11:9
84۔بائبل،زبُور 139:12
85۔آدگرنتھ،ص 1076
86۔بائبل،زبُور 32-119:31
87۔بائبل،متی6: 21-19
88۔سار بچن سَنگرہ، 15:12:13
89۔آدگرنتھ،ص 286
90۔سنت مت پرکاش،حِصہ 5،ص 376
91۔سنت مت پرکاش،حِصہ 5،ص 378

92۔ گوُرمت سِدھانت، حِصہ 1، ص 778
93۔سار بچن سنگرہ، 16:1:18
94۔ گوُرمت سِدھانت، حِصہ 1، ص 877
95۔داؤد دیال کی بانی، حِصہ 1، ص 2
96۔آدگرنتھ، ص 793
97۔کبیر ساکھی سنگرہ، حِصہ 1، ص 43
98۔ گوُرمت سِدھانت، حِصہ 1، ص 1084
99۔واراں بھائی گُرداس، وار 35 :پوڑی 20
100۔واراں بھائی گُرداس، وار35:پوڑی 22
101۔ گوُرمت سِدھانت، حِصہ 1، ص 763
102۔آدگرنتھ، ص 168
103۔ گوُرمت سِدھانت، حِصہ 2، ص 477
104۔ گوُرمت سِدھانت، حِصہ 1، ص 105
105۔ گوُرمت سِدھانت، حِصہ 1، ص 896
106۔معلوم نہیں
107۔ گوُرمت سِدھانت، حِصہ 2، ص 360
108۔کبیر ساکھی سنگرہ، حِصہ 1، ص 6
109۔کلاؤڈ آف اَننوینگ، ص69
110۔آدگرنتھ، ص 1276
111۔داؤد دیال کی بانی، حِصہ 1، ص 147
112۔بائبل 1، یُوحنا16:4
113۔آدگرنتھ، ص 226
114۔کبیر ساکھی سنگرہ، حِصہ 1، ص 27
115۔پربھات کا پرکاش، ص99
116۔بائبل، مرقس 8:36
117۔پرمارتھی پتر، حِصہ 2، پتر142
118۔پرمارتھی پتر، حِصہ 2، پتر 88
119۔خواجہ عبدُاللہ انصاری (89-1006)
120۔بائبل، زبُور 8-139:7
121۔آدگرنتھ، ص972
122۔آدگرنتھ، ص1102
123۔آدگرنتھ، ص1323
124۔معلوم نہیں
125۔کُلّیات بُلّھے شاہ، کافی 79، ص167
126۔بائبل، یعقوب1: 12
127۔معلوم نہیں
128۔آدگرنتھ، ص 6
129۔خواجہ عبدُاللہ انصاری (89-1006)
130۔بائبل، رومیوں1: 25
131۔ گوُرمت سِدھانت، حِصہ 2، ص 522
132۔کِتاب میرداد، ص 57-156
133 معلوم نہیں
134۔بائبل، متی5: 8
135۔کبیر سمگر، حِصہ 1، ص 476
136۔کبیر سمگر، حِصہ 1، ص 414
137۔ گوُرمت سِدھانت، حِصہ ا، ص 65
138۔کُلّیات بُلّھے شاہ، کافی 6، ص 9
139۔آدگرنتھ، ص 467
140۔معلوم نہیں
141۔آدگرنتھ، ص 1324

142۔بائبل،متی 26:41
143۔مثنوی مولانا رُوم،دفتر 1،ص 23
144۔گوُرمت سِدھانت،حِصہ 1،ص 1137
145۔سار بچن سنگرہ2: 2-1:4
146۔قانونِ عشق،ص 70
147۔آدگرنتھ،ص 1291
148۔آدگرنتھ،ص 167
149۔پرمارتھی پتر،حِصہ 2،پتر 171
150۔پرمارتھی پتر،حِصہ 2،پتر 117
151۔سہجو بائی کی بانی،ص 35
152۔سنت مت درشن،حِصہ 3،پتر 40
153۔آدگرنتھ،ص 310
154۔سنت مت پرکاش،حِصہ 1،ص 207
155۔سہجو بائی کی بانی،ص 37
156۔دستیاب نہیں
157۔بائبل، گلتیوں6: 7
158۔کبیر ساکھی سنگرہ،حِصہ 2،ص 84
159۔گوُرمت سِدھانت،حِصہ 1،ص 1041
160۔آدگرنتھ،ص 1076
161۔گوُرمت سِدھانت،حِصہ 2،ص 93
162۔سنت مت درشن،حِصہ 3،پتر 102
163۔کلاؤڈ آف اَننوینگ،ص 109
164۔بائبل،متی5: 26-25
165۔بائبل،متی 25:20-21
166۔گوُرمت سِدھانت،حِصہ 1،ص 285
167۔پرمارتھی پتر،حِصہ 2،پتر 184
168۔سنت مت پرکاش،حِصہ 2،ص 37
169۔سنت مت پرکاش،حِصہ 4،ص 188
170۔آدگرنتھ،ص 1299
171۔آدگرنتھ،ص 219

ہماری اشاعت

ہندی۔ پنجابی

سوامی جی مہاراج

1۔سار بچن سنگرہ
2۔سار بچن وارتک

بابا جیمل سنگھ جی مہاراج

1۔پرمارتھی پتر، حصہ 1

مہاراج ساون سنگھ

1۔پرمارتھی پتر، حصہ 2
2۔شبد کی مہما کے شبد
3۔پربھات کا پرکاش
4۔گورمت سدھانت، حصہ 1-2
5۔سنت مت سدھانت
6۔سنت مت پرکاش، حصہ 1- 5
7۔پرمارتھی ساکھیاں
8 ۔گورمت سار

مہاراج جگت سنگھ جی

1۔آتم گیان
2۔روحانی پھول

مہاراج چرن سنگھ

1۔سنتوں کی بانی
2۔سنت مت درشن بھاگ 1
3۔سنت مت درشن بھاگ 2 (دویہ پرکاش)
4۔سنت مت درشن بھاگ 3 (پرکاش کی کھوج)
5۔سنت سنواد
6۔سنت سنواد بھاگ 2 (سنت وچن)
7۔سنت مارگ
8۔جیوت مریئے بھوجل تریئے

8۔ پارس سے پارس
10۔ سنت مت سنگرہ بھاگ 1 - 6

'مشرق کے سنت مہاتما' سِلسلہء کُتب کے تحت

1۔ سنت نامدیو	جنک پُوری، ویریندر کمار سیٹھی
2۔ سنت کبیر	شانتی سیٹھی
3۔ پرم پارس گُورو رویداس	کے۔ این۔ اُپادھیائے
4۔ گُورو نانک کا رُوحانی اُپدیش	جنک پُوری
5۔ گُورو ارجن دیو	مہندر سِنگھ جوشی
6۔ بھائی گُورداس	مہندر سِنگھ جوشی
7۔ سنت تُکارام	چندراوتی راجواڑے
8۔ نام بھگتی: گوسوامی تُلسی داس	کے۔ این۔ اُپادھیائے، پنچانن اُپادھیائے
9۔ مِیرا پریم دیوانی	ویریندر کمار سیٹھی
10۔ سنت داؤود دیال	کے۔ این۔ اُپادھیائے
11۔ سنت پلٹوُ	راجیندر کمار سیٹھی
12۔ سنت چرن داس	ٹی۔ آر۔ شنگاری
13۔ سنت دریا (بہار والے)	کے۔ این۔ اُپادھیائے
14۔ تُلسی صاحب	جنک پُوری، ویریندر کمار سیٹھی
15۔ اُپدیش رادھا سوامی (سوامی جی مہاراج)	سہگل، شنگاری، 'خاک'، بھنڈاری
16۔ سائیں بُلّھے شاہ	جنک پُوری، ٹی۔ آر۔ شنگاری
17۔ حضرت سُلطان باہُو	کِرپال سِنگھ 'خاک'
18۔ سرمد شہید	ٹی۔ آر۔ شنگاری، پی۔ ایس۔ عالم
19۔ بولے شیخ فرید	ٹی۔ آر۔ شنگاری
20۔ کامل درویش شاہ لطیف	ٹی۔ آر۔ شنگاری

ستگوروؤں کے بارے میں

1۔رُوحانی ڈائری حِصہ 3-1	رائے صاحب مُنشی رام
2۔دھرتی پر سوَرگ	دریائی لال کپُور
3۔انمول خزانہ	شانتی سیٹھی
4۔میرا ستگوُرو	جُولین۔پی۔جانسن

سنت مت سے متعلقہ

1۔نام سِدھانت	شنگاری، 'خاک'، بھنڈاری، سہگل
2۔سنت مت وِچار	ٹی۔آر۔شنگاری، کِرپال سِنگھ 'خاک'
3۔سنت سندیش	شانتی سیٹھی
4۔سنت سماگم	دریائی لال کپُور
5۔امرت نام	مہندر سِنگھ جوشی
6۔انتر کی آواز	سی۔ڈبلیو۔سینڈرس
7۔مارگ کی کھوج میں	فلورا۔اِی۔وُڈ
8۔رام چرِت مانس کا سندیش	ایس۔ایم۔پرساد
9۔ہنسا ہیرا موتی چُگنا	ٹی۔آر۔شنگاری
10۔جپ جی صاحب	ٹی۔آر۔شنگاری
11۔ہو وُجیوا نام دھیائے	ہیکٹر ایسپانڈا ڈ بن
12۔حق حلال کی کمائی	ٹی۔آر۔شنگاری
13۔جگیاسوؤں کے لیے	ٹی۔آر۔شنگاری
14۔بینتی اور پرارتھنا کے شبد	تالیف شدہ
15۔امرت نام	تالیف شدہ

دیگر مطبوعات

1۔ کتابِ میرداد	میخائیل نعیمی

اُردو

1 سار بچن، نظم، نثر اور سنگرہ	سوامی جی مہاراج
2۔ پرمارتھی پتر حصہ اوّل	بابا جیمل سنگھ
3۔ پرمارتھی پتر حصہ دوم	مہاراج ساون سنگھ جی
4۔ سنت مت پرکاش حصہ 7--1	مہاراج ساون سنگھ جی
5۔ پرمارتھی ساکھیاں	مہاراج ساون سنگھ جی
6۔ طلوعِ نور	مہاراج ساون سنگھ جی
7۔ روحانی پھول	مہاراج جگت سنگھ
8۔ آتم گیان	مہاراج جگت سنگھ
9۔ سنت مارگ	مہاراج چرن سنگھ
10۔ سنتوں کی بانی	مہاراج چرن سنگھ
11۔ سنت مت درشن حصہ 3--1	مہاراج چرن سنگھ
12۔ سنت سنواد	مہاراج چرن سنگھ
13۔ زِندہ مرنا پار اُترنا	مہاراج چرن سنگھ
14۔ پارس سے پارس	مہاراج چرن سنگھ
15۔ سائیں بلّھے شاہ	ڈاکٹر پوری، ڈاکٹر شنگاری
16۔ حضرت سُلطان باہُو	ڈاکٹر پوری، ڈاکٹر 'خاک'
17۔ سنت پلٹو	آر۔ کے۔ سیٹھی
18۔ رُوحانی ڈائری حصہ 3--1	رائے صاحب مُنشی رام
19۔ پیامِ مُرشد کامل	دریائی لال کپُور
20۔ فردوسِ بریں بر رُوئے زمیں	دریائی لال کپُور

For Internet orders, please visit: *www.rssb.org*